نعت کی
تنقیدی و تحقیقی جہات
(دبستانِ نعت سے انتخاب)
مرتّبہ
ڈاکٹر سراج احمد قادری
نعت ریسرچ سینٹر

نعت کی تنقیدی و تحقیقی جہات

مرتبہ:

ڈاکٹر سراج احمد قادری

نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

نام کتاب: نعت کی تنقیدی وتحقیقی جہات!

مرتبہ: ڈاکٹر سراج احمد قادری

صفحات: ۲۴۰

اشاعتِ اول: فروری ۲۰۲۴ء

قیمت : ۶۰۰ روپے

ناشر: نعت ریسرچ سینٹر، B-306، بلاک 14، گلستانِ جوہر، کراچی-75290

مطبع: قریشی آرٹ پریس، ناظم آباد، کراچی

ISBN No.978-969-8918-87-3

فہرست

نمبرشمار مضمون صفحہ

شرفِ انتساب

ہندوستان میں نعت کی تخم ریزی کر اس کے لہلہاتے ہوئے گلِ سرسبد ’’دبستان نعت‘‘ کی خوشبو سے اکناف عالم کے عشاق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دلوں کو معطر کرنے والے محترم فیروز احمد سیفی (نیویارک) کے نام

غبار راہ کو بخشا گیا ہے ذوقِ جمال
خِرد بتا نہیں سکتی کہ مُدّعا کیا ہے
(اقبالؔ)

سراج احمد قادری

ڈاکٹر عزیز احسن

نعت کی تنقیدی و تحقیقی جہات!......ایک رجحان ساز کاوش!

نعتیہ شاعری تو اردو کی ابتدائی تخلیقات میں جلوہ آرا تھی لیکن اس شاعری کو ایک طویل عرصے تک علمی سطح پر پرکھنے اور اس کے شعری و شرعی ابعاد (Dimensions) پر تحقیقی و تنقیدی نظر ڈالنے کی نوبت بہت بعد میں آئی۔ یہی وجہ تھی کہ اس صنف کو اردو کے ادبِ عالیہ میں وہ مقام نہیں مل سکا جو دوسری ہیئتی و موضوعاتی اصناف کو حاصل ہوا۔ اب تک یہ حال ہے کہ ''تنقید کی جمالیات'' کے عنوان سے دس جلدوں میں پروفیسر عتیق اللہ، پروفیسر اردو، دہلی یونیورسٹی، (بھارت) نے انتقادی مضامین کا انتخاب شایع کیا ہے۔ لیکن نعت پر ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ حال آں کہ اس کتاب کے سنِ اشاعت 2018ء تک نعتیہ ادب میں تنقیدی سرگرمیاں شروع ہوئے مدت ہوگئی تھی۔ نقدِ نعت کی متعدد کتب بھی منصۂ شہود پر آگئی تھیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ہمارے نقادوں کو نعتیہ متن میں کوئی ادبی خوبی نظر ہی نہیں آتی!

صبیح رحمانی نے اپریل ۱۹۹۵ء میں نعت رنگ کا پہلا شمارہ ''تنقید نمبر'' شایع کیا تھا۔ اس کے بعد اہلِ علم نے اس صنفِ شریف پر خصوصی توجہ دی۔ نتیجتاً نعت رنگ کے ۳۱ شماروں میں متعدد تنقیدی مضامین شایع ہو کر صاحبانِ بصیرت سے داد و تحسین وصول کر چکے ہیں۔ ان شماروں میں اِنڈو پاک کے اہلِ قلم نے بھرپور حصہ لیا۔ بھارت اور پاکستان کے شعراء نے نعتیں بہت لکھی ہیں۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز بھی نہیں رہا۔ سب نے ہی دل و جان سے حضورِ اکرم ﷺ کی مدحت نگاری میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیا ہے۔ پھر جب نعتیہ شاعری کے حوالے سے علمی مباحث چھیڑنے اور اس پر انتقادی نظر ڈالنے کا مرحلہ آیا تو صبیح رحمانی نے دونوں ملکوں کے اہلِ قلم کو اس کاروانِ فکر و فن میں شامل کرلیا۔ نعت رنگ کی ہارڈ کاپی، پاکستان میں تو ہر لکھاری اور نعت کے قاری تک پہنچتی رہی لیکن بالجوہ، بھارت کے لکھاریوں تک نہیں پہنچی۔ اس کا ازالہ pdf فراہم

کر کے کیا جاتا رہا۔

بقول ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب، ''دبستانِ نعت'' کے اب تک سات شمارے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ اس مجلّے کی اشاعت کی کہانی انھوں نے اپنے پیش لفظ میں لکھ دی ہے۔ نعتیہ ادب کو ادبِ عالیہ کا قابلِ قدر حصہ بنانے کی جو خواہش مدیرِ نعت رنگ کے دل میں تھی، وہی آتشِ محبت امریکہ میں بیٹھے ہوئے جناب فیروز احمد سیفی کے دل میں بھڑکی اور انھوں نے ڈاکٹر سراج احمد قادری کے دل میں بھی اس حرارت کو منتقل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ''دبستانِ نعت'' کے سات شماروں میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے تنقیدی و تحقیقی مضامین شایع ہوتے رہے۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری نے مضامین کے اس انتخاب کی غرض و غایت پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:

> ''دبستان نعت'' کے سات شماروں کے منظر عام پر آجانے کے بعد ہم لوگوں سے غایت درجہ محبت فرمانے والے محسن و کرم نواز محترم جناب سید صبیح رحمانی صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ اگر ان سات شماروں میں شایع شدہ تحقیقی وتنقیدی مضامین کا ایک انتخاب پاکستان سے شایع ہو جاتا تو یہاں کے حلقۂ نعت سے وابستہ لوگ ہندوستان کے محققین و ناقدینِ نعت سے متعارف بھی ہو جاتے اور دنیائے نعت میں ''دبستان نعت'' کے نقوش و اثرات کا تعین بھی ہو جاتا''۔

پیشِ نظر کتاب ''نعت کی تنقیدی و تحقیقی جہات!'' میں صبیح رحمانی کی تجویز کے مطابق صرف، بھارت کے اہلِ فکر و نظر کی تحریریں ہیں۔ کیوں کہ پاکستان میں اس قسم کی کتب تو بہت شایع ہو چکی ہیں اور طباعت کا یہ سلسلہ جاری ہے، لیکن بھارت میں نقد و نظر اور تحقیق و تدقیق کے متون (Texts) ذرا کم کم طبع ہو سکے ہیں۔ بھارت میں نعت پر علمی مباحث سے مملو تحریروں کی

اشاعت کی رفتار بڑی سست رہی ہے۔ برِصغیر میں نعتیہ ادب کا پہلا تحقیقی مقالہ ''اردو میں نعتیہ شاعری'' جس پر، پروفیسر ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق مرحوم کو ۱۹۵۵ء میں ناگپور یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی سند ملی تھی وہ ۶۷ برس بعد ڈاکٹر سراج احمد قادری کی کوشش سے 2022ء میں شایع کیا جاسکا۔ جب کہ یہی مقالہ پاکستان میں، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی کے زیرِ اہتمام ۱۹۷۶ء میں شایع ہو چکا تھا اور اب اس کی اشاعتِ ثانی بھی پاسبانِ حمد ونعت، کراچی کے زیرِ اہتمام 2023ء میں ہو چکی ہے۔

بھارت میں تقدیسی ادب کی اشاعت کی سست رفتاری کے تناظر میں، دبستانِ نعت جیسے مجلوں کی اشاعت اور ان میں انڈو پاک کے ناقدین اور محققین کی شمولیت بڑی خوش آئند ہے۔

زیرِ نظر کتاب، ایسی تحریروں کا انتخاب ہے جو ''دبستانِ نعت'' میں شایع ہوتی رہی ہیں۔ پاکستان میں بھارت کے ناقدین ومحققین کا تعارف کروانے کی غرض سے اس کتاب میں صرف ہندوستان کے لکھاریوں کی تحریریں شامل کی گئی ہیں۔

ا نعتیہ ادب کے فروغ اور اس شعری سرمائے کو مختلف جامعات میں بطور نصاب شامل کرنے کی غرض سے، تحقیقی وتنقیدی تحریری سرمائے کی ضرورت ہے۔ یہ مضامین اور اس قبیل کی بیشتر کتب جو پاکستان اور بھارت میں اس سے قبل شایع ہو چکی ہیں، نعت پر کام کرنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ہوں گی۔ تاہم جیسا کہ اقبال نے کہا ہے:

گماں مبر کہ بپایاں رسید کارِ مغاں

ہزار بادۂ ناخوردہ دررگِ تاک است

(یہ خیال نہ کیا جائے کہ شراب کشید کرنے کا کام مکمل ہو گیا۔ ابھی تو انگور کی بیلوں میں ایسی ڈھیر ساری شراب موجود ہے جس کو چکھا نہیں گیا......یعنی ابھی بہت سے امکانات ہیں)

بہر حال قطرہ قطرہ تالاب بنتا ہے۔ نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے میں مضامین کا یہ

انتخاب ایک وقیع Contribution ہے۔

عزیزؔ احسن

ڈائرکٹر نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

منگل: ۱۱ر رجب المرجب ۱۴۴۵ھ

مطابق: ۲۳ر جنوری ۲۰۲۴ء

Email:abdulazizkhan49@gmail.com

Whatsapp: 0092-318-8093456

’’دبستان نعت‘‘ احوال و کارکردگی

اردو ادب کے اُفق پر ہندوستان سے نمودار ہونے والے مجلّہ ’’دبستان نعت‘‘ نے اب تک سات شماروں کا سفر طے کرلیا ہے اور آٹھواں شمارہ عنقریب ہی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونے والا ہے جس کے لئے ہم یعنی محترم جناب فیروز احمد سیفی اور یہ بندۂ ناچیز اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جتنا بھی شکریہ ادا کریں کم ہے۔

بلکہ ہم اللہ جلّ مجدہ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توفیقات و عنایات کا شکریہ ادا کر ہی نہیں سکتے اس لئے کہ ہمارے اندر اس کی سکت ہی نہیں کہ ہم کما حقہ ان کا شکریہ ادا کرسکیں۔ ہاں الفاظ و معانی کا جو شعور و ادراک ہمیں عطا کیا گیا ہے اس کے وسیلے سے بھی ہم ان کی ذوات مقدسہ کے حضور ترفعات کا جو اظہار کرتے ہیں ان کی کم مائیگی روز روشن کی طرح عیاں ہے، لیکن ہماری بساط ہی اتنی سی ہے۔

’’دبستان نعت‘‘ کے معرض وجود میں آنے یا آسمان صحافت پہ جلوہ گر ہونے میں سب سے اہم کردار محترم جناب فیروز احمد سیفی (نیویارک) کا ہی ہے۔ اُن کی دیرینہ خواہش تھی کہ فروغ حمد و نعت کا کام جس طرح پوری دنیا میں ایک تحریک کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے بالخصوص ہمارے پڑوسی ملک پاکستان میں اسی طرح ہندوستان سے بھی ہونا چاہئے جس کے لئے وہ ایک زمانے سے کوشاں بھی تھے۔

لیکن یہ بات جگ ظاہر ہے کہ اللہ جلّ مجدہ کی بارگاہ عالی جاہ سے ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے، جب وہ ساعت سعید آجاتی ہے تو اس کام کا آغاز ہوجاتا ہے۔ ’’دبستان نعت‘‘ کی اشاعت کا کام بھی کچھ اسی طرح عمل میں آیا۔ جس کا ذکر میں ’دبستان نعت‘‘ کے پانچویں شمارے میں ’’نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا‘‘ کے تعارف کے تحت کرچکا ہوں۔

نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا نعتیہ ادب کے فروغ و ارتقاء کے لئے قائم کیا گیا ایک بین

الاقوامی ادارہ ہے۔جس کی بنیاد ماہ دسمبر ۲۰۱۵ء میں محترم جناب فیروز احمد سیفی (نیویارک) کے ہاتھوں رکھی گئی وہی اس ادارے کے فاونڈر رڈائریکٹر ہیں۔نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا کے قیام کا واحد مقصد ہندو بیرون ہند ممالک میں نعت کے ان سرمایۂ جات کو ڈھونڈ نکالنا ہے جو ابھی تک ارباب علم و فضل کی فکر وفن کا موضوع نہیں بن سکے ہیں،مگران میں فکر وفن کا موضوع بننے کی تمام تر صلاحیتیں موجود ہیں۔خاص کر اُسوۂ رسول اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان میں جوفراوانی ہے وہ بے حدو بے کراں ہے۔

نیز نعت کی ادبی عظمت یونیورسٹیز اور کالجز کے ان اساتذہ اور دانشوروں کو بھی باور کرانا ہے جنہوں نے آج تک اس مقدس صنف کو ادب کی صنف کا درخور اعتنا سمجھا ہی نہیں۔انہوں نے ہمیشہ اس سے صرف نظر برتا۔

لائق صد مبارک باد ہیں وہ یونیورسٹیز اور تعلیمی ادارے جن کے یہاں نعت شامل نصاب ہے اور وہاں کے اساتذہ اس کی تعلیم وتعلم میں ہمہ تن مشغول ہیں۔نیز ملک و بیرون ملک کی ان دیگر یونیورسٹیز اور تعلیمی اداروں کو بھی رغبت دلانا ہے جن کے یہاں نعت تا ہنوز شامل نصاب نہیں جس سے کہ وہ اس کی جانب متوجہ ہوکر نعت کو اپنے یہاں شامل نصاب کر کے اس کے ارتقائی فروغ میں ایک اہم کردار ادا کرسکیں۔

یہاں پر یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ایک دن میرے کرم گستر محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالحق صاحب، پروفیسر ایمرٹس، دہلی یونیورسٹی، دہلی نے مجھ سے فون کر کے فرمایا کہ میری دلی خواہش ہے کہ جس طرح دیگر اصناف ادب کی نصابی کتب ہیں اسی طرح ایم۔اے اردو کے طلبہ کے لئے بھی نعت کی ایک نصابی کتاب ترتیب دے دوں۔

ان کے اس ارشاد پر میں خوشیوں سے جھوم اُٹھا اور میں نے اسی وقت ان سے عرض کیا کہ اگر آپ نعت کی نصابی کتاب مرتب فرما دیں گے تو ہمارا ادارہ انشا اللہ تعالیٰ اوّلِ فرصت میں اس کو طبع بھی کر دے گا۔

الحمدللہ رب العالمین: ڈاکٹر صاحب نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود لگ کر نعت کی ایک نصابی کتاب ’’بحضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم‘‘ ترتیب دی اور ہم نے اس کو اسی سال ماہ جولائی ۲۰۲۳ء میں اپنے ادارے سے شائع بھی کر دیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی مذکورہ کتاب پر پاکستان کی ایک اسکالر صدف فاطمہ اس کی افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتی ہیں:

’’عشقِ رسول سے سرشار پروان چڑھتی صنف نعت اردو ادب کا ایک بڑا سرمایہ ہے۔ اس سرمائے میں بلاتخصیص مذہب، فرقہ وذات ہر دور میں اضافہ ہوا ہے۔ نعت کی خاصیت یہ ہے کہ یہ علٰحیدہ جتنی مضبوط صنف ہے اُتنی ہی دیگر شعری اصناف سے مربوط بھی ہے۔ مثنوی، قصیدہ، مرثیہ بذات صنف نعت نہیں لیکن روایت اور محبت نے ہر ایک کے ابتدائیے کو نعتیہ کلام سے مزین کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو جیسی نئی اور کم عمر زبان میں بھی نعتیہ کلام کا نمایاں ذخیرہ ہاتھ آیا۔

’’بحضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مُلّا داؤد (ولادت ۱۲۸۶ء) سے سید صبیح رحمانی (۱۹۶۵ء) تک اٹھاون شعرا کے نعتیہ انتخاب کا مجموعہ ہے۔ جسے ڈاکٹر عبدالحق نے حال ہی میں مرتب کر کے نعت ریسرچ سینٹر۔ نڈیا سے شائع کیا ہے۔ ۱۸۳ر صفحات پر مشتمل مذکورہ انتخاب کے متعلق ڈاکٹر عبدالحق لکھتے ہیں:

’’اس قید و بند کے زمانے میں ناچیز کو جو سہولت سے مل سکا وہ کلام انتخاب میں شامل ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انتخاب میں زبان زد عام تاریخ کے مطابق امیر خسؔرو کے نعتیہ کلام سے آغاز کیوں نہیں کیا گیا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر عبدالحق کا نقطۂ نظر مختلف ہے۔ ’’بحضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم‘‘ میں شامل گیارہ صفحاتی ’’تقدیم‘‘ میں ڈاکٹر عبدالحق رقم طراز ہیں:

’’راقم نے عہد قدیم کے نعتیہ کلام سے انتخاب کا آغاز کیا ہے۔ کیونکہ وہ ہمارا قدیم اور بہت ہی وقیع سرمایہ ہے۔ ہماری ادبی تاریخ خسؔرو کے مشکوک اور مشتبہ کلام سے نہیں شروع ہوتی۔ یہ ایک مغالطہ ہے ان کے اردو کلام کے وجود کا کوئی پختہ ثبوت نہیں ملتا۔ اس کے برخلاف انہیں کے

معاصر مُلّا داؤد کا کلام معتبر اور تحقیق شدہ ہے۔ اس عہد کے مخطوطات کی موجودگی سے اس متن کی صحت میں کوئی شک نہیں رہتا۔ ہماری بدتوفیقی تھی کہ اردو کو صاف وشستہ اور شہری زبان بنانے کے شوقِ بے جا میں انہیں تسلیم کرنے سے گریز کیا گیا۔''

مرتب کا بیان قابلِ نظرانداز نہیں بلکہ قابلِ غور ہے۔

ڈاکٹر عبدالحق نے اپنے انتخاب کو تاریخی تسلسل سے ترتیب دیا ہے اور اس کا آغاز مُلّا داؤد کے نعتیہ کلام بعنوان ''مثنوی چنداین'' سے کیا ہے۔

پُرس ایک سر جس اُجیارا
ناؤ محمد جگت پیارا

انتخاب میں اٹھاون شعرأ کے نعتیہ کلام کو تاریخ وار اس طرح ترتیب دیا ہے کہ شاعر کے نام کے ذیل میں معلوم تاریخ پیدائش و وفات مع ماخذِ کلام اور عنوان نعتیہ کلام درج ہے مثلاً:

ولؔی دکنی (۱۶۶۸ء۔۱۷۰۷ء) کُلّیاتِ ولؔی

درنعتِ حضرت خیر البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعض شعرأ کی تاریخ پیدائش یا وفات مشکوک ہے یا معلوم نہیں، ایسی صورتِ حال میں معلوم کوائف ہی درج کیے ہیں۔

مثلاً مُلّا داؤد (ولادت ۱۲۸۶ء)

انتخاب ''بحضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' دو پہلوؤں سے قارئین بالخصوص طلبہ کے لیے کارگر ہے۔ اوّل و اہم پہلو صنف نعت میں وقت کے ساتھ ساتھ ہیئتی وموضوعاتی ارتقأ ہے۔ تیرہویں صدی سے اکیسویں صدی تک اردو زبان نے خوب ارتقائی سفر کیا۔ اس سفر کے نقوش کا مطالعہ مذکورہ انتخاب کے توسط سے بالتخصیص نعت کیا جاسکتا ہے۔

''بحضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کی روشنی میں دیکھا جائے تو نعت کے ابتدائی نقوش مثنوی ہیت میں اور قدیم ناپختہ زبان کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ مثلاً مُلّا داؤد کی مثنوی ''چنداین''، فخر دین نظامی کی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' محمد فخرالدین ابن نشاطؔی کی مثنوی

''پھول بن'' وغیرہ۔ان سب کی ہئیت وزبان اپنے اندر خوب دلچسپی لیے ہوئے ہے۔موضوع کے اعتبار سے بھی نعت میں دلچسپ ارتقا سامنے آتا ہے۔اس ارتقاٗ کی طرف ''تقدیم'' میں ڈاکٹر عبدالحق اشارہ کرتے ہیں:

''نعت میں محبت وارادت کی جگہ مقاصدِ رسالت کے حکیمانہ پیغام کو پیش کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔رحمتِ عالم کے ساتھ محسنِ انسانیت پر توجہ دی گئی۔۔۔سیرت پاک کے اس انقلابی پہلو کو نعت میں خاص توجہ دی گئی۔۔۔گویا نعت نگاری میں کرۂ ارض کے معاملات کی ترجمانی نے ایک نئے عنوان کو متعارف کرایا اور ان سُلگتے ہوئے مسائل کا شافی علاج دامنِ رسول میں پایا گیا۔''

''بحضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' چونکہ ڈاکٹر صاحب کی طرف سے چنندہ شعرا کے نعتیہ کلام کا انتخاب ہے،اس میں مزید شعرا اور ان کے نعتیہ کلام کا اضافہ کیا جا سکتا ہے، جس سے اسکالرز کے لیے نعت میں موضوعی ارتقاٗ وضرورت کی ذیل میں تحقیق کا اہم باب وا ہوتا ہے۔

''بحضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کا دوسرا اہم پہلو نصابی ضرورت کی تشفی و تکمیل ہے۔اردو ادب کی دیگر اصناف مثلاً افسانہ،انشائیہ،نظم وغیرہ کی نصابی کتب تو موجود ہیں لیکن طلبہ و مدارس نعت کے نصابی مجموعے کی کمی محسوس کرتے رہے ہیں۔

نعت کی صنف کو شامل نصاب کرنا از حد اہم ہے لیکن اس سے بھی اہم اس کا نصابی مجموعہ ترتیب دینا ہے تاکہ اس صنف کو جِلا ملے۔نعت کے نصابی مجموعے کی کمی ایسے اداروں میں زیادہ معلوم ہوتی ہے جہاں اردو ادب کو بطور ثانوی زبان پڑھایا جاتا ہے، یا جہاں کے طلبہ کی مادری زبان اردو نہیں ہے۔اس ضمن میں فیروز احمد سیفی، ڈائریکٹر نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا لکھتے ہیں:

''نعت کو شاملِ نصاب کیے جانے کے حوالے سے جب بھی ہماری کسی دانشور سے

گفتگو ہوئی تو اس نے سب سے پہلا سوال یہی کیا کہ اس کی تو کوئی نصابی کتاب ہی نہیں ہے جسے ہم شاملِ نصاب کر کے پڑھیں پڑھائیں اور دیگر اصنافِ ادب کی طرح یہ فن بھی فروغ پا سکے۔''

مذکورہ دونوں پہلو ڈاکٹر عبدالحق کے انتخاب کی اہمیت پر دال ہیں جسے ادبی حلقوں میں خوب پذیرائی حاصل ہوگی۔''

صدف فاطمہ، ایم فل اردو

''تدوینات مکاتیب غالب: تقابلی جائزہ''

نیز اسی تناظر میں یہ بات بھی میں آپ کے علم میں لانا مناسب سمجھتا ہوں کہ ۲۰۲۱ء میں ہم نے محترم جناب پروفیسر فاروق احمد صدیقی، سابق صدر شعبۂ اردو بی۔آر۔اے۔بہار یونیورسٹی، مظفر پور، بہار کی کتاب ''چمنستان نعت'' (۲۰ رسویں صدی کے اردو کے مشاہیر نعت گو شعرا کے کلام کا نمائندہ انتخاب'' شائع کی تھی کہ جن یونیورسٹیز یا بورڈس میں نعت شامل نصاب ہے ان کو نعتیہ لٹریچر کی کمی کا احساس نہ ہو۔

پروفیسر عبدالحق صاحب کی نعتیہ نصابی کتاب کے منظر عام پر آجانے کے بعد لوگوں کا عذر بالکل ہی دفع ہوگیا کہ اس کی کوئی نصابی کتاب نہیں ہے۔ اب ہم اس ادارے کے قیام کے پس منظر پر بھی اجمالی روشنی ڈالنا بہتر سمجھتے ہیں کہ یہ کس طرح وجود میں آیا، اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

جہاں تک مجھے یاد آرہا ہے کہ ۲۰۱۲ء میں ایک دن شام کو تقریباً ساڑھے پانچ بجے میرے موبائل فون پر ایک انٹرنیشنل کال آئی جس میں فون کنندہ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ میں فیروز احمد سیفی (نیویارک) سے بول رہا ہوں میں نے عرض کیا کہ فرمائیں کیا حکم ہے؟ انہوں فرمایا کہ میں نے آپ کا نمبر لاہور سے نکلنے والے ماہنامہ ''جہان رضا'' سے حاصل کیا ہے۔

جس وقت ان کی کال آئی اس وقت میں سبزی منڈی میں سبزی خرید رہا تھا جہاں کثرتِ ہجوم کے باعث ان کی آواز صاف سُنائی نہیں دے رہی تھی پھر بھی میں نے متوجہ ہو کر سننے

کی کوشش کی لیکن جب آواز حد درجہ کمزور ہوگئی تو میں نے عرض کیا کہ آپ کی آواز نہیں آرہی ہے نیز ہجوم کے باعث سن پانا بھی ممکن نہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اچھا میں کل اسی وقت آپ سے دوبارہ بات کرتا ہوں، میں نے عرض کیا جی بہتر۔

دوسرے دن جب ان کی کال آئی تو اس وقت میں گھر پر ہی تھا ان سے تفصیلی گفتگو ہوئی۔ اس وقت ہماری ان کی گفتگو کا محور نعتیہ ادب کا فروغ وارتقاء تھا۔ انہوں نے میرے بارے میں پڑھ رکھا تھا کہ میں نے نعت کے موضوع پر تحقیقی مقالہ قلم بند کیا ہے۔ جس کی تفصیل انہوں نے مجھ سے بھی جاننا چاہی تو میں نے عرض کیا کہ جی ہاں میں نے کان پور یونیورسٹی، کان پور سے پروفیسر سید ابوالحسنات حقّی سابق پرنسپل وصدر شعبۂ اردو حلیم مسلم پوسٹ گریجویٹ کالج، کان پور کی زیرنگرانی ''مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی نعتیہ شاعری'' پر پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ قلم بند کیا ہے۔ اس بات کو سن کر وہ بہت خوش ہوئے۔

میں نے مزید عرض کیا کہ میں مسلسل نعتیہ ادب پر ہی لکھ رہا ہوں میرے مقالے ہندوستان میں ماہنامہ ''اعلیٰ حضرت''، ماہنامہ ''سنی دنیا'' بریلی، ماہنامہ ''کنز الایمان'' دہلی اور پاکستان میں سالنامہ ''معارف رضا'' مجلّہ ''نعت رنگ'' کراچی اور ماہنامہ ''جہان رضا'' لاہور وغیرہ میں چھپتے رہے ہیں۔ نیز میرا تحقیقی مقالہ ''مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی نعتیہ شاعری'' ہندوستان میں رضوی کتاب گھر، دہلی اور پاکستان میں فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور سے بھی اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔

اس دن گفتگو کا سلسلہ کیا شروع ہوا کہ اس کے بعد ہر دوسرے تیسرے دن اُن سے گفتگو ہونے لگی۔ جب بھی ان سے گفتگو ہوتی تو صرف نعتیہ ادب کے فروغ وارتقاء کے ہی حوالے سے ہوتی۔ وہ مجھ سے یہی فرماتے کہ پوری دنیا میں نعت کے موضوع پر بڑا کام ہو رہا ہے مگر ہمارے ہندوستان میں اس حوالے سے کوئی خاطر خواہ تحقیقی وتنقیدی کام نہیں ہو رہا ہے، بالکل انجماد طاری ہے اور یہ انجماد ٹوٹنا چاہئے۔ میں ان سے یہی کہتا کہ آپ کا فرمانا بجا ہے مگر اس کے

لیے بہت کچھ درکار ہے اس طرح ہماری گفتگو ہوتی رہتی۔

اسی دوران کرناٹک سے ڈاکٹر غلام ربانی فدؔا صاحب ''جہان نعت'' نام سے ایک سہ ماہی مجلّے کا اجرا کر چکے تھے۔ جب مجھے اس کے بارے میں علم ہوا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ ہم اور آپ مل کر اسی مجلّے کو سپورٹ کرتے ہیں اور ہندوستان میں فروغ حمد و نعت کا مینارۂ نور سمجھ کر اسی کو آگے بڑھاتے ہیں۔

اس کے بعد ہم لوگوں نے مجلّہ ''جہان نعت'' کے فروغ و ارتقاء کے لیے کمر کس لی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے دو شمارے اچھے منظر عام پر آئے، لیکن جنوری ۲۰۱۵ء کے شمارے کے آنے کے بعد ایک دن سیفی صاحب کی کال آئی تو انہوں نے مایوس کن انداز میں مجھ سے گفتگو کا آغاز فرمایا اور کہنے لگے کہ ڈاکٹر غلام ربانی فدؔا صاحب نے یہ کہہ کر ہاتھ کھڑے کر دئے ہیں کہ آئندہ شمارے کی اشاعت کو میں نے ملتوی کر دیا ہے۔

میں نے ان سے وجہ دریافت کی تو انہوں نے کوئی وجہ نہیں بتایا صرف یہی فرما رہے ہیں کہ میں نے آئندہ شمارے کو ملتوی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں نے ان سے عرض کیا اچھا میں بھی ان سے گفتگو کر کے وجہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں ممکن ہے وہ مجھے ہی کچھ بتائیں۔ میں نے فوراً فدؔا صاحب کو کال کیا مگر مجھ سے بھی انہوں نے وہی فرمایا جو سیفی صاحب سے فرما چکے تھے اور اس کے ملتوی کرنے کی کوئی وجہ نہیں بتائی۔ ایسی صورت میں ہم دونوں ایک گہری تشویش میں پڑ گئے کہ اب کیا کیا جائے اسی اثنا میں نہ جانے کیسے میری زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ کوئی بات نہیں اب جب کہ ہم نے ہندوستان میں نعتیہ ادب کے فروغ کا بیڑا اُٹھالیا ہے تو پیچھے نہیں ہٹیں گے اگر ہمارے آقا و مولیٰ تاجدار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چاہا تو ہم دونوں مل کر اس کارواں کو آگے بڑھائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

میرے اتنا کہنے پر سیفی صاحب نے بے حد خوشی کا اظہار فرمایا حتیٰ کہ اس وقت ان کی خوشی کا جو عالم تھا اس کو میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ اس دن کے بعد ہماری گفتگو اور مشورے

میں تیزی آ گئی نیز اس کے بعد سے تقریباً روز آنہ باتیں ہونے لگیں۔ہم نے باہمی مشورے سے اوّلاً ایک مجلّہ نکالنے کا فیصلہ کیا۔اس کا نام بھی ہم لوگوں نے باہمی مشورے سے ''دبستان نعت '' تجویز کیا۔نام طے پا جانے کے بعد ہم دونوں نے مل کر اہل قلم حضرات سے رابطے قائم کیئے۔ الحمدللہ! اہل قلم حضرات نے توجہ کی اور اس کا پہلا شمارہ ''دبستان نعت ششماہی'' ۲۰۱۶ء میں منظر عام پر آیا جو مشہور ومعروف نعت گو عاشق رسول حضرت علامہ نورالدین جامؔی علیہ الرحمہ کے نام معنون تھا اور انہیں کے نام ایک خصوصی گوشہ بھی اس شمارے میں شامل تھا،شمارے کے مشمولات حسب ذیل تھے۔

۱-تحمید وتقدیس۔اس کے تحت ہند وبیرون ہند کے تین نعت گوشعراء کے حمد یہ کلام کوشامل کیا گیا تھا۔
۲-گنجینۂ نقد ونظر۔اس عنوان کے تحت کل چار تحقیقی وتنقیدی مقالوں کوزینت دی گئی تھی۔
۳-رحمت بے کراں۔کے ذیل میں غیر مسلم نعت گوشعراء پر دو مضامین شامل کیئے گئے تھے۔
۴-مقالات۔کے تحت نعتیہ ادب پر مختلف عنوانات کے ذیل میں ۱۴؍مقالوں کوشامل کیا گیا تھا۔
۵-گوشۂ علامہ جامؔی علیہ الرحمہ کے تحت ۴؍مقالے شامل کئے گئے تھے۔
۶-گلہائے عقیدت کے ضمن میں ۴۳؍نعت گوشعراء کے منظوم نعتیہ کلام کوزینت بخشی گئی تھی۔
مجلّے کا اختتامیہ تین دانشوروں کے خطوط پر تھا۔

پہلے شمارے کے منظر عام پر آنے کے بعد ہم نے دوسرے شمارے میں قدرے تبدیلی کی۔اوّلاً یہ مجلّہ ''ششماہی'' نکالنے کا عزم تھا۔مگر اچھے اور معیاری مضامین کی حوصول یابی میں درپیش مشکلات کے پیشِ نظر ہم نے اس کو سال نامے کے طور پر نکالنے کا فیصلہ کیا۔نیز اس دوران ہم آفاقی نعت گو،نعت شناس محترم جناب سید صبیح رحمانی صاحب سے مسلسل رابطے میں رہے اور ان سے مشورے حاصل کرتے رہے۔ان کی بھی مدّت مدید سے خواہش تھی کہ ہندوستان سے نعتیہ ادب پر کام ہو اور اس سلسلے میں انہوں نے یہاں کے بہت سے صاحب علم وفضل کو آمادہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی سب نے ان کے موقف کی تائید وتوثیق تو ضرور کی مگر کام کے لئے کوئی بھی آمادہ نہ

ہوا۔

ہم نے جب بھی ان سے کسی پہلو پر مشورہ طلب کیا تو انہوں نے خندہ پیشانی سے ہمارا خیر مقدم کیا اور اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازا۔ ان کی شفقتوں اور ہمت افزایوں نے ہمیں قدم قدم پر سہارا دیا جس سے ہم اس قدر متاثر ہوئے کہ ہم نے اپنے ادارے Naat Research Institute میں لفظ Instittute کی تبدیلی کر کے ان کے ادارہ پر اپنے ادارے کا نام Naat Research Center-India کر دیا اور اس طرح ہم مکمل طور سے اُن سے ہمیشہ کے لئے منسلک ہو گئے۔ اس ہم رشتگی کا واحد مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو یہ یقین ہو جائے کہ دونوں ادارے ایک ہی ہیں کیونکہ دونوں کا مشن ایک ہے۔

نیز مجلّے کے مشمولات کی ترتیب وتہذیب میں بھی ہم نے تھوڑی سی تبدیلی کر کے بقیہ شمارہ، شمارۂ اوّل کے مانند ہی رکھا۔ ''گوشۂ تحمید و تقدیس'' کو بعینہٖ رکھتے ہوئے دوسرے گوشہ ''گنجینۂ نقد ونظر'' کی جگہ ''تابش فکر ونظر'' اور ''مقالات'' کی جگہ ''افکار روشن'' کر دیا۔ یہ شمارہ ہندوستان کی ایک عظیم علمی وادبی ہستی حسّان الہند حضرت علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ سے معنون تھا۔ ہاں اس شمارے میں ایک نئے گوشے ''زاویۂ نگاہ'' کا اضافہ کیا گیا جو پہلے شمارے کے مشمولات پر محققین وناقدین ادب کے نقطہائے نظر، تبصرے اور تجزیے پر مشتمل تھا۔ جس میں فروغ نعت کے امکانات اور ''دبستان نعت'' کے شمارہ اوّل میں درآئی خامیوں کی اصلاحات پر توجہ مبذول کرائی گئی تھی جسے ارباب علم وفضل نے بنظر استحسان دیکھا اور خوب پسند کیا۔ اس گوشے کو اہلِ نظر آج بھی بڑے ہی ذوق وشوق سے مطالعہ کرتے ہیں، نیز اس کی افادیت واہمیت کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

اس شمارے کا خاص پہلو جو میری اپنی نظر میں ہے یہ کہ نعت کو جامعات اور یونیورسٹیز میں متعارف کرانے اور اسے تقویت عطا کرنے کے لیے نعت کے ایک عظیم اسکالر ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری صاحب سے فرمائش کر کے ایک خصوصی مقالہ ''حمد ونعت پر میرے اور میرے عزیز

تلامذہ کے تحقیقی مقالوں کا تعارف'' لکھوایا جو خود ان کے اور ان کی نگرانی میں یونیورسٹی لیول پر قلم بند کیے گئے تحقیقی مقالوں کی تفصیلات پر مبنی تھا۔ اس کا واحد مقصد دانشوروں کے طبقے کو یہ پیغام دینا اور باور کرانا تھا کہ نعت صرف محافل میلاد یا دیگر محافل کی ابتدا میں بغرض ثواب پڑھا جانے والا کلام ہی نہیں بلکہ یہ ایک تخلیقی ادب بھی ہے۔ اس میں رب تبارک وتعالیٰ نے ادب کی وہ ساری خوبیاں پنہاں رکھی ہیں جنہیں تلاش کر کے صاحبان علم و فضل کے سامنے پیش کیئے جانے کی ضرورت ہے۔

اس شمارے کے آخر میں ہم نے دین دیال اُپادھیائے (گورکھ پور یونیورسٹی، گورکھ پور) کے ایم۔ اے (اردو) میں نعت کے شاملِ نصاب ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ثبوت کے طور پر (Syllabus) کی فوٹو کاپی بھی منسلک کی، جسے دیکھ کر ملک و بیرونِ ملک کے بعض دانشوروں نے ہمیں فون پر تہنیت پیش کرتے ہوئے اس بات پر اظہارِ حیرت و مسرت کیا کہ اب تک ہم اس حقیقت سے ناواقف کیوں رہے کہ نعت بطور صنف یونیورسٹی میں شاملِ نصاب ہے۔ اس شمارے کا اختتامیہ بھی پہلے ہی شمارے کی مانند تھا۔

''دبستان نعت'' کا تیسرا شمارہ بھی دوسرے شمارے کے مشمولات کے بعینہ تھا۔ اس شمارے کا انتساب ناگپور یونیورسٹی، ناگ پور سے نعت کے موضوع پر سب سے پہلا تحقیقی مقالہ قلم بند کرنے والے عظیم اسکالر پروفیسر ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری برّد اللہ مضجعہ کے نام تھا۔ ان کے اس مقالے نے فروغِ نعت کے امکانات کو آفاقیت بخشی، اس کی وسعتوں کے آفاق نے تحقیق و تنقید کے نئے در وا کیئے جس سے نعت کے موضوع پر کام کرنے والوں کو فکری قوت ملی۔ یہ اسی کا ثمرہ ہے کہ یونیورسٹی اور جامعات میں نعت پر تحقیق کی راہیں ہموار ہوئیں، ''گویا دبستاں کُھل گیا''۔

ڈاکٹر صاحب کے بیٹے محترم جناب حبیب الحسن قادری صاحب نے ہمیں فون پر بتایا کہ ''دبستان نعت'' کا پہلا شمارہ جب ان کو ملا تھا تو وہ اسے دیکھ کر خوشیوں سے اُچھل پڑے تھے

اورانہوں نے اسی وقت اس پر تاثرات لکھوانے کے لیے مجھ سے فرمایا کہ کاغذ، قلم لاؤ میں اس پر اپنے تاثرات قلم بند کروانا چاہتا ہوں مگر اتفاق ایسا کہ اُسی وقت کچھ لوگ ان سے ملنے کے لیے آگے جس کے سبب وہ تاثرات نہیں لکھوا سکے اور بعد میں اتفاق بھی نہیں بن پایا اس لیے کہ وہ شدید بیمار چل رہے تھے اور لکھنے پڑھنے سے بھی معذور ہو گئے تھے۔ ان کی بیماری نے اتنا طول کھینچا کہ انہیں اتنی مہلت ہی نہ ملی کہ وہ ''دبستان نعت'' پر کچھ لکھوا سکیں، بقول فانؔی بدایونی:

آخر اس بیمارِ دِل نے خود ہی کام تمام کیا

اور وہ ۲۷/نومبر ۲۰۱۷ءکو اس دار فانی سے دار جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔

''دبستان نعت'' کے دوسرے شمارے کے مطالعے کے بعد شاہ جہاں پور سے محترم جناب سید مفیض الدین قادری صاحب نے اطلاع دی کہ روہیل کھنڈ یونیورسٹی میں بھی نعت ایم۔ اے اردو میں شامل نصاب ہے۔ ان کی اس خبر نے ہمارے ذوق و وجدان کو وہ طمانیت عطا کی جس کے بیان سے ہم قاصر ہیں، گویا کہ اس خبر کو سن کر ہم اپنے آپ میں پھولے نہیں سما رہے تھے۔ ہم نے فوراً ہی ان سے اسی موضوع پر مقالہ لکھنے کی گذارش کی جسے انہوں نے بطیّب خاطر قبول کرتے ہوئے ایک وقیع مقالہ ارسال فرمایا جو ''دبستان نعت'' کے تیسرے شمارے میں شامل اشاعت ہے۔

ہندستان اور دیگر ممالک میں فروغ نعت کے امکانات کے بے پناہ روشن وتابناک پہلو ہیں۔ اس ضمن میں دھنباد، جھارکھنڈ کے محترم جناب رشید اختر صاحب نے ایک تحقیقی مقالہ ''حمد ونعت کی تحقیق وتنقید ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں سمت ورفتار'' کے عنوان سے ارسال کیا جو ''دبستان نعت'' کے تیسرے شمارے میں شاملِ اشاعت ہے۔ انہوں نے اپنے اس مقالے میں انکشاف کیا ہے کہ ہندوستان کی یونیورسٹیز میں حمد ونعت کے مختلف موضوعات پر اب تک تقریباً ۵۰/ سے زائد تحقیقی وتنقیدی مقالے قلم بند کیئے جا چکے ہیں اور مقالہ نگاروں کو ڈگری بھی تفویض ہو چکی ہے۔

ان کے اس مقالے کی خوب خوب پذیرائی ہوئی اور سب سے زیادہ پذیرائی محترم جناب سید صبیح رحمانی، مدیر مجلّہ ’’نعت رنگ‘‘ وموسس انٹرنیشنل نعت ریسرچ سینٹر۔کراچی نے کی۔ صبیح رحمانی صاحب اس مقالے سے اس درجہ متاثر تھے کہ انہوں نے اس کی افادیت کے پیشِ نظر اس کے بعض صفحات کو فیس بک پر بھی اپ لوڈ کیا تھا۔ جبکہ ان کے ذریعہ پیش کی گئی یہ فہرست حتمی نہیں، اگر گہرائی سے تحقیق وتفحص کی جائے تو اس میں مزید اضافے کے کافی امکانات ہیں۔

’’دبستان نعت‘‘ کا چوتھا شمارہ بھی ماقبل کے شماروں کے مانند اپنے اندر اختصاصی پہلو لیے ہوئے ہے۔اس میں ایک اہم مقالہ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ، فتح پوری کا ’’چندائن، مولانا داؤد ڈلمئی اور نعت شریف ایک تنقیدی وتحقیقی جائزہ‘‘ ہے۔ درحقیقت یہ مقالہ نہایت ہی سنجیدگی سے مطالعہ کیئے جانے کا متقاضی ہے۔اس لئے کہ اس مقالے سے دو باتوں کا حتمی تعین ہوتا ہے ایک یہ کہ ’’چندائن‘‘ اردو کی اوّلین تخلیق ہے۔جس کے اوّلین تخلیق ہونے کا تعین کسی محقق نے اپنی تحقیق سے نہیں بلکہ خود اس کے مصنف مولانا داؤد ڈلمئی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہی کیا، وہ فرماتے ہیں میں نے اس مثنوی کو ۷۸۱ھ میں مکمل کیا:

برس سات سو ہوئے اکّیا سی

تہِ مایہ کوئی سَرَس ابھّیا سی

دوسرے یہ کہ یہ مثنوی اردو نعت کی بھی اوّلین تخلیق ہے جو ابتدائی اردو’ہندی‘‘ میں تحریر کی گئی ہے۔ تیسرے یہ کہ ابھی چند یوم قبل یونیورسٹیز میں نعت کے شامل نصاب کیے جانے کے حوالے سے ہماری گفتگو محترم جناب ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیلؔ راٹھوی صاحب سے ہوئی تو انہوں یہ مژدۂ جاں فزا سنایا کہ ساگر یونیورسٹی، ساگر (مدھیہ پردیش) میں بھی نعت شامل نصاب ہے اور میری کتاب ’’خلق پیغمبری‘‘ وہاں نصابی کتب میں شامل ہے۔

ہم لوگ مسلسل اس جستجو اور تحقیق میں لگے ہوئے ہیں کہ نعت کن کن یونیورسٹیز، تعلیمی بورڈس اور اداروں میں شامل نصاب ہے؟ یہ جان کر آپ لوگوں کو بھی خوشی ہوگی کہ اس حوالے سے

ہماری کوششیں بار آور ہورہی ہیں۔ مجلّے کے آخر میں ہم نے ساگر یونیورسٹی، ساگر (مدھیہ پردیش) کے ایم۔اے اردو کا نصاب شامل کردیا ہے۔

دبستان نعت'' کے پانچویں شمارے میں نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا کے تعارف کے بعد اس میں موجود نعتیہ ادب پر تحقیقی وتنقیدی کتب و دواوین کا تذکرہ بھی شامل کردیا گیا ہے۔جس کا واحد مقصد ہندو بیرون ہند نعتیہ ادب سے شغف رکھنے والے حضرات کو باور کرانا ہے کہ نعت ریسرچ سینٹر انڈیا کی لائبریری میں کون کون سی نعتیہ کتب و جرائد موجود ہیں۔ نیز اس سے ان طلبہ کو بھی رغبت دلانا اور اُن کے لئے اعانت وآسانیاں فراہم کرنا مقصود ہے جو یونیورسٹی لیول پر نعت کے موضوع پر تحقیقی کام کا جذبہ رکھتے ہیں۔

چونکہ خود میری پی۔ایچ۔ ڈی کا موضوع نعتیہ ادب ہی تھا جس کے سبب شروع سے ہی میں نعت کے ہی موضوع پر لکھتا پڑھتا رہا ہوں اور اس دوران بہت ساری کتابیں بھی میں نے یکجا کر لی تھیں جو میری اپنی ذاتی کتابیں تھیں اور کچھ کتابیں محترم جناب سید صبیح رحمانی صاحب ڈائریکٹر نعت ریسرچ سینٹر، کراچی نے عنایت فرمائی ہیں۔ ویسے تو میں ان کی نوازشات سے ایک زمانے سے شادکام ہوتا رہا ہوں مگر اب کچھ اور ہی زیادہ، جس کا برملا اظہار واعتراف میں اکثر و بیشتر محافل اور احباب سے کیا کرتا ہوں کہ نعت کی خدمات کے حوالے سے میری اپنی کوئی پہچان نہیں بلکہ یہ انہیں کی نوازشات کا ثمرہ ہے کہ دنیائے ادب میں ہمیں بھی لوگ جانتے پہچانتے ہیں۔ میری یہ حقیقت بیانی بالکل امام احمد رضا فاضل بریلوی کے اس اعترافیہ شعر کے مانند ہے:

سب یہ صدقہ ہے عرب کے جگمگاتے چاند کا
نام جس نے اے رضاؔ روشن تمہارا کر دیا

نیز کچھ کتابیں محترم جناب فیروز احمد سیفی صاحب (نیویارک) نے پاکستان سے کوشش کر کے فراہم کرائی ہیں۔ یہ تمام کتب نعت اب نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا کی کتب ہیں۔ مستقبل

میں نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا کو باقاعدہ ایک تعلیمی و تحقیقی ادارے کی شکل دینے کا عزم ہے جس سے کہ عوام وخواص اس سے بخوبی مستفید و مستفیض ہوسکیں اوران کے دل اُسوۂ رسول اور محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شمع سے روشن ہوسکیں۔

''دبستان نعت'' کے سات شماروں کے منظر عام پر آ جانے کے بعد ہم لوگوں سے غایت درجہ محبت فرمانے والے محسن وکرم نواز محترم جناب سید صبیح رحمانی صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ اگران سات شماروں میں شائع شدہ تحقیقی وتنقیدی مضامین کا ایک انتخاب پاکستان سے شائع ہوجاتا تو یہاں کے حلقۂ نعت سے وابستہ لوگ ہندوستان کے محققین و ناقدین نعت سے متعارف بھی ہوجاتے اور دنیائے نعت میں ''دبستان نعت'' کے نقوش واثرات کا تعین بھی ہوجاتا۔

تقریباً چار برس سے ''دبستان نعت'' کے شماروں کی پاکستان میں ترسیل بھی نہیں ہو پا رہی ہے جس کی وجہ سب پر عیاں ہے، چنداں بیان کرنے کی ضرورت نہیں، اور اگر شمارے پہنچتے بھی تھے تو محدود تعداد میں، ایسی صورت میں ہم نے ان کے اس مشورے پر لبیک کہا اور ''دبستان نعت'' کے سات شماروں کا تحقیقی وتنقیدی مضامین پر مشتمل ایک انتخاب تیار کر ان کے پاس اس امید کے ساتھ بھیج دیا کہ یہ انتخاب ان کے مزاج اور زاویۂ نگاہ پر پورا اُترے گا۔

اب جبکہ میں اپنی اس تحریر کو اختتام پذیر کرنے والا ہوں میری روح مجھے اندر سے آواز دے رہی ہے کہ بغیر ان کے امتنان وتشکر کے اپنے خامہ کو نہ رُوکوں۔ لہٰذا ہم دل کی عمیق گہرایوں سے ان کے مرہون منت ہیں کہ انہوں نے اس اہم علمی وادبی کام کی جانب ہماری توجہ مبذول کرائی جس سے کہ ہم حلقۂ نعت شناساں کے حضور نعت شناسی اور نعت فہمی پر یہ علمی وادبی کاوش پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔

ہمیں امید ہے کہ یہ انتخاب پاکستان کے اہل دانش، نعت شناس، محققین اور ناقدین ادب کو ضرور پسند آئے گا۔ خاص کر نعت سے شغف رکھنے والے دانشگاہوں کے پروفیسرس، تعلیمی اداروں کے اساتذہ اور نعت پر تحقیقی کام کرنے والے باذوق طلبہ کے درمیان اسے مقبولیت عام

کے ساتھ استنادی درجہ بھی حاصل ہوگا۔

آخر میں ہم اپنے تمام قارئین کرام سے عرض گزار ہیں کہ اس انتخاب کے تیار کرنے میں اگر ہم سے کوئی کمی رہ گئی ہو تو اس میں درآئی تمام طرح کی فروگذاشتوں کی نشان دہی فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں، تاکہ مستقبل میں ہم اس کا ازالہ کرتے ہوئے نعت شناسی اور نعت فہمی کے حوالے سے آپ کو معیاری اور معتبر لٹریچر فراہم کرا سکیں۔

سراج احمد قادری

۲۲ر دسمبر ۲۰۲۳ء ۸ر جمادی الاخریٰ ۱۴۴۴ھ
مجلّہ ''دبستان نعت''
نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا
محلّہ بنجریا، خلیل آباد، سنت کبیر نگر (یوپی۔انڈیا)
E-Mail:drsiraj123@gmail.com

سیرت ابن ہشام کے کچھ سیرتی مباحث- اشعار کی روشنی میں

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی (علی گڑھ)

سیرت پاک کی اولین کتابوں میں سیرت ابن ہشام اور سیرت ابن اسحاق کا ذکر واضح الفاظ میں موجود ہے۔ سیرت ابن اسحاق کا علاحدہ ذکر عہد حاضر میں ممکن نہیں، البتہ محققین کے نزدیک اس کا پورا مواد یا حجم سیرت ابن ہشام میں آ گیا ہے۔

ابن ہشام نے جگہ جگہ ابن اسحاق کی مرتب سیرت پر اپنی رائے کا بھی اظہار کیا ہے۔ سیرت ابن ہشام بہ مکمل ہمارے سامنے موجود ہے، بعد کے سیرت نگاروں نے اسے اساسی ماخذ کا درجہ دیا۔ اس کی افادیت واہمیت کے پیش نظر دنیا کی قائدانہ زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے۔ ابن ہشام نے اپنی اس کتاب کی ترتیب میں مختلف مراجع کو پیش نظر رکھا۔ آیات کریمہ اور احادیث سے استفادہ کیا۔

اسی طرح سیرت پاک کے بہت سے پہلوؤں کی توضیح وتشریح کے لئے اشعار عرب کو بھی اساسی مرجع قرار دیا، اور معاندین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اشعار سے استفادہ کرتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے انوار و حقائق کو سپرد قرطاس کیا۔ بالخصوص غزوات وسرایا کی بہت سی باریکیوں کو شعراء کی زبانی بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی نسبی، تعمیر کعبہ، آمد رسول، جنگ بدر، دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ناپاک عزائم، شہداء اسلام اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاکیزہ احساسات کو اشعار کی روشنی میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

عربوں کی معاشرتی، ادبی، ثقافتی اور سیاسی کروٹوں کا اشعار کی روشنی میں جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے اسے ''دیوان العرب'' کہا گیا ہے۔ شاعر اپنے قبیلے کا ترجمان ہوا کرتا تھا۔ قبیلے کی خصوصیات کو بیان کرنا اس کے فرائض میں شامل تھا۔ اپنے آباء واجداد کے کارناموں کا

فخریہ ذکر کرنا، محاذ جنگ پر جا کر اپنے لوگوں کو اکسانا اور تحفظ ناموس میں جان کی بازی لگانے کی بات کرنا ان کے مزاج کا حصہ تھا۔ عربوں کے ثقافتی خطوط کا دواوین عرب میں مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف بھی ناگزیر ہے کہ ان اشعار میں الحاقات بھی ہیں۔ ابن ہشام میں منقولہ اشعار کے باب میں بھی یہ یقین کے ساتھ کہنا مشکل ہوگا کہ اس میں الحاقات نہیں ہیں۔

لیکن اس اعتراف سے فرار بھی ممکن نہیں کہ اشعار کے بغیر بہت سی سیرتی تفاصیل کی دستیابی آسان نہیں۔ اس مضمون میں کوشش ہوگی کہ سیرت ابن ہشام کی پہلی جلد سے بہت سے ایسے اشعار نقل کئے جائیں جن سے عظمت سیرت پاک کا احساس جاگے نیز قارئین سیرت رسول سے خود کو پوری طرح ہم آہنگ کرسکیں۔ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی شخصیت سے متعلق کچھ اشعار نقل کئے جائیں گے تاکہ یہ اندازہ ہوسکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آبا واجداد کن عظمتوں کے حامل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندانی سلسلہ کن کن اوصاف عالیہ سے مربوط ہے اور رجال خاندان کو کن کن اعزاز واکرام سے نوازا جاتا تھا۔

علی رجل کریم غیروغل

لہ الفضل المبین علی العبید

(اس شریف شخص پر (آنسو بہنے لگے) جو دوسروں کے نسب میں ملنے کا جھوٹا دعویدار نہ تھا۔ جسے بندگان خدا پر نمایاں فضیلت حاصل تھی)

علی الفیاض شیبة ذی المعالی

أبیك الخیروارث کل وجود

(شیبہ پر جو بڑا فیاض اور بلند مرتبے والا تھا۔ اپنے اچھے باپ پر جو ہر قسم کی سخاوت والا تھا)

صدوق فی المواطن غیرنکس

ولا شخت المقام ولا سفیہ

(اس پر جو جنگ کے میدانوں میں خوب لڑنے والا۔ اپنے ہمسروں سے کسی بات میں پیچھے نہ رہنے والا، نہ کم رتبہ اور نہ دوسروں کے نسب میں مل جانے والا تھا)

طویل الباع ، أردع شیظمی

مطاع فی عشیرتہ حمید

(اس پر جو بہت ہی کشادہ دست، عجیب حسن وسخاوت والا، بھاری بھرکم گھرانے کا قابل تعریف سردار تھا)

أعینی واستخرطا اواسجما

علی رجل غیرنکس کھام

(اے میری آنکھوں! خوب جم کر رولو، اور ایسے شخص پر آنسو بہاؤ جو نہ پیچھے رہنے والا تھا اور نہ کمزور)

علی شیبة الحمد،واری الزناد

وذی حصدق بعد ثبت المقام

(مہمان نواز، قابل ستائش شیبہ پر اور اپنے مقام پر جمے رہ کر، سخت حملہ کرنے والے پر)

وسیف لدی الحرب صمصامة

ومردی الخاصم عند الخصام

(اس پر جو جنگ کے وقت خم نہ ہونے والی تلوار اور جھگڑے کے وقت دشمن کو ہلاک کرنے والا تھا)

وسھل الخلیقة، طلق الیدین

وفی عدملی صمیم لھام

(نرم سیرت والے، کشادہ ہاتھوں والے، وفادار، سخت پختہ ارادے والے، کثیرالخیر شخص پر)

مذکورہ اشعار کے علاوہ بیشمار اشعار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی ثناخوانی کی گئی

ہے۔اشعار میں مذکورہ صفات شہادت دیتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ایک معروف وممتاز گھرانے سے تھا آپ صلی اللہ علیہ کے دادا مہمان نواز،سخی،پیش پیش رہنے والے،ثابت قدم جنگجو، بااخلاق،نرم خو،وفادار اور کثیر الخیر انسان تھے۔ایسے پاکیزہ اور مقدس ماحول میں پرورش پانے والا انسان لازماً اعلیٰ اقدار کا حامل ہوگا۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق اسی اعلیٰ وارفع سلسلۂ نسب سے تھا۔گویا خاندانی وجاہت اور رسالت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کا مثالی انسان بنادیا۔یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء اور انتہا تمام نفائس سے مربوط تھیں۔ایسا عظیم اور خلیق انسان اب تک دنیا میں نہ آیا ہے اور نہ آئندہ آئے گا۔اسی پہلو کو قرآن کریم میں یوں واضح کیا گیا ہے۔

ومن الليل فتهجد به نافلة لك عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا(بنی اسرائیل !۷۹/۱۷)

''اور اے پیغمبر!رات کا کچھ حصہ(یعنی پچھلا پہر) شب بیداری میں بسر کر یہ تیرے لئے ایک مزید عمل ہے قریب ہے کہ اللہ تجھے ایک ایسے مقام میں پہنچادے جو نہایت پسندیدہ مقام ہو۔''

مولانا آزاد نے اپنی تفسیر میں ''مقام محمود'' کی نہایت اچھی تصویر کشی کی ہے مناسب ہوگا کہ یہ طویل اقتباس نقل کردیا جائے جو قارئین کے لئے باعث فرحت ہوگا:

''آیت ۷۹ میں مقام محمود سے مقصود ایسا درجہ ہے جس کی عام طور پر ستائش کی جائے۔فرمایا کچھ بعید نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہیں ایسے مقام پر پہنچادے جو عالم گیر اور دائمی ستائش کا مقام ہو۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب پیغمبر اسلام کی مکی زندگی کے آخری سال گزر رہے تھے اور مظلومیت اور بے سروسامانی اپنے انتہائی درجوں تک پہنچ چکی تھی،حتیٰ کہ مخالف قتل کی تدبیروں میں سرگرم تھے۔ایسی حالت میں کون امید کرسکتا تھا کہ انہیں مظلومیتوں سے فتح وکامرانی پیدا ہوسکتی ہے؟ لیکن وحی الٰہی نے صرف فتح وکامرانی ہی کی بشارت نہیں دی،کیوں کہ فتح وکامرانی کی عظمت کوئی غیر معمولی عظمت نہ تھی،بلکہ ایک ایسے مقام تک پہنچنے کی خبر دی جو نوع

انسانی کے لیے عظمت وارتفاع کی سب سے آخری بلندی ہے، یعنی "**عسٰی ان یبعثك ربك مقاما محمودا**" حسن وکمال جہاں پہنچ کر محمودیت خلائق کی عالم گیر اور دائمی مرکزیت حاصل ہو جائے گی، کوئی ملک ہو، کوئی نسل ہو، لیکن کروڑوں دلوں میں اس کی ستائش ہوگی، ان گنت زبانوں پر اس کی مدحت طرازی ہوگی، محمود یعنی سرتا سر ممدوح ہستی بن جائے گی:

ماشئت قل فیه فأنت مصدق

فالحب یقضی والمحاسن تشهد

یہ مقام انسانی عظمت کی انتہا ہے۔ اس سے زیادہ اونچی جگہ اولاد آدم کو نہیں مل سکتی، اس سے بڑھ کر انسانی رفعت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کی سعی وہمت ہر طرح کی بلندیوں تک اڑ جا سکتی ہے، لیکن یہ بات نہیں پا سکتی کہ روحوں کی ستائش اور دلوں کی مداحی کا مرکز بن جائے، سکندر (Alexander) کی ساری فتوحات خود اس کے عہد وملک کی ستائش اسے نہ دلا سکیں اور نپولین (Napoleon) کی ساری جہاں ستانیاں اتنا بھی نہ کر سکیں کہ کورسیکا (Corsica) کے چند غدار باشندوں میں اسے محمود وممدوح بنا دیتیں جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔

محمودیت اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جس میں حسن وکمال ہو، کیوں کہ روحیں حسن ہی سے عشق کر سکتی ہیں اور زبانیں کمال ہی کی ستائش میں کھل سکتی ہیں، لیکن حسن وکمال کی مملکت وہ مملکت نہیں جسے شہنشاہوں اور ماتحتوں کی تلواریں مسخر کر سکیں۔

غور کرو! جس وقت سے نوع انسانی کی تاریخ معلوم ہے نوع انسانی کے دلوں کا احترام اور زبانوں کی ستائشیں کن انسانوں کے حصے میں آئی ہیں؟ شہنشاہوں اور فاتحوں کے حصے میں یا خدا کے ان رسولوں کے حصے میں جنھوں نے جسم وملک کو نہیں، روح ودل کو فتح کیا تھا؟

یہی مقام محمود ہے جس کی خبر ہمیں ایک دوسری آیت میں دی گئی ہے اور خبر کے ساتھ امر بھی ہے:

"ان اللّٰه وملٰئکته یصلون علی النبی، یٰایها الذین اٰمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما۔" (۵۶:۳۳)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کا ایک مشہد وہ معاملہ ہوگا جو قیامت کے دن پیش آئے گا جب کہ اللہ کی حمد وثنا کا علم آپ کریں گے، اور بلاشبہ محمودیت کا مقام دنیا وآخرت دونوں کے لیے ہے۔ جو ہستی یہاں محمود خلائق ہے وہاں بھی محمود وممدوح ہوگی۔ (ترجمان القرآن، مولانا ابوالکلام آزاد، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی، پہلی بار ۱۹۷۰ء، ۴/ ۳۰۸۔۳۰۶)

اس مؤقر ومکرم انسان کا قصہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے کہا یہ صفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی غمازی کرتی ہیں۔ اگر میں اس وقت تک باحیات رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لاؤں گا۔ لیکن افسوس کہ آپ کی زندگی میں یہ خوبصورت ساعت ظہور پذیر نہ ہوسکی۔ ورقہ بن نوفل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں اپنے احساسات کو ان اشعار میں منظوم کیا ہے۔

ببطن المكتين على رجائي

حديثك ان أرى منه خروجا

(اے خدیجہ! میں سمجھتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ تمہاری بات کا ظہور مکہ کے دونوں بطنوں کے درمیان ہوگا)

بما خبرتنا من قول قس

من الرهبان اكره أن يعوجا

(تم نے راہبوں کی جن باتوں کی خبر دی ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ غلط ہوجائے)

بأن محمداً سيسود فينا

ويخصم من يكون له عجيجا

(کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم میں عنقریب سردار ہوجائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے جو شخص کسی سے بحث کرے گا وہی غالب رہے گا)

ویظھر فی البلاد ضیاء نور

یقیم بہ البشریة أن تموجا

(اور تمام شہروں میں اس کے نور کی روشنی پھیل جائے گی۔ جو خلق خدا کو سیدھا چلائے گی اور منتشر ہونے سے بچائے گی)

فیلقی من یحاربہ خساراً

ویلقی من یسالمہ فلوجا

(اس کے بعد جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرے گا نقصان اٹھائے گا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کرے گا منجمد رہے گا)

فیالیتنی اذاما کان ذاکم

شھدت وکنت اکثرھم ولوجا

(کاش! میں بھی اس وقت رہوں جب تمہارے سامنے ان واقعات کا ظہور ہو اور کاش میں اس میں داخل ہونے والوں میں سے زیادہ حصہ دار ہوں)

ولوجا فی الذی کرھت قریش

ولو عجت بمکتھا عجیجا

(اس دین میں داخل ہوجاؤں جس سے قریش کو کراہت رہے۔ اگرچہ وہ اپنے مکہ میں بہت کچھ چیخ پکار کریں)

مذکورہ اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ ورقہ بن نوفل ایک عالم اور سنجیدہ طبیعت کے انسان تھے۔ فکر و آگہی ان کے مزاج کا حصہ تھی جس کا ظہور ان اشعار میں پوری طرح موجود ہے۔ وہ عیسائیت کے ایک بڑے عالم تھے جس کی وجہ سے انجیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق موجودہ بشارت سے بخوبی واقف تھے۔

آپ کی شدید خواہش تھی کہ آپ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شرف

یاب ہوں اور زبان وقلب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعتراف کریں رسالت محمدی سے آپ کی عقیدت ومحبت کو ان الفاظ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

وهـل امـر السـفـالة غيـر كـفـر

بـمـن يـخـتـارمـن سـمك البـروج

(جس نے بلندی کو برجوں کے لئے منتخب کیا ہے اس سے انکار وکفر کے سوا کیا کوئی اور ذلت بھی ہے؟)

حضرت ابوطالب اپنے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر چاہتے تھے اور اس محبت میں پورے عرب سے دشمنی مول لینا ان کے لئے کوئی بڑی چیز نہ تھی، وہ بہرصورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ اور دفاع کے لئے تیار تھے۔

کچھ محققین اور مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ اندرونی طور سے اسلام قبول کر چکے تھے لیکن معاشرتی خوف اور اپنے آبائی دین کے سبب زبان سے اعتراف ان کے لئے ایک مسئلہ بن چکا تھا لیکن ہم اس مسئلے میں نہ جاتے ہوئے صرف اتنا اظہار خیال ضرور کریں گے کہ حضرت ابوطالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل وجان سے شیدائی تھے۔ وہ جو بھی کریں وہ ان کے ساتھ رہیں گے۔ گویا ان کی دعوت توحید اور دین اسلام کے احیاء سے متعلق کوششوں کا ساتھ دیں گے۔ اللہ دلوں کا حال بہتر جانتا ہے وہ اسی کے مطابق فیصلہ صادر کرے گا۔ جب عربوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک طوفان برپا ہوگیا تو آپ نے ان اعداء رسول کے سامنے پہلے اپنے خاندانی وقار کا ذکر کیا اور اس کے بعد شریعت محمدی کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی قوم کی عداوت وشناعت کو موضوع بحث بنایا۔

ولمارأيت القوم، لا ود فيهم

وقد قطعوا كل العرى والرسائل

(جب میں نے قوم کو دیکھا کہ ان میں محبت نہیں رہی اورانہوں نے تمام تعلقات اور رشتوں کوتوڑ دیا)

وقـد صـارحـونـا بـالـعداوـة و الاذ

وقـدطـاوعـوا أحـد الـعدو المزائـل

(انہوں نے ہم سے کھلی دشمنی اورایذارسانی شروع کی۔انہوں نے ہم سے الگ ہونے والے دشمن کی بات مانی)

صبـرت لهـم نـفسـى بسـمـراء سـمـحة

وأبيـض عـضـب مـن تـراث الـمقـاول

(تو میں بذات خودایک لچکیلے نیزےاورشایان سلف کی وراثت میں ملی ہوئی ایک چمکیلی تلوار لے کر ان کے مقابلے میں ڈٹ گیا)

یہ ایک طویل قصیدہ ہے۔اس میں حضرت ابوطالب نے اپنی حیثیت جتلائی اوراپنے مخالفین کو ہدف تنقید بناتے ہوئے مختلف انداز میں اپنے احساسات وجذبات کی عکاسی کی ہےاور اختتام قصیدہ پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف اعلیٰ جہات وصفات کو موضوع بحث بنایاہے۔

ان اشعار میں حضرت ابوطالب کی محبت کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ انھیں اپنے بھتیجے سے کس قدر قلبی اور جذباتی لگاؤ تھا۔ان کی ہرتحریک اور ہراقدام کا سہارا بنے سرداران عرب کی مخالفتیں ان کے جوش محبت کوجدانہ کرسکیں اس تعلق سے کچھ اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں۔

لـعـمـری لـقـد كـلـفـت وجـداًبـأحـمـد

واخـوتـــه داب الــمـحـــب الـمواصـل

(اپنی عمر کی قسم !جس طرح دائمی محبت کرنے والوں کی محبت ہوتی ہے۔میں احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اوران بھائیوں کے عشق میں مبتلا کیا گیاہوں)

فلازال فی الدنیا جمالا لأهلها

وزینا لمن والاه رب المشاکل

(ایک دوسرے سے متشابہ شکلیں بنانے والے پروردگار احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اوران کے بھائیوں سے تعلقات رکھنے والوں کے جمال دنیوی ہمیشہ رکھے اورجن لوگوں کی اس نے سرپرستی کی ہے ان کی زینت کو دوام عطا فرمائے)

فمن مثله فی الناس أی مؤمل

(احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سا لوگوں میں ہے کون؟ حکام نے جب فضائل کا مقابلہ کرنے کے لئے اس (کے رتبے) کا اندازہ کیا تو اس کے لئے ان لوگوں میں جن سے امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں۔عجیب قسم کی برتری ہوئی)

حلیم، رشید عادل، غیر طائش

یوالی الٰها لیس عنه بغافل

(وہ بردبار، سیدھی راہ چلنے والا، عادل، جذباتی نہیں ہے۔اس کا تعلق ایک ایسے معبود سے ہے جو اس سے غافل نہیں)

لقد علموا أن ابننا لا مکذب

لدیناولا یعنی بقول الأباطل

(تمام لوگوں کو پتہ ہے کہ ہمارا بیٹا ہم لوگوں کے نزدیک کذب وافتراء سے پاک ہے اور لایعنی باتوں پر توجہ نہیں دی جائے گی)

حدبت بنفسی دونه وحمیته

ودافعت عنه با لذرا و الکلاکل

(اس کی مدافعت میں میں نے اپنی جان خطرے میں ڈال دی۔اپنی نسبت کی بلندی اور سینے کے بڑے حصے سے اس کی حفاظت کی)

فــــأيــده رب الــعبــــاد بــنــصــره
وأظهــر ديــنــا حــقـــه غيــر بــاطــل

(پس رب العباد نے اسے اپنا ذاتی تعاون دیا۔ اور اپنی حقانیت سے دین برحق کو سربلندی عطا کی)

حضرت ابوطالب کے اس طویل قصیدہ سے چند اشعار یہاں پیش کئے گئے۔ اس میں تین بنیادی نکات پر توجہ صرف کی گئی ہے۔ ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس شاخ سے تعلق ہے وہ اپنے کردار کے سبب ممتاز و منفرد ہے۔ دوسرے مخالفین کے انداز فکر پر اظہار افسوس جتایا گیا ہے اور مسک الختام کے طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف عالیہ اور مقامات مقدسہ کا عقیدتاً ذکر کیا گیا ہے۔

ان اشعار کے تناظر میں حضرت ابوطالب کی عظمت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ تمام تر موانع ومشاکل کے باوجود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی دست کش نہیں ہوئے۔

سیرت ابن ہشام میں ہجرت مدینہ کے حوالے سے خاصی معلومات موجود ہیں۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں تین روز مقیم رہے اور وہیں سے ہجرت کا منصوبہ بنایا، لیکن یہ سب چیزیں راز میں رہیں یہاں تک کہ ایک جن کے ذریعہ اس حقیقت کا اظہار کیا گیا۔ یہ اظہار منظوم شکل میں تھا:

خيــر اللـــه رب الــنــاس خيــر جــزاء
رفيــقيــن حــلا خيــمتــي ام مــعبــد

(رب الناس ان دونوں دوستوں کو اپنی جانب سے بہترین جزاء دے جو ام معبد کے خیمے میں اترے)

هــمـــا نــزلا بــالبــر ثــم تــروّحــا
فــأفــلــح مــن أمســى رفيــق مــحــمــد

(وہ دونوں اچھائیوں کے ساتھ نازل ہوئے۔ پھر شام ہوتے ہوتے روانہ ہوگئے۔ یہ یقینی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی فلاح یاب ہوگا)

لیعصی بنی کعب مکان

ومقعدھا للمؤمنین بمرصد

(بنی کعب کو اپنے زنان خانے اور دلوان خانے سے خوش ہونا چاہئے کہ وہ ایمان داروں کی انتظار گاہ ہیں)

مذکورہ اشعار میں رسالت محمدی کے تقدس وتبرک کو پیش کیا گیا ہے۔ اس ذات اقدس سے جو کوئی وابستہ ہو جائے کامیابی اس کی تقدیر کا حصہ بن جاتی ہے۔ عہد حاضر میں رفاقت کی شکل یہ ہے کہ سیرت نبوی کو اپنا معیار ومحور بنایا جائے اور ہر میدان میں میزان نبوی مقصود ومطلوب ہو۔ یہی رفاقت نبوی اخروی الجھنوں سے نجات کا باعث ہوگی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفاقت نبوی کو اللہ نے اس قدر پسند کیا کہ اسے اپنی کتاب میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گویا یہ رفاقت ابوبکر تمام دنیاوی رفاقتوں پر بھاری ہے۔ جس کا ذکر سورہ توبہ میں یوں کیا گیا ہے:

الاتنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجه الذین کفرو ثانی اثنین اذھما فی الغار اذیقول لصاحبه لاتحزن انّ اللہ معنا۔ (التوبہ۹/۴۰)

اگر تم ان (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے ان کی مدد کی اس وقت جب کہ انھیں کافروں نے (دیس سے) نکال دیا تھا۔ دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس کی توضیح کچھ اس طرح ہے:-

> ''جہاد سے پیچھے رہنے یا اس سے جان چھڑانے والوں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کا محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی مدد اس وقت بھی کی جب اس نے غار میں پناہ لی تھی اور اپنے ساتھی یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا تھا ''غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ

ہے‘‘اس کی تفصیل حدیث میں آئی ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں’’جب ہم غار میں تھے تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اگر ان مشرکین نے (جو ہمارے تعاقب میں ہیں) اپنے قدموں پر نظر ڈالی تو یقیناً ہمیں دیکھ لیں گے‘‘ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا ابوبکر! "ماظنك باثنين الله ثالثهما (صحیح بخاری تفسیر سورۃ التوبۃ) اے ابوبکر! تمہارا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے، جن کا تیسرا اللہ ہے’’یعنی اللہ کی مدد اور اس کی نصرت جن کے شامل حال ہے۔‘‘

(قرآن کریم مع اردو ترجمہ وتفسیر، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، ۱۴۱۷ھ، ص:۵۱۲)

یہ رفاقت تمام مادی آلائشوں سے پاک وصاف ہے۔ ہم اپنی رفاقت کا جائزہ لیں کہ کیا سرور کائنات کے تئیں اس میں صداقت اور اخلاص ہے۔ رفاقت محمدی کے توسط سے ہم مناصب اور شہرت وعظمت کے خواستگار تو نہیں؟ آج اسی رفاقت کے حوالے سے سیرت اور دولت کمائی جارہی ہے۔

گویا نعت گوئی اور نعت خوانی حصول مادیت کا ذریعہ بن چکی ہیں۔ پاکستانی خواتین اس نعت خوانی کے توسط سے اپنے حسن وجمال کا مظاہرہ کرتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم اس حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باوجود بھی ذلت وحقارت کی زد پر ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو وہاں ایک خوشی کا ماحول تھا۔ اس بابرکت تشریف آوری سے وہاں کی فضا خوشیوں اور برکتوں میں بس گئی۔ ہر شخص اپنی قسمت پر نازاں تھا کہ دنیا کی قیمتی متاع ہمارے حصے میں آگئی۔ ہماری ہی سرزمین سے اسلام کا بول بالا ہوگا اور ہم خدام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلائیں گے۔ ابوقیس صرمہ نے ان جذبات کی ترجمانی اس انداز سے کی ہے۔

ثوى فى قريش بضع عشرة حجةً
يذكر لويلقى صديقاً مواتيا

(آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دس سال سے زائد قریش میں قیام پذیر رہے کہ کاش کوئی موافق دوست مل جائے)

فلم یرمن یؤدی ولم یر داعیا

ویعرض فی أهل المواسم نفسه

(اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے مواقع پر خود کو (عوام الناس کے سامنے) پیش کرتے رہے، لیکن کسی نے نہ تو دست گیری کی اور نہ ہی کسی لبیک کہنے والے شخص کا مشاہدہ کیا)

فلما أتانا أظهر الله دینه

فاصبح مسروراً بطیبة راضیا

(جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف فرما ہوئے تو اللہ نے اپنے دین کو غلبہ عطا کیا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہر طیبہ سے مکمل طور سے راضی برضا ہو گئے)

وألقی صدیقاً واطمانت به النوی

وکان لنا عونا من الله بادیا

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا دوست پا لیا جس میں آپ کی غریب الوطنی کو اطمینان حاصل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسے معاون تھے کہ جس کی مدد بالکل ظاہر و باہر تھی۔

یقص لنا ماقال نوح لقومه

وماقال موسیٰ اذاجاب المنادیا

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے جو کچھ کہا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے بیان فرماتے ہیں اور موسیٰ نے (غیب سے) پکارنے والے کو جو جواب دیا، اس کی تفصیل فرماتے ہیں۔)

واصبح لایخشیٰ من الناس واحداً

قریباً ولایخشیٰ من الناس نائیا

(اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں صبح کی کہ لوگوں میں سے کسی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ڈرتے، چاہے وہ نزدیکی ہو یا دور والا)

بذلنا له الاموال من حل مالنا
وانفسنا عند الوغا والتأسيا

(ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی جانیں اور اپنے مال کا بڑا حصہ جنگوں اور ہمدردیوں میں صرف کیا۔)

ونعلم انّ الله لاشئ غيره
ونعلم انّ الله افضل هاديَا

(اور ہم جاننے لگے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی چیز ہے ہی نہیں اور جان رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی بہترین رہنما ہے۔)

نُعادِی الذی عادی من الناس کلهم
جميعا وان کان الحبيب المصافيا

(سب لوگوں میں سے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنی کا اظہار فرماتے ہیں ہم بھی اس کے دشمن ہو جاتے ہیں، اگرچہ وہ مخلص دوست ہو۔)

اقُولُ اذاادعوك فی کل بیعة
تبارکت قد اکثرت لِاَسمكَ داعيا

(جب میں ہر عبادت گاہ میں جا کر تجھ سے دعا گو ہوتا ہوں تو کہتا ہوں کہ تم نے برکتیں نازل کیں، یقیناً میں نے دعا کرتے ہوئے تیرا نام بہت لیا ہے۔)

اقول اذاجاوزت ارضا مخوفةً
حنانيك لاتظهرعلى الأعاديا

(جب میں کسی خطرناک سرزمین سے گزرتا ہوں تو کہتا ہوں کہ تو اپنی مہربانیوں سے مجھ پر دشمنوں کو غلبہ نہ دے۔)

سیرت ابن ہشام جلد اول سے مذکورہ بالا اشعار نقل کئے گئے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے مزید اشعار مل سکتے ہیں جن میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل مقدسہ کی توضیح کی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبۂ بلند کا انکشاف کیا گیا۔

ان اشعار کی روشنی میں ایک معتبر زاویۂ نظر یہ سامنے آیا کہ نہ صرف عرب بلکہ رہتی دنیا تک تمام خطوں میں بسنے والے اللہ کے بندوں کے لئے کوئی قائد و رہبر ہوسکتا ہے تو یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے جس کی ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی تحریروں میں نہایت وقیع استدلال فرمایا ہے۔ سرداران عرب نے ہر طرح سے اس آواز کو دبانا چاہا لیکن چونکہ اس آواز کو تائید ایزدی حاصل تھی اس لئے اس سیادت وقیادت کو دبانا یا چراغ مصطفوی کو بجھانا انسانی بساط سے باہر تھا۔ قرآن کریم نے جس کی بلیغ تصویر کشی یوں کی ہے:

"ورفعنا لك ذكرك" اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارا آوازہ بلند کیا۔

اس کی تفسیر صاحب تدبر قرآن نے یوں کی ہے:

یعنی کیا یہ بات نہیں ہے کہ ہم نے تمہارا آوازہ بلند کیا!''لک'' جس طرح پہلی آیت میں اختصاص، تائید اور نصرت کے اظہار کے لئے ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔ یعنی تمہاری تقویت وحوصلۂ فزائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمہارا ذکر دور دور تک پھیلا دیا ہے۔

اس آیت سے سورہ کا زمانۂ نزول معین ہوتا ہے کہ یہ اس دور میں اتری ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا چرچا عرب کے اطراف واکناف میں پھیلنے لگا ہے۔ یہ امر یہاں واضح رہے کہ مکہ کے سادات جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے دعوت دی، وہ تو ایک عرصہ تک دعوت اور داعی کی مخالفت پر جمے رہے لیکن حج کے موسم میں باہر کے جو لوگ آتے ان کے ذریعہ سے یہ دعوت مکہ کے اطراف خصوصیت کے ساتھ مدینہ کے انصار میں پھیل گئی۔ پھر

بالتدریج نہ صرف عرب کے دور و قریب کے قبائل بلکہ اطراف کے دوسرے ملکوں میں بھی اس کا ذکر پہنچ گیا اور یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں رہا کہ یہ آواز دبنے والی نہیں ہے بلکہ جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ بچہ بچہ کی زبان پر اس کا چرچا ہوگا اور گوشہ گوشہ اللہ اکبر کی صدا سے گونج اٹھے گا۔

فنِ نعت گوئی

پروفیسر ڈاکٹر واحد نظیر (نئی دہلی)

نعت بہ معنی تعریف، مصدر ہے اور اس کی جمع نعوت ہے۔ اصطلاح میں ایسی تعریف کو نعت کہتے ہیں جو ذاتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منسوب ہو۔ یہ نحو کی ایک اصطلاح بھی ہے جو صفت کے مترادف ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نعت کہنے والے کو ’’ناعت (نعت سے اسم فاعل) کہا ہے۔ لفظ نعت کو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارکہ سے ادا ہونے کا شرف حاصل ہے۔

مشکوٰۃ المصابیح باب ’’اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہٗ‘‘ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی کا لڑکا خدمتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوا کرتا تھا، بیمار ہوا تو رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے گھر عیادت کو تشریف لے گئے۔ لڑکے کا باپ سرہانے بیٹھ کر تورات پڑھ رہا تھا، پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے مخاطب کر کے فرمایا:

’’....یَا یَھُوْ دِیُ اُنْشِدُكَ بِاللّٰہِ الَّذِیُ اَنْزَلَ التَّوْرٰۃَ عَلٰی مُوسیٰ ھَلُ تَجِدُ فِیُ التَّو رٰۃِ نَعُتِیُ وَصِفَتِیُ وَ مَخْرَجِیُ....‘‘

ترجمہ: اے یہودی! میں تجھ کو اس خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں، جس نے حضرت موسیٰ پر تورات نازل فرمائی کہ کیا تو تورات میں میری نعت، میری صفت اور میرے مخرج کا تذکرہ پاتا ہے؟

یہودی نے تو نفی میں جواب دیا لیکن اس کے لڑکے نے خدا کی قسم کھا کر کہا میں تورات میں آپ کی نعت، آپ کی صفت اور آپ کے مخرج کا تذکرہ پاتا ہوں۔

اس حدیث پاک سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے اپنے محبوب کی جو تعریفیں کیں

انھیں خود رسول نے نعت سے موسوم فرمایا ہے، وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ کار مستحسن ہے، جس کے آغاز کو خدا کی ذات سے نسبت حاصل ہے۔ اردو کے معروف شاعر مرزا غالبؔ نے اسی نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے عجزِ بیان کا اعتراف اس طرح کیا ہے:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشیتم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد ﷺ است

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس ذاتِ مبارکہ کی تعریف خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمائی ہو، اس کی تعریف ایک عام انسان کس طرح کرسکتا ہے اور اگر کرے بھی تو اس کی کیا وقعت ہے؟ اس سوال کی روشنی میں یہاں میں دو نکات کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا۔ پہلا نکتہ یہ کہ اپنے محبوب کی تعریف خدا نے کی ہے اور انسان اللہ کا خلیفہ ہے، اس لیے نیابت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان بھی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف کرے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو اپنا نائب بنا کر دراصل اسے اپنے محبوب کی مدحت کے قابل بنا دیا۔ چوں کہ مدحتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اصل یعنی خدا کی ذات سے ہو چکی ہے اس لیے نائب اس میں کوئی جدت یا اضافہ تو نہیں کرسکتا بلکہ وہ محبوبِ خدا کی مدحت سرائی کر کے صرف اپنے اصل کی نیابت کا فریضہ انجام دینے کی سعادت ہی حاصل کرسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ ان لوگوں کے دعوؤں سے تو شرمسار ضرور ہوتی رہی ہے جنھوں نے کبھی خدا ہونے کا دعویٰ کیا اور کبھی نبوت پانے کے دعویدار ہوئے لیکن ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ تاریخ کے کسی دور میں کسی نے مدحتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پورا پورا حق ادا کرنے کا دعویٰ کیا ہو۔ مولانا نعیم صدیقی کی مشہور تصنیف ''محسنِ انسانیت'' پر تقریظ لکھتے ہوئے مولانا ماہر القادری رقم طراز ہیں:

''کس کی مجال ہے جو خلاصۂ کائنات، فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی مدحت سرائی اور سیرت نگاری کا حق ادا کرسکے۔ یہ غلط دعویٰ نہ کسی کی زبان سے نکل کر فضا میں پھیلا اور نہ

کسی قلم نے اسے صفحۂ قرطاس پر ثبت کیا۔اس بارگاہِ اقدس میں جس نے بھی لب کشائی کی تو اس کا مقصد حصولِ سعادت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔‘‘

حصولِ سعادت کا یہی وہ پاکیزہ جذبہ ہے جس سے سرشار ہوکر عہد نبوی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت کعب بن زہیر، حضرت کعب بن مالک، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت حسان بن ثابت اور حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے اکابر صحابہ کرام نے اپنی زبان، قلم اور کاغذ کو مرہونِ نعت کیا۔ یہاں تک کہ ابو طالب اور میمون بن قیس اعشیٰ جیسے معاصرینِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت میں خلوص سے کام لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری کے زمانے میں ایک بڑی تعداد ایسے شعرا کی بھی ملتی ہے جو ایمانی دولت سے مملو تو نہیں تھے لیکن ان کے مدحیہ اشعار سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اوصافِ رسول سے کس قدر متاثر تھے۔ عظمتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بالواسطہ اعتراف کا یہی وہ پہلو ہے جو ہر زمانے میں معجزہ بن کر روشن ہوتا رہا۔

ہر عہد، ہر ملک اور ہر مذہب میں پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدحت سرا پیدا ہوتے رہے اور صبح قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ تفصیلات سے قطعِ نظر صرف ایک مثال کے ساتھ اس نکتے کو یہیں چھوڑتا ہوں کہ جرمن شاعر گوئٹے کی شہرہ آفاق نظم ’’نغماتِ محمدی ﷺ‘‘ کا آزاد ترجمہ علامہ اقبال نے ’’جوئے آب کے‘‘ نام سے ’’پیامِ مشرق‘‘ میں شامل کیا۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں نعت کی وسعت ومقبولیت کا ایک خام اشاریہ تو مرتب کرتی ہیں لیکن ان سے موضوعِ نعت کی وسعت پر روشنی نہیں پڑتی۔ بلاشبہ نعت کا موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس کا تصور بھی محال ہے۔ مثال کے طور پر یہ اسلامی کلنڈر کا چودہ سو چھتیسواں سال ہے۔ آپ نے چودہ سو چھتیس (۱۴۳۶) لکھا تو یہ اعداد کا ایک مجموعہ ہے لیکن جیسے ہی آپ نے اس پر ہجری کی ’’ھ‘‘ لگائی یہ اعداد کا مجموعہ نعت کے دائرے میں داخل ہوگیا۔ چوں کہ یہ ’’ھ‘‘ صرف ایک حرف نہیں بلکہ

ہجرتِ رسول کے تاریخی واقعے کی علامت ہے۔ اسی طرح خدا خالق ہے یہ ایک حمدیہ جملہ ہے لیکن جب آپ نے خدا کی خلاقی پر غور و فکر شروع کیا تو گویا موضوعِ نعت کے دروازے پر دستک دے دی۔ اس لیے کہ غور و فکر کے اگلے مرحلے میں ہی یہ حقیقت آپ کے سامنے کھڑی ہوگی کہ اللہ کے خالق ہونے کا اعلان اس وقت تک نہ ہوا جب تک اس نے نورِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخلیق نہیں فرمائی۔ موضوع کے حوالے سے یہ صرف اشارے ہیں ورنہ حق تو یہ ہے کہ یہ نکتہ فقط خالق و مخلوق تک ہی محدود نہیں بلکہ ساجد و مسجود، عبد و معبود اور اسمائے الٰہی کے تعلق سے بس پھیلتا ہی چلا جاتا ہے۔

نعت کے موضوع کی یہی وسعت اور حمدیہ موضوع سے قربت نعت گو شعراء کے لیے آسانیاں بھی فراہم کرتی ہے اور انھیں کڑی دشواریوں سے بھی روبرو کرتی ہے۔ آسانیاں اس طرح کہ موضوع کی گوناگونی شاعر کو احساس بے مائیگی کا شکار نہیں ہونے دیتی اور دشواریاں اس طرح کہ حمدیہ موضوع سے اس کی قربت شاعر کو سراپا محتاط رہنے پر قانع رکھتی ہے۔ یہ وہ نازک مرحلہ ہے جہاں زبان و بیان کے شہسواروں کی رفتار تھم جاتی ہے۔ یہ مرحلہ ایسے پل صراط کے مانند ہے کہ ذرا سا غلو قاب قوسین او ادنیٰ کی حدوں کو توڑ کر الوہیت کے دائرے میں ڈال سکتا ہے اور ذرا سی تنقیص دنیا و آخرت کے تباہ و برباد ہونے کی وجہ بن سکتی ہے۔ آیتِ قرآنی

لاترفعوااصواتکم فوق صوت النبی کا شانِ نزول ہمارے پیش نظر ہے۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ نعت گوئی کے مرحلے اگر اس قدر دشوار گزار ہیں تو ایسے شعرا جن کے سینے میں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ٹھاٹھیں مار رہا ہو، کیا کریں؟ کیا اپنے جذبات اور قلبی واردات کو شعری پیکر میں ڈھالنے سے باز آ جائیں؟ مدحتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ذکرِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نظم کا پیکر نہ دیں اور اسے حوالۂ قرطاس کرنے سے اپنے قلم روک لیں؟ انھی پریشان کن سوالوں کا حل حضرت شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن زید المعرف بہ امام بوصیری کے اس شعر میں پوشیدہ ہے۔ وہ کہتے ہیں:

دَعْ مَـا ادَّعتُـه' الـنَّصَـارىٰ فِىْ نَبِيّهِمْ
وَحُـكُـمْ بِـمَـا شِئْتَ مَدْ حاً فِيْهِ وَاحْتَكِمْ

ترجمہ: صرف وہ بات چھوڑ دو، جس کا دعویٰ نصرانیوں نے اپنے نبی کے بارے میں کیا ہے اس کے بعد جو تمھارا جی چاہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح میں کہو اور جو حکم چاہو لگاتے جاؤ۔

معلوم یہ ہوا کہ نعت گوئی کے لیے بیانِ مضمون کا ایک بڑا ادب، اسرائیلی روایات سے احتراز ہے، اُس طورِ تفحص سے احتراز جس کا سفر تثلیث کی وادی تک پہنچا دیتا ہے۔ امام بوصیری کے اس شعر میں نعت کے موضوع کی تعیین بڑی خوبصورتی سے کی گئی ہے۔ یہ درست ہے کہ مدحتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ممکنات اور اس کی حدیں انسان کی فکری دسترس سے باہر ہیں لیکن یہ ایک تاریخی سچائی ہے کہ عہدِ نبوی سے تا حال ہر موزوں طبع عاشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ نہ کچھ نعتیہ اشعار ضرور کہے ہیں۔

ان اشعار کے موضوع کی دو قسمیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہے جس میں شاعر نے اپنے داخلی جذبات و کیفیات کو بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پیش کیا ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس میں مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور اس کے متعلقات منظوم ہوئے ہیں۔ موضوع کی یہ تقسیم وسیع تناظر میں پیش کی گئی ہے، ورنہ ایمان کی بات یہ ہے کہ نعت میں پیش کیے گئے موضوعات کو عنوان دیا جائے تو دفتر کے دفتر وجود میں آ جائیں۔

داخلی جذبات کے تعلق سے آرزو، استغاثہ، اظہارِ عشق و محبت یا قلبی واردات، مدینے سے جغرافیائی دوری کے احساسات جیسے موضوعات شامل ہیں۔ جب کہ حیاتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور سیرت و شمائل کے حوالے سے حالاتِ ماقبلِ ولادت، بشارتِ ولادت، ولادتِ باسعادت، رضاعت، یتیمی، نبوت، رسالت، خطابت، فصاحت، بلاغت، اخلاق، اوصاف، خصائل، معراج، ہجرت، غزوات، معاہدے، شرافت، نجابت، سخاوت، شفقت، عدل،

صداقت، امانت، للّٰہیت، انکساری، مزاج، حسن و جمال، گفتار، رفتار، تبسم، وضع، رخسار، گیسو، قد، ملبوسات، اسلوبِ کلام، ماکولات، مشروبات، شجاعت، عزم و استقلال، شعر فہمی، نقد و تبصرہ، معجزات، دعوت نامے، خاندانی شرف، انبیا میں فضیلت، اہل و عیال وغیرہ، اسی طرح متعلقات میں گنبدِ خضریٰ، سنہری جالیاں، حریری پردے، سنگِ درِ اقدس، مدینہ منورہ کا جغرافیہ، اس کی تاریخ، بہارِ مدینہ وغیرہ نعت کے موضوعی عناصر ہیں۔

مقصدیت کے اعتبار سے نعت کا یک گونہ رشتہ صنفِ قصیدہ سے قائم ہوتا ہے۔ چوں کہ نعت میں رسولِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف مقصود ہوتی ہے اور قصیدے میں بادشاہ یا دیگر شخصیتوں کی تعریف۔ لیکن فنی تقاضے دونوں کے مختلف ہیں۔ قصیدے کا مزاج یہ ہے کہ غلو اور مبالغہ آرائی بسا اوقات دروغ گوئی کی سرحدوں کو بھی چھونے لگتی ہے پھر بھی اسے شاعر کے فنی کمال سے تعبیر کیا جاتا ہے جب کہ فنِ نعت گوئی اس کا متقاضی ہوتا ہے کہ حقیقت کے بیان میں یک سرِ مو فرق واقع نہ ہونے پائے۔

علاوہ ازیں طمطراق، طنطنہ، شکوہِ لفظی اور زورِ بیان قصیدے کے فن کو حرارت بخشتے ہیں اور نعت میں یہی خصوصیات فنی نقص میں شمار ہو جاتی ہیں چوں کہ نعت میں زورِ بیان نہیں سنجیدگی اور متانت درکار ہوتی ہے۔ ''عرفی مشتاب ایں رہِ نعت ست نہ صحرا'' میں ''مشتاب'' کہہ کر عرفی نے اسی سنجیدگی اور متانت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ گویا قصیدہ اور نعت مقصدیت کے اعتبار سے مشترک ہونے کے باوجود لفظیات اور لہجے کی سطح پر بالکل مختلف ہیں۔ عرفی کے ایک مشہور نعتیہ قصیدے کا شعر ہے:

ہشدار کہ نتواں بہ یک آہنگ سرودن
نعتِ شہِ کونین و مدیحِ کے وجم را

گویا لفظیات اور لہجے کے انتخابی مراحل میں نعت گو شعرا کو یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ سلطانِ انبیا اور دنیوی سلاطین کی مدحت میں بیّن فرق ہے۔ وہ الفاظ و اصطلاحات جو کسی فرد کے لیے

مخصوص ہوں نعتیہ اشعار کا پیرایۂ اظہار نہیں بن سکتے۔ یہی حکم لہجے اور پیش کش پر بھی صادر ہوتا ہے۔ فلمی گیتوں کے طرز پر نعتِ نبی کا پڑھنا اور لکھنا اسی لیے درست نہیں۔ بیان و اظہار کا یہ محتاط رویہ جہاں نعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عمومیت سے پاک رکھنے میں معاون ہوتا ہے وہیں ذکرِ الوہیت کے خصوصی دائرے میں داخل ہونے سے بھی بچاتا ہے۔

میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ جادۂ نعت کے مسافر درحقیقت نیابتاً اللہ کی ہی حمد و ثنا کے سفر میں ہوتے ہیں ان کا فکری اور فنی امتیاز اسی صورت میں باقی رہ سکتا ہے جب کہ ان کی شعری کاوشوں میں توحید و رسالت کا فرق نمایاں طور پر موجود ہو۔ خالق و مخلوق کے امتیاز کا شعور کسی بھی مرحلے پر کم نہ ہونے پائے اور ہر ہر لمحہ عقیدت کے ساتھ عقیدہ کا ہوش باقی رہے۔

عقیدت اور عقیدہ دراصل یہی وہ دو چیزیں ہیں جن کے اظہار میں سلامت روی سے گزر جانا نعت کہنے کے فن سے حتی المقدور عہدہ برآ ہونے میں کامیابی پانے کے مترادف ہے۔ اگر عقیدتوں کا بیان ہو تو فنی لحاظ سے نعت کے شاعر کی کامیابی یہ ہے کہ اس کا بیان و اظہار قاری پر بھی عقیدت و التجا کی وہی کیفیت طاری کر دے جس سے شاعر دوچار رہا ہے اور پڑھنے والوں کے دلوں میں بھی وہی آرزوئیں مچلنے لگیں جن آرزوؤں اور تمناؤں نے شاعر کو ماہیِ بے آب بنا رکھا ہے۔

اگر نعتیہ شاعری میں عقیدوں کا بیان ہو تو فنی لحاظ سے شاعر کی کامیابی یہ ہے کہ اس کا بیان لفظی تلمیحات کا مرہونِ منت ہوئے بغیر فکری طور پر قاری یا سامع کو نہ صرف اس عقیدے کی تہہ تک پہنچادے بلکہ اس کے افہام میں معاون اور استحکام میں اضافہ کا سبب بن جائے، جس عقیدے سے وابستگی نے اسے متعلقہ شعر کہنے کا ذہن بخشا ہے۔ اگر عقیدتوں کے بیان میں شاعر کے لیے یہ بات کسی آفت سے کم نہیں کہ ہوشیاری کا دامن اس کے ہاتھوں سے چھوٹنے لگا ہو تو یقیناً عقیدوں کے بیان میں بھی یہ بات ایک بڑی افتاد کے مصداق ہی قرار پائے گی کہ اس کی صحت کسی بھی جہت سے مجروح ہوگئی ہو۔ خود شاعر کی نوکِ قلم سے اس کے اپنے عقیدے پر نشتر لگ گیا ہو اور

اسے خبر بھی نہ ہوئی ہو۔ یا اعتقادیہ کے بیان میں ایک قسم کی رمزیت آگئی ہو۔ ایسی رمزیت جو مذہب کو یا تو فرقۂ باطنیہ میں تبدیل کر دیتی ہے یا پھر طرح طرح کی تاویل و توجیہہ کے دروازے کھول دیتی ہے۔ ''وہی جو مستویِ عرش ہے خدا ہو کر'' جیسے اشعار سے جو علمی قضیے وجود میں آئے ان سے نعتیہ ادب کا مطالعہ رکھنے والے بہ خوبی واقف ہیں۔ دوسری جانب عظمتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخفیف کرنے والے شعرا کی تعداد بھی کم نہیں اعتقادیہ کے بیان میں مبالغہ اور تخفیف دونوں ہی ایمان کے لیے خطرناک ہیں۔

حالؔی کی نعت ''وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا'' ہم میں سے کس کو یاد نہیں۔ لیکن اسی شاعر کا جب یہ شعر سامنے آتا ہے کہ:

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم
کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم

تو پھر صاف پتا چل جاتا ہے ک اعتقادیہ کی شکوخیدگی نے کیا گل کھلائے ہیں اور شاعر نے کس طرح یہ عقیدہ نظم کر دیا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبیِ مختار نہیں، نبی مجبور ہیں۔ یہاں نعتیہ شاعری میں عقیدوں کے بیان کی مختلف کیفیات کو سامنے لانا یا ان مثالوں کی طرف جانا مقصود نہیں، جن میں عقیدۂ اوتاریہ اور نعوذ باللہ ''نبی مجبور'' جیسے عقیدے کی پیش کش ہوئی ہے۔

بلکہ یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ عقیدوں کی پیش کش میں حزم و احتیاط نہ ہو تو نعتیہ شاعری ایمان کے لیے خطرہ بن جاتی ہے۔ عقیدوں کی پیش کش میں فنی مرتبے کا ایک اوسط حال تو یہ ہے کہ لفظی تلمیح برجستہ آئی ہو اور اس سے بھی بلند درجہ یہ ہے کہ معنوی تلمیح سے صحیح عقیدے کی طرف قابلِ فہم نشاندہی ہوگئی ہو۔ ایسی نشاندہی جس میں روحِ قرآنی جھلک رہی ہو۔ اگر شاعر پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سراپا بیان کر رہا ہو تو شانِ تخیل بے لگام نہ ہو بلکہ شمائل نبوی کے مضامین اس کے موید ہوں۔ مزید ایک بات برسرِ تذکرہ عرض کرنا چاہوں گا کہ آج کی نعتیہ شاعری میں

عصری حسیت کو بھی مختلف نہجوں سے برتا جا رہا ہے۔

عالمی منظر نامے پر اہلِ اسلام کی جو کربناک تصویریں ابھر رہی ہیں انھیں دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اظہار غیر فطری بھی نہیں۔ اپنا حال سنانے کے لیے محبانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگہ سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ احتیاط ضروری ہے کہ عصری حسیت کو بیان کرتے ہوئے آدابِ نعت کا دامن ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائے کیونکہ حالِ زمانہ کو پیش کرتے ہوئے غلو کا سہارا لینا گویا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں غلو کے ساتھ باتیں کرنا ہے۔

نعت کے فن پر باتیں کرتے ہوئے مختلف ہیئتوں کے استعمال کا معاملہ بھی سامنے آتا ہے۔ نہ صرف سرحد پار بلکہ خود ہمارے ملک میں بعض شعرا نے گیت اور دوہے کی شکل میں نعتِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھا ہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی زبان میں یا کسی ادب کے قواعد و ضوابط اور آئین و اصول کی رعایتوں کے ساتھ نعت گوئی پر کوئی قید اور کوئی قدغن نہیں۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت میں صرف مرد ہی نہیں عورتیں بھی شامل ہیں اور اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت کا اظہار وہ کرتی ہیں اور کر بھی سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں اصل چیز بس یہ ہے کہ قریب المفہوم الفاظ و اصطلاحات کے استعمال کا خصوصی دائرہ قائم رہنا چاہیے۔ اس بات کو قدرے وضاحت کے ساتھ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسی زبان، کسی ادب اور کسی شعری ہیئت کے نام پر جہاں معنیاتی لحاظ سے الفاظ کے استعمال میں اس کی سرگذشت، تداولی کیفیت اور تمدنی ثقافت پر نظر رکھنا ضروری ہے وہیں یہ بھی لازم ہے کہ ایسی قریب المفہوم اصطلاحوں کے استعمال میں ترادف کے لحاظ سے کوئی سمجھوتہ نہ ہو جن کا تعلق اعتقادات سے ہے یا جو اعمالیات میں بہمہ وجود ممتاز و شناختہ ہیں۔ کیوں کہ اس احتیاط کے بغیر نعت کے فن کو بھگتی گیتوں کی فضا کے غلبے سے بچانا ناممکن ہے۔

موضوعِ نعت پر اس مختصر گفتگو کے بعد یہ حقیقت روشن ہے کہ نعت گوئی خالص مقصدی شاعری سے عبارت ہے۔ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ کوئی بھی شعری تخلیق دو ہی نظریے کے تحت وجود پذیر ہوتی ہے۔ ایک شاعری برائے شاعری اور دوسرا شاعری برائے زندگی۔ شاعری برائے شاعری خالص تفریحی اور شعری جمالیات کا آئینہ ہوتی ہے۔ جب کہ شاعری برائے زندگی مقصدیت کی حامل ہوتی ہے۔ ظاہر ہے پہلے نظریے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ گرچہ شعری حسن کاری کے مظاہرے کا موقع اس میں زیادہ ہے۔

اب نعت گو شعرا کے سامنے صرف شاعری برائے زندگی یعنی مقصدی تخلیق کا ہی میدان بچ جاتا ہے۔ ایک ایسا میدان جہاں شعریت یا شعری استعداد کے جوہر دکھا پانا آسان نہیں۔ گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شعریت اور شریعت دونوں کے تقاضوں کو بحسن وخوبی نباہ پانا ایک بڑا فن کار ہونے کا ثبوت ہے۔ مثلاً چودھویں کے چاند کو دیکھ کر ایک شاعر کا تخیل چہرۂ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تابانیوں تک رسائی حاصل کرتا ہے اور اسی چاند کو دیکھ کر ایک شاعر کی فکری پرواز انگشتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمتوں کے آسمان میں گم ہو جاتی ہے۔

اس طرح نعت گوئی کی سعادت تو دونوں کو حاصل ہوئی لیکن غور وفکر سے یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ دونوں کی فکری سطح، ادراک وعرفان، احتیاط کے رویّے یہاں تک کہ عشق ومحبت کے تقاضے میں بھی بہت فرق ہے۔

چاند اور چہرۂ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصور جمالِ رسول صلی ا للہ تعا لیٰ علیہ وسلم کا اظہار ہے، جب کہ چاند اور انگشت کا تصور کمالِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آئینہ دار۔ ایک کا تعلق تشبیہ سے ہے اور دوسرے کا تلمیح سے۔ ایک نے عکس کو دیکھا اور نقش تک پہنچنے کی کوشش کی اور دوسرے نے واقعہ کو دیکھا اور اثر تک یا صاحبِ واقعہ تک رسائی کی کوشش کی۔ رسول اور صحابہ کے جھرمٹ کو ہم چاند تاروں سے تشبیہ تو دے سکتے ہیں لیکن تشبیہ کا مفہوم یہ نہیں ہوگا کہ آقا کا چہرہ واقعتاً چاند جیسا ہے یا چاند واقعتاً آقا کے چہرے جیسا ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی ا للہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات لاثانی ہےاور لاثانی کی مثال نہیں ہوتی۔

یہ نکات واشارات اپنی جگہ لیکن یہ حقیقت ہے کہ فکری وفنی حزم واحتیاط اور خلوص کے ساتھ نعت لکھنا، پڑھنا اور سننا عینِ عبادت ہے۔نیز اعتقاد کی صداقت اور موضوع کی حقانیت اس کی بنیادی شرط ہے۔لہٰذا حقائق کو منظوم کرتے ہوئے حد درجہ احتیاط لازمی ہے جب کہ عقیدتوں کے بیان میں خودسپردگی،سرشاری اور خلوص ضروری ہے۔

چوں کہ نعت صرف شعری ذوق کی تسکین کا سبب نہیں ہوتی بلکہ یہ اسلام اور بانیِ اسلام کی تاریخ،حیاتِ مومن کا لائحہ،شاعر کے ایمان وایقان کا مظہر اور قران واحادیث کی تفہیم کا آئینہ بھی ہوتی ہے۔اس طرح نعتیہ شاعری کے تخلیقی عمل میں ذراسی بے احتیاطی ایمان کو کس طرح نقصان پہنچاسکتی ہے،اس کا اندازہ لگانا دشوار نہیں۔ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زمین وآسمان کی کسی بھی حقیقت پہ پہلا حجاب حمد کا ہے کہ ہر شے کی تخلیق خدانے فرمائی ہےاور دوسرا حجاب نعت کا ہے کیوں کہ ہر شے کی تخلیق کا باعث ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔**لولاک لماخلقت الافلاک** اسی حجاب کی تصدیق ہے۔

(تدبر قرآن۔مولانا امین احسن اصلاحی،تاج کمپنی، دہلی ۱۹۸۹ء ۴۲۷/۹)ان اشعار سے یہی ترشح ہوتا ہے کہ اگر فکر میں صداقت، دیانت،

نعت کی لفظیات

ڈاکٹر حافظ کرناٹکی (شیموگہ)

نعت اردو شاعری کی ایسی مقبول صنف شاعری ہے جس پر طبع آزمائی کرنا ہر شاعر باعث سعادت سمجھتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس صنف شاعری میں جدّت وندرت پیدا کرنا ممکن نہیں ہو پاتا ہے۔ کیوں کہ نعت کہنے کی روایت بہت قدیم ہے اور اس کے حدود بھی متعین ہیں ایسی صورت حال میں اپنی تخیل کی پرواز سے کام لینا کسی بھی شاعر کے لیے آسان کام نہیں ہے۔ کیوں کہ تخیل کی پرواز شاعر کو ان حدود سے ماورا کرسکتی ہے، جو ایمان وایقان کے لیے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ نعتیہ شاعری میں نت نئے تجربوں کا جوکھم نہیں اٹھاتے ہیں اور نہ خود کو آزمائش میں ڈالنے کا خطرہ مول لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نعت کی لفظیات کی کائنات بھی بہت وسیع نہیں ہے۔

اتنی بات ہم سبھی جانتے ہیں کہ جب انسان کے تجربات، مشاہدات، احساسات اور ان سب کو لفظوں کے پیکر میں ڈھالنے کے امکانات لامحدود ہوتے ہیں تو ان کے پاس لفظوں کا بھی ایک بڑا ذخیرہ ہوتا ہے اور وہ اپنی فہم وفراست اور عقل وفہم سے کام لے کر جس قدر جی چاہے زور بیان کے کرشمے دکھاتا ہے۔ اور لفظی پیکر بھی ڈھالتا ہے اور موقع ملے تو تخیل کی اونچی سے اونچی پرواز کے بھی نمونے دکھاتا ہے۔ مگر صنف نعت میں اس طرح کے مواقع بالکل ہی نہیں ملتے ہیں۔

کیوں کہ یہاں شریعت، طریقت، ایمان، عقیدے، مسلک، عابد اور معبود کی حدیں متعین ہوتی ہیں۔ اس لیے اس صنف میں وہی لوگ کچھ نیا، بہتر اور عمدہ کر پاتے ہیں جنہیں دین اسلام، ایمان، عقیدے، نبوّت، رسالت، الوہیت وغیرہ کا علم ہوتا ہے۔ اور جو اسلامی تاریخ، سیرت نبوی وغیرہ سے کماحقہ واقف ہوتے ہیں اور کسی حد تک تصوّف وغیرہ میں دلچسپی رکھتے

ہیں۔ظاہر ہے کہ مذہب میں عقل محض اور عقیدے میں اندھی جذباتیت کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے اس لیے نعت گو شعرا کو سنبھل سنبھل کر قدم آگے بڑھانا پڑتا ہے۔اس لیے ان سے بے ساختگی میں کوئی ایسا شعر، سرزد ہو بھی جائے جو شعریت کے اعتبار سے بہت ہی عمدہ، اعلیٰ اور خوب صورت ہو، مگر شریعت کے اعتبار سے درست نہ ہو تو اسے حذف کرنا پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ عام طور پر نعتیہ شاعری بہت حد تک یک رنگ اور خوش آہنگ، عقیدت خیز، رفعت انگیز، مگر جذب و کیف کے رنگ میں کم و بیش شرابور نظر آتی ہے۔

ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ دوسری اصناف شاعری کی طرح نعتیہ شاعری کو محض ایک تخلیقی صنف یا فن کے طور پر نہیں دیکھا جاتا ہے۔نعتیہ شاعری کو ہمیشہ پہلے ایمان وعقیدے اور مسلک کی درستگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔بعدازاں اس کی شعری خوبیوں پر توجہ کی جاتی ہے، اسی لیے یہاں لفظوں کا انتخاب اور اس کے برتاؤ پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے، اس کے باوجود ہم نعتیہ شاعری کی لفظیات کو غربت کا شکار قرار نہیں دے سکتے ہیں، کیوں کہ بہت سے ایسے الفاظ اور تراکیب ہیں جو محض نعتیہ شاعری کی بدولت اردو شاعری اور اردو زبان کے روزمرہ میں داخل ہوئے ہیں۔اور بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔

مثلاً؛ مولانا، سیدنا، حضرت، حضور، سردار، سید البشر، شفیع الامم، خلق عظیم، وجہ تخلیق کائنات، نوری پیکر، پیکر نور، ساقی کوثر، رحمت عالم، سایہ عرش، محبوب کبریا، محبوب خدا، محبوب زمین وزماں، محبوب کون ومکاں، شافع محشر، رحمت کا سمندر، سرور کائنات، سرور انبیا، نبیوں کے سردار، خیر البشر، خیر البریہ، خیر الوری، اور اس کے علاوہ وہ الفاظ وتراکیب جو نعت رنگ شاعری یا نعتیہ شاعری کے فیض سے اردو میں رائج ہیں۔اور جن کا تعلق براہ راست نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والا صفات سے ہے یا پھر ان مقامات مقدسہ سے جن سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا براہ راست تعلق ہے، یا پھر ان واقعات اور اخلاق حسنہ سے متعلق الفاظ جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجہ سے مسلمانوں کی تاریخ اور مذہبی

امور میں خصوصی اہمیت رکھتے ہیں اور اس کے ایمان و عقیدے کو اجالتے اور ان کے جذبات و احساسات کو روشن کرتے ہیں۔ مثلاً:

شاہ بحر و بر، شاہ کون و مکاں، شہ انبیا، شہ انس و جن، شہ دین و ایماں، شاہ بطحا، شاہ مدینہ، طیبہ نگر، وصف احمد مجتبیٰ، اوصاف مصطفیٰ، عشق رسول، حب نبی، حمیت اسلام، غیرت ایمان، حرمت رسول یار غار، نور حرا، وجہ توقیر انساں، حرا، غار حرا، غار ثور، صفا و مروہ، سات سمٰوٰت ہفت افلاک، عرش بریں، بہشت بریں، قاب و قوسین، معراج، شق القمر، جسم اطہر، پائے مبارک، زلف معنبر، آمنہ کے دلارے، عبداللہ کے لاڈلے، پیکر نور، شاہ ہدیٰ، امّی، امین، صادق وغیرہ اور پھر وہ جملے اور خوب صورت تراکیب جو دین ایمان اور سیرت النبی کی خوشبو اور محبت و عقیدت سے معطر ہیں اور جو عام طور پر دین فطرت، اسلام کی اساس سے تعلّق رکھتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعتیں لکھتے وقت کبھی پس منظر تو کبھی عقبی زمین کے طور پر تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات زندگی، اخلاق کریمانہ، صفات منصفانہ کا استعمال ہوتا ہے تو کبھی ان کے عملی کارناموں، صبر و رضا، عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ کا بھی ذکر ہوتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک کے تمام حالات و کوائف نعتیہ شاعری کا خمیر بنتے ہیں۔ اور بسا اوقات دوسرے انبیاء کرام کے صفات عالیہ کے تناظر میں حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات عالیہ کو نعت کا موضوع بنایا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نعتیہ شاعری کی زرخیزی میں اور اس کے لفظی ذخیرے میں وہی شعرا زیادہ اضافہ کر پاتے ہیں جو دین حق کی فطرت، اس کی تاریخ، اس کی روح اور سب سے بڑھ کر تخلیق کائنات کی منشا اور تعمیر کائنات کے رمز سے واقف ہوتے ہیں۔ اس طرح کا علم رکھنے والے شعرا اپنے عقیدت مندانہ تخیل کے زور پر نہ صرف یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کی سنتوں اور سیرتوں میں ان نکتوں تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں جنہیں عام لوگ سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں بلکہ ان حسیات کو بھی انگیخت کرنے کے قابل بن جاتے ہیں جو سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقصد ہوتا ہے۔

اس لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ نعت عقیدت کی بنیاد پر کہنے کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور دین اسلام کی فطرت سے واقفیت کے احساس کے ساتھ کہی جائے تاکہ اس کی تازگی وتوانائی برقرار رہے اور ایک ہی طرح کی لفظیات کے تکرار کی وجہ سے نعت جیسی دلکش ودلچسپ اور روح پرور صنف بے رس نہ ہونے پائے۔نعتیہ شاعری نے جس طرح کے الفاظ وتراکیب کو رواج عام کی شکل دی ہے اس میں اس طرح کے لفظوں اور ترکیبوں کی کثرت ہے مثلاً

نور شبیہ رسول/ جب سے نظر میں نور شبیہ رسول ہے۔ نبی کی راہ میں خار کا پھول بننا/ گلشن، ستارے، کہکشاں مہہ وماہ وگل کا نبی کے قدموں کی دھول بننا/ امت کی لغزش پہ رسالت کا ملول ہونا۔امی ہونے کے باوجود منبع علم ہونا/ عدو کو گلے لگانا/شریعت کو رائج کرنا/طریقت کا درس دینا/ نیکیوں کا نبی کی قدم بوسی کو آنا/ نیکیاں آتی ہیں آقا کی قدم بوسی کو/حسن جزا سے پہلے اذن نبی کی طلب/ چاہیے اذن نبی حسن جزا سے پہلے/ پیوند قبا کا خلعت شاہ جہانی اور جنت کے لباس سے بڑھ کر ہونا/ خلعت شاہجہانی ہو کہ جنت کا لباس/محترم کب تھے یہ پیوند قبا سے پہلے/ نبی کے قدموں پہ ارمغان جاں کا نذرانہ/کوئی طلب نہ کوئی مدعا وہاں ہوگا/قدم پہ آپ کے بس ارمغان جاں ہوگا/ آمد رسول پر عرش کا جشن منانا/ فلک کا نعت پڑھنا/ بیان سیرت شاہ ہدی جہاں ہوگا/ پڑھے گا نعت فلک جشن عرشیاں ہوگا/خدائے عز وجل کا رازداں ہونا/ ہوا کا پابوسی ضیا کے لئے چلنا/ ہوا کی زد پہ بھی چراغ حرم کا روشن رہنا/ سیاہ کملی کا سفینۂ عقبیٰ کا بادباں ہونا/ سیاہ کملی کا احساس دل میں رہنے دے/ یہی سفینۂ عقبیٰ کا بادباں ہوگا/ نبی کے فیض سے خاکداں کا روشن ہونا/ دل کا درودوں کا مسکن ہونا/گل طیبہ کی خوشبو سے روح کا معطر ہونا/نقش پائے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چومنے کی آرزو میں گھلتے رہنا/ بہ روز قیامت شفاعت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کے یقین کی شمع جلا کے رکھنا/ دشت ظلمت میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت میں نور کا ظہور ہونا/ آمد شاہ دیں کی خبر سن کر مکہ اور مدینے کی گلیوں کا مسکرانا/ مکہ اور مدینہ کی مٹی کو کیمیا اور ہوا کو اکسیر سے تعبیر کرنا/ آقا کے پسینے سے فضاؤں کا مہکنا/ روضے کی جالی سے نور کا چھننا/ طیبہ کے کنکر کا گوہر نظر آنا/ مدینے کی گلیوں کے پتھروں کا گل تر معلوم ہونا/ نام محمد کے زباں پر آتے ہی فردوس کی خوشبو کا بکھر جانا/ نور کے پیکر کا فلک کی راہ سے نقوش پا کے صدقے میں طیبہ کی گلیوں کا کہکشاں نظر آنا/ گنبد خضرا کے خنک چھاؤں میں آرام پانا/ نبی کی آواز کا صوت ہادی کی طرح دلوں میں اتر جانا/ قرآن کا نسخہ کیمیا بن کر نبی کے ہاتھوں امت تک پہنچنا۔

یہ ایسے الفاظ و تراکیب جملے، محاورے اور عقیدت مندانہ نعت رنگ لفظی اور شعری ٹکڑے ہیں۔ جن سے نعت کی لفظیات کی کائنات نور و نکہت سے روشن و معطر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تو محض مثال کے لیے چند نمونے ہیں، ہم چاہیں تو اس طرح کے لفظوں، تراکیبوں کی ایک قابل قدر لغت تیار کر سکتے ہیں اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اردو شعر و ادب کو یہ سب نعت ہی کی دین ہے۔

اگر اردو زبان و ادب میں نعتیں کہنے کی روایت مستحکم نہ ہوتی اور لوگ نعتیں کہنے کے معاملے میں بخالت سے کام لیتے یا اپنی مذہب بیزاری کا ثبوت پیش کرتے ہوئے محض واعظ اور شیخ کا مذاق اڑاتے رہ جاتے تو اردو زبان و ادب کو خوب صورت، روشن مقدس، اور دلی جذبات و احساسات کی آگ سے دہکتے، اور جذبے کی صداقت سے مہکتے ان الفاظ و تراکیب کا خزانہ کبھی نہیں مل پاتا۔ اس لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ نعتیں کہنے والے لوگوں کا بھی ادبی قدر و قیمت کے تناظر میں مقام متعین کیا جائے اور اس کے شاعرانہ اور فنکارانہ کمالات کا اعتراف کیا جائے۔ نیز انھوں نے تخلیقی سطح پر جو کچھ اردو زبان و ادب کو دیا ہے اس کا ایمانداری سے جائزہ لیا جائے۔ تاکہ نعت بہ حیثیت ایک منفرد صنف شاعری کے اپنی مستحکم شناخت بنا سکے۔

ہم جانتے ہیں کہ اردو کے کم و بیش تمام شعرا نے نعتیں کہی ہیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکا ہے اس صنف شاعری کو مقبولیت عطا کرنے اور اپنی سعادت مندی کا ثبوت فراہم کرنے میں

کبھی کوتاہی نہیں کی ہے۔ یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ اردو شاعری کا فارسی شاعری سے براہ راست رشتہ ہے، یہی وجہ ہے کہ حافظ، رومی، اور سعدی کی روایت نے نہ صرف یہ کہ اردو کی عام شاعری کو اجالنے میں اہم رول ادا کیا بلکہ نعتیہ شاعری کے لحن کو توانائی بخشنے میں بھی خصوصی کردار نبھایا ہے۔ اردو کے ہندو مسلم سکھ عیسائی سبھی شعرا نے خوب خوب نعتیں کہی ہیں۔

یہاں پر اس کا موقع نہیں ہے کہ حضرت امیر خسرو سے لے کر میر و غالب اور حالی و اقبال سے لے کر جوش و محروم تک اور اس کے بعد کے شعرا کے یہاں سے نعتیہ اشعار کی مثالیں پیش کی جائیں۔ اس کے باوجود یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ نئے عہد کے چند شعرا کے یہاں سے کچھ نعتیہ اشعار بطور مثال پیش کیے جائیں تا کہ یہ اندازہ ہو سکے کہ اس وقت بھی نعتیہ شاعری کے تسلسل میں کسی طرح کی رکاوٹ واقع نہیں ہوئی ہے۔

یہاں اس بات کی بھی وضاحت کرتا چلوں کہ عام طور پر انہیں شعرا کے یہاں سے مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جن کے یہاں حد سے زیادہ غلو نہیں ہے۔ یعنی عابد و معبود کے درمیان والا فاصلہ اور خالق و مخلوق والا رشتہ ملحوظ ہے۔ نہیں تو اردو میں ایسے شعرا کی کوئی کمی نہیں ہے جو نبی اور رسول اور خدا سب کو ایک ہی طرح کی صفات سے متصف کر دیتے ہیں۔ اور ایمان وایقان کو آزمائش میں ڈال دیتے ہیں۔

بہر حال آیئے چند نعتیہ اشعار دیکھیں اور اندازہ لگائیں کہ یہ شعرا حضرات کس توازن کے ساتھ نعت رنگ شعر کہہ رہے ہیں۔ اور تجدید ایمان وایقان کی دعوت دے رہے ہیں، نیز یہ بھی دیکھتے چلیں کہ یہ حضرات کس طرح کی لفظیات کا استعمال کرتے ہیں۔ اور نعتیہ شاعری کے لفظی ذخیرے میں کس حد تک اضافہ کرنے کی سعی مستحسن میں لگے ہوئے ہیں۔

اس راستے میں عرش کا زینہ بھی آئے گا
یعنی نبی کا شہر مدینہ بھی آئے گا
انگشتری ارض کی زینت بنا ہوا
پر نور سبز رنگ نگینہ بھی آئے گا
انجمؔ عرفانی

لمبی پلکیں اور سرخی مائل رخسار
گیتوں جیسی آہٹ نغمہ سی رفتار
تن کے اوپر سادے سے سادہ جامہ
سر کے اوپر روشنیوں کا عمامہ
واحد سحری

ہے ان کے ذکر سے لرزاں وجود تیرہ شبی
نبی کے نام سے دیوار و در چمکنے لگے
ایس بوظفر

وہی یعنی خورشید دین مبیں
امام جہاں سید المرسلیں
وہ محبوب داور جمیل الشیم
وہی یعنی سردار خیرالامم
متین طارق باغپتی

ادا وہ آپ کے در پر ہی ہوگا
ہمارے سر جو سجدہ مانگتے ہیں

کھنڈر مخمور اپنی بستیوں کے
نمود شہر فردا مانگتے ہیں

مخمور عیدی

گناہ گار کا سر ہے گناہ گار کا سر
اسے حضور کی رحل قدم پر رہنے دو
جب ان کی نعت پڑھوں گا نفس نفس قسمت
تو پھر کہوں گا مجھے اپنے دم پر رہنے دو

مولانا قسمت

زباں پہ ذکر نبی منور نظر میں رحمت مدام روشن
شہ زماں کی تجلیوں سے زمیں پہ چرخ دوام روشن
خدا نے نور محمدی کے طفیل سارا جہاں بنایا
وہ انبیا کی صفوں میں اوّل انہیں پر ہے اختتام روشن

خورشید اکبر

مصطفیٰ محبوب سبحانی ہے تو
کبریا کی طرح لا ثانی ہے تو
عارف حق تا بہ حد معرفت
واقف اسرار یزدانی ہے تو

حیات لکھنوی

ہے عرش بریں تیرے لیے صاحب لولاک
قرآن تری عظمت کا ہی اظہار کرے ہے
عرفان نظر تم سے ملا احمد بے میم
کثرت اسی وحدت کی ہی تکرار کرے ہے

جاوید وششٹ

اس کے ذرات ہیں نازش کہکشاں
مصطفیٰ کا جہاں نقش پا مل گیا
اس کی ٹھوکر میں ہے سطوت قیصری
جس کو احسن در مصطفیٰ مل گیا

احسن

وہ زرّۂ ناچیز کو خورشید بنا دیں
یہ فیض تو آقا کا مرے عام بہت ہے
جو ساقی کوثر سے ملے مجھ کو ذراسی
وہ میرے لیے دردِ تہہ جام بہت ہے

متینؔ امروہوی

برکات دیکھے تو رسالت مآب کی
عالم میں روشنی ہے مسلسل جناب کی
خاک حجاز سر چشم عظیم ہو
تعبیر خوشگوار ملے ایسے خواب کی

عمران عظیم

ظاہر ہے کہ ان شعرا کے نعتیہ اشعار کے دیکھنے سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ نعتیں کہنے میں لوگوں نے کسی طرح کی بیجا پابندیوں کا خیال نہیں رکھا ہے۔اور جہاں تک ممکن ہوسکا ہے عشق رسول کے اظہار میں ہر طرح کی آزادی سے کام لیا ہے، غالبًا نعتیں کہنے والے شعرا بھی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ عشق اور جنگ میں سب جائز ہے۔

اب اس عہد کے ایک اہم اور پھیلے ہوئے نعت گو شاعر جناب ابرارؔ کرت پوری

کے کچھ اشعار دیکھے ان کے اشعار کے دیکھنے سے یہ بھی اندازہ ہو جائے گا کہ دراصل نعت کہنے میں بھی توازن رکھنا بہت ضروری ہے۔ ابرار صاحب کی نعتوں میں کہیں بھی عدم توازن کا احساس پیدا نہیں ہوتا ہے، یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

دین فطرت کی انساں نے پائی ضیا گمرہوں کو ملی منزل ارتقا
سروریں سا بخشا گیا رہ نما ربنا ربنا آفریں آفریں

ہم کو رحمت سے ملے گی منزل
دور تک نقش قدم آپ کے ہیں

بندے کی التماس مؤدب قبول کر
شہر نبی میں حاضری یا رب قبول کر

جتنی دعائیں خدمت عالی میں پیش ہیں
میں چاہتا ہوں رب علیٰ سب قبول کر
رب کے حبیب کو ملا مرتبۂ جلال نور
آپ کی ذات پاک ہے ہستی بے مثال نور

تاکراں درس جو آقا کے چمکتے جائیں
پھول صحراؤں میں ایماں کے مہکتے جائیں

پاک قرآن ہے معیار رسولِ عربی
مثل آئینہ ہے کردار رسولِ عربی

شرح کتاب صدق ہے سیرت رسولِ کی
لکھی ہے آب زر سے فضیلت کی

سرکار دو عالم کی یہ شفقت کا اثر ہے
ہر لمحہ مری قبّہ خضریٰ پہ نظر ہے

آتی ہے ہر ایک حرف سے رحمٰن کی خوشبو
سرکار کی باتوں میں ہے قرآن کی خوشبو

ابرار کرت پوری صاحب کی نعتوں میں کسی طرح کی افراط وتفریط نہیں پائی جاتی ہے۔ وہ چوں کہ دین فطرت اسلام کا بہترین علم رکھتے ہیں اس لیے شریعت وطریقت سے بھی وہ خوب واقف ہیں،سوان کی نعتیں کسی بھی موحد کے لیے آزمائش نہیں بنتی ہیں۔ میں نے بھی نعتیہ شاعری میں طالب علمانہ کوششیں کی ہیں اور جہاں تک ممکن ہوسکا ہے نعتیہ شاعری کے حدود کا خیال رکھا ہے۔ چند اشعار پیش کرنے کی جسارت کررہا ہوں۔

کہاں مجھ میں یارا نبی جی پہ لکھوں
شہ بحر و بر کی بزرگی پہ لکھوں

وہ ہستی ہے اعلیٰ میں عاجز بیاں ہوں
وہ کامل حقیقت میں ناقص زباں ہوں

رسالت کے آداب ملحوظ رکھوں
تواضع سے ہر ایک ملفوظ لکھوں

حیات نبی ﷺ نوک خامہ پہ آئے
قلم ذکر احمد ﷺ سے اب جگمگائے

نبی ﷺ کی فضیلت کا ہے ترجماں
جو اترا ہے ان پروہ قرآن ہے

ہو دل میں لگن تو ملے گا نہ کیوں
محمد ﷺ کے ذریعے خدا کا پتہ

شاعری چاہے کسی بھی قسم کی ہو اس کا اعجاز یہ ہوتا ہے کہ وہ اشارے کنائے میں ساری باتیں نہایت موثر انداز میں بیان کر دیتی ہے۔ ایک بار کسی نے شیفتہؔ کے سامنے میر انیس کا مصرعہ ''آج شبیر پر کیا عالم تنہائی ہے'' پڑھا تو وہ تڑپ اٹھے اور کہا کہ انیس نے بیکار اتنے سارے مرثیے لکھے۔ ان کا سارا مرثیہ تو اسی ایک مصرعہ میں ضم ہو کر رہ گیا ہے۔

یہی بات شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے اس مصرعے

''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ یہ مصرعہ نعتیہ شاعری کی کلید ہے۔ تا قیامت جتنی بھی نعتیں کہی جائیں گی اس کا خلاصہ ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' ہی ہوگا۔ اور جو لوگ ان حدود سے نکل جائیں گے ظاہر ہے کہ وہ نعتیہ شاعری کی حقیقی روح اور اس کے حدود سے ہی نہیں ایمان کامل کے حدود سے بھی تجاوز کر جائیں گے اس لیے اگر اس ایک مصرعہ کو نعتیہ شاعری کی کلید مان لی جائے تو یہ شاعری ہر طرح کی افراط و تفریط سے محفوظ و

مامون رہے گی۔اور عابد ومعبود کے حقیقی تناظر میں ایمان وایقان کی تجدید کا فریضہ بھی ادا کر پائے گی۔لیکن یہ تو صرف ایک خواہش ہے، حقیقت تو اس کے برعکس ہے کیوں کہ ہمارے بیشتر شعرائے کرام تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر ہی ماننے کو تیار نہیں ہیں جبکہ قرآن نے بہ صراحت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بشر ہونے کی تائید وتاکید کی ہے۔

''تو کہا اس کی قوم کے سرداروں نے جنھوں نے اس کی دعوت ماننے سے انکار کیا تھا ہماری نظر میں تو تم (اے نوح) اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہماری طرح بشر ہو'' (سورہ ہود ۲۷)

لوگوں کے سامنے جب کبھی ہدایت آئی تو اس پر ایمان لانے سے ان کو صرف اس بات نے روکا کہ کیا اللہ نے بشر کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔(سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۱)

غرض یہ کہ کافر نبی کو صرف اس لیے نبی ماننے کو تیار نہ تھے کہ وہ بشر تھے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔**وما ارسلنا من قبلك اِلّا رجالًا نوحی الیھم من اھل القریٰ۔**

(سورہ یوسف آیت ۱۰۹)

(اے محمد) تم سے پہلے ہم نے جو بھی پیغمبر بھیجے وہ سب بھی انسان ہی تھے اور انہیں بستیوں کے رہنے والے تھے۔

معلوم یہ ہوا کہ تمام انبیاء کرام بشر تھے اور بشری خوبیوں سے معمور تھے۔ایک غلط تصوّر نعت خواں حضرات نے یہ پیدا کیا ہے کہ نبی معجزہ دکھانے کا اختیار رکھتے تھے۔یا یہ کہ ان میں بذات خود یہ طاقت تھی کہ وہ کوئی بھی معجزہ دکھاتے تھے۔حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ اختیار صرف اللہ کو ہے چنانچہ فرمان الٰہی ہے۔

وما کان لرسول ان یّاتی بِایۃِ الّا باذن اللّٰہ (سورہ رعد آیت ۳۸)

اور کسی رسول کو بھی یہ طاقت نہ تھی کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نشانی لا کر دکھا دیتا۔

معلوم یہ ہوا کہ نبی کو فوق الفطری اختیارات حاصل نہیں تھے۔وہ خدا نہیں ہوتے تھے اور نہ ان میں خدائی صفات پائے جاتے تھے اس لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ کوئی بھی شاعر اپنی نعتوں میں نبی

اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بشری صفات سے ماورا قرار دے اور خدائی صفات کا حامل بنا کر پیش کرے۔ تصوّر رسالت اور نعت کی لفظیات کے تعین کے سلسلے میں خود حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی احادیث سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ چند احادیث دیکھئے۔

(۱) عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ مبالغہ آرائی کے ساتھ بڑھا چڑھا کر میری ثنا خوانی نہ کرو، جیسا کہ عیسائیوں نے ابن مریم کی بڑھا چڑھا کر تعریفیں کیں۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، پس اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو (متفق علیہ)

(۲) حضرت ان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے آپ کو خیر البریہ کہہ کر خطاب کیا یعنی مخلوقات میں سب سے بہتر تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ابرہیم علیہ السلام ہیں (مسلم)

(۳) عبداللہ الشخیر کے بیٹے مطرف سے روایت ہے کہ میں بنی عاد کے وفد میں شامل ہوکر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہم لوگوں نے عرض کیا آپ ہمارے (سید یعنی سردار ہیں) آپ نے فرمایا سید تو اللہ تعالیٰ ہے تب ہم لوگوں نے عرض کیا آپ ہمارے سب سے زیادہ فضیلت وعظمت رکھنے والے ہیں۔ فرمایا کہہ لو اپنی بات یا اپنی کچھ بات مگر شیطان تم کو ہرگز جری نہ بنا دے (احمد ابو داؤد) ذرا غور کیجئے کہ جو نبی خود کو سید، خیر البریہ، اور مخلوقات میں سب سے بہتر کہلوانا بھی پسند نہیں فرماتے ہیں اسے ان سے محبت کا دعوا کرنے والے خدا بنانے سے بھی گریز نہیں کرتے ہیں۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں گالم گلوج ہونے لگی اسی دوران مسلمان نے کہا قسم اس ذات کی جس نے محمد کو تمام جہانوں پر برگزیدہ کیا۔ یہودی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام جہانوں پر برگزیدہ کیا، اس پر مسلمان نے طیش میں آکر اس یہودی پر ہاتھ اٹھا دیا۔

یہودی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور سارا ماجرا بیان کیا تو حضور نے مسلمان کو بلایا اور اس سے تمام بات معلوم کی تب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح مت دو کیوں کہ قیامت کے دن تمام لوگ بے ہوش ہوجائیں گے تو ان کے ساتھ میں بھی بے ہوش ہوجاؤں گا۔

سب سے پہلے مجھے افاقہ ہوگا۔ میں اچانک دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا کنارہ پکڑے ہوئے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم وہ بے ہوش ہونیوالوں میں ہوں گے اور انہیں مجھ سے پہلے ہوش آئے گا یا وہ ان لوگوں میں ہوں گے جن کو اللہ نے بے ہوشی سے مستثنٰی کردیا ہے (متفق علیہ) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندہ کے لیے مناسب نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس سے بہتر ہوں (متفق علیہ)

ان احادیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور کو دوسرے انبیاء کرام کے احترام کا کتنا خیال تھا۔ مگر ہمارے بیشتر نعت گوشعرا جب تک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبیوں کے سردار، امام الانبیا، وغیرہ نہیں کہہ لیں انہیں سکون ہی نہیں ملتا ہے۔

بسا اوقات تو وہ دوسرے انبیاء کرام کو کم کر کے دکھانے سے بھی باز نہیں آتے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ کہ نعتیں کہتے وقت جوش عشق کے ساتھ ساتھ ہوش وخرد اور ایمان وایقان کے حقیقی تصور کا بھی خیال رکھنا چاہیے تا کہ نعتیہ شاعری پر کسی طرح کا اعتراز نہ کیا جاسکے۔ اور اسے دوسری اصناف شاعری کی بہ نسبت زیادہ مطہر اور پاکیزہ سمجھا جائے۔

نعت کی لفظیات سے متعلق ان تمام باتوں سے کسی نہ کسی حد تک یہ واضح ہوجاتا ہے کہ نعت کی لفظیات سے معطر اردو شاعری کا خزانہ نعت گوشعرا کے تخلیقی وفور اور عشق نبی کے حقیقی شعور کی وجہ سے دن بہ دن ثروت مند ہوتا جارہا ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ لوگ اب نعتیہ شاعری اور نعت رنگ الفاظ کو ہر طرح کے ذہنی تحفظات سے آزاد ہو کر دیکھیں۔ اور اس کا مطالعہ ادبی شرائط کی روشنی میں کریں۔ اس طرح نعتیہ شاعری اور نعت گوشعرا دونوں کا

حق بہ آسانی ادا کیا جا سکے گا۔

○○○

نعتیہ کلام میں غُلو کی حقیقت

ڈاکٹر راہی فدائی (بنگلور)

نعتیہ کلام اس شعری تخلیق کو کہا جاتا ہے جس میں رسول اکرم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی منور ذات ومقدس صفات کی تعریف وتوصیف کی گئی ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق و منسوب آثار واحوال اور اقدار وافکار کی مدح وثناء کا بیان موجود ہو، نعتیہ کلام کسی بھی صنف سخن اور کسی بھی ہیئت شعری میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس کی فنی وسعت اور فکری آفاقیت کی دلیل ہے مگر نعت گوشعراء نے نعت شریف میں مضامین نو بہ نو باندھتے ہوئے ہمیشہ حزم واحتیاط کو ملحوظ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرفیؔ جیسے قادرالکلام سخنور کو کہنا پڑا۔ ؎

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا　　آہستہ کہ رہ بہ دم تیغ است قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن　　مدحِ شہ کونین علیہ وسلم و مدیحِ کے وجم را

یعنی اے عرفیؔ، عجلت نہ دکھا، یہ نعت کی راہ ہے کوئی صحرا نہیں ہے کہ جدھر چاہے جیسے چاہے چلا جائے، آہستہ چل کیونکہ تیرے قدم تلوار کی دھار پر ہیں، اس بات سے آگاہ ہو جاؤ کہ شاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا خوانی اور بادشاہانِ ایران وروم کی مدح سرائی ایک ہی سُر میں نہیں کی جاسکتی۔

اس حقیقت کے باوجود قدیم وجدید سیکڑوں شعرائے کرام نے اپنے نعتیہ کلام کو ایسے بلند وبالا تصور اور ایسے ارفع واعلیٰ تخیل سے زینت بخشی ہے کہ شعروادب کے بہت سے عالموں اور زبان کے کئی ماہروں نے ان اشعار کو پڑھ کر یہ فتویٰ دے دیا کہ ان میں ''غلو'' کارفرما ہے جس سے احتراز کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ ''غلو'' کیا ہے، اس پر ہم روشنی ڈالیں گے تاکہ کوئی تردد باقی نہ رہے۔ لفظ غلو عربی ہے جس کے لغوی معنی زیادتی وبلندی اور حد سے گزرنے اور مبالغہ کرنے کے

ہیں۔فنِ معانی کی اصطلاح میں اپنے ممدوح کی تعریف میں ایسا مبالغہ کرنا جو عقل و عادت دونوں لحاظ سے ناممکن و محال ہو،غلو کہلاتا ہے۔اگر نعت پر مکالمہ قائم کرتے ہوئے ''غلو'' سے مراد ''مبالغۂ اغراق'' لیا جاتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کی تعریف ایسی کی جائے جو عقلاً تو ممکن ہو مگر عادتاً ناممکن ہو۔

۲؎یہاں یہ اشکال بے محل نہ ہوگا کہ نعت شریف میں وہ کون سا احتمال پیدا ہوا کہ جس کے تحت غلو کے عمل دخل کو یکسر مسترد کیا جانے لگا،اس کے جواب میں بالعموم یہ کہا جاتا ہے کہ نعتیہ کلام میں غلو در آئے گا تو اس کی رسائی ''شرک'' تک ہو جائے گی،اس کا مطلب یہ ہوا کہ نعت گو شاعر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا کرتے ہوئے ''غلو'' کا شکار ہو جائے گا تو وہ حضور اکرم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو ''رسالت'' کی حدود سے آگے بڑھا کر اللہ تعالیٰ کی ''اُلوہیت'' کے مرتبہ میں پہنچا دے گا اور اس طرح کا عمل شرک ہے، یہ شرک اس کے ایمان کو برباد کرنے کے لئے کافی ہوگا۔

اسی لئے ''غلو'' سے شدت سے پرہیز کرنا لازمی ہے، اس موقع پر ''شرک'' کی وضاحت کرتے چلیں۔''شرک'' کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفاتِ مختصہ میں غیر اللہ کو شریک کرنا۔بقول مشہور صوفی حضرت شاہ عبدالحی احقر بنگلوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی 1301ھ)

ذات حق میں شرک مت کر اے پسر　　اس کونین فرزند و زن مادر پدر
جو صفات خاص ہیں اللہ کے　　غیر میں ان کو نہ ثابت کیجئے

صوفیائے کرام کے نزدیک شرک کی دو قسمیں ہیں۔ایک شرک جلی اور دوسری خفی۔۳؎ ان دو قسموں کی تعریف کرتے ہوئے قطب میسور حضرت مولانا سید شاہ میر حیات میسوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1281ھ) نے فرمایا ''شرک جلی وہ ہے کہ ثابت کرنا ہے شریک کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ صفت میں معبودیت کے، شرک خفی وہ ہے کہ اثبات شریک کا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ صفت میں موجودیت کے''۴؎ یعنی خدائے تعالیٰ کے ساتھ ''معبویت'' کی صفت میں کسی بھی مخلوق کو شریک

کریں تو وہ شرک جلی ہے اور خدائے بزرگ و برتر کے ساتھ ''موجودیت'' کی صفت میں غیر اللہ کی شرکت کو ثابت کریں تو وہ شرک خفی کہلائے گا۔

''شرک'' کی اس توضیح کے بعد یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ جملہ اولیائے کرام اور تمام بزرگانِ دین حد درجہ متبع سنت تھے اور شریعت مطہرہ کی پیروی میں کسی بھی صورت تساہل کیش نہیں تھے۔ کفر و شرک کی کیا حقیقت ہے، بدعات و خرافات کو تک وہ برداشت نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی بیخ کنی میں سرگرم عمل تھے۔ یہی سبب ہے کہ ان صوفی شعرا کے اشعار میں خصوصاً ان کے نعتیہ کلام میں دین و شرع کا بڑا لحاظ و پاس نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر جامیٔ دکن حضرت شاہ کمالؔ (متوفی 1224ھ) کے درج ذیل شعر ملاحظہ ہوں۔

شریعت را مقدم دار اکنوں طریقت از شریعت نیست بیروں[۵]
(یعنی شریعت کو مقدم اب رکھو کیونکہ طریقت شریعت سے خارج نہیں ہے بلکہ اسی میں داخل ہے)

صوفیہ کا یاد رکھ قاعدۂ کلیہ خلق نہ ہو جائے حق، عبد نہ ہو جائے رب[۶]

استقامت بشرع مصطفوی ﷺ ہے کرامت بزرگ، کشف کلاں[۷]

بے تفقہ جسے تصوف ہے وہ تصوف نہیں تصلّف ہے[۸]

شریعتِ مطہرہ کو ملحوظ رکھنے کے باوجود حضرت شاہ کمالؔ کے بعض نعتیہ اشعار بظاہر ان کے دعوے کے برعکس معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ درجِ ذیل اشعار ہیں۔

کنم در خفی عبد، اللہ نما دہم ''کن فکاں'' یا رسولِ خدا[۹]
یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مرتبۂ مخفی میں خدا نما بندہ ہوں، مجھے آپ مقام ''کن فکاں'' عطا فرمائیے۔

تری وجہ خاص یگانگی کا شکرفِ مدح و ثنا کہا جو خدائے جل جلالہ انا انت، انت انا کہا
تو بدونِ میم وسوائے عین ہے احمد و عرب اے نبی
ہے بلائے شرک میں مبتلا جو خدا سے تجھ کو جدا کہا[۱۰]

پر تو نیرِ جلالِ احد نور احمد کی تاب میں دیکھا[۱۱]
عبدہٗ اور وحدہٗ کے اعتبار غیرحق اور عین ہیں حضرت رسول ﷺ[۱۲]

اسی طرح سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۸۲۵ھ) کے فارسی مکتوب کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیں جس میں آپ نے شریعت مطہرہ کی پابندی پر کس قدر تاکید فرمائی:

''اے عزیز! اب سچے طالب نظر نہیں آتے اور مجاہدہ و ریاضت اور موجباتِ دینداری باقی نہ رہی، زمانہ خراب ہے، حقیقت کو جاننے والے نہیں رہے، ''اتحاد'' جس کو صوفی ذکر کیا کرتے ہیں، یہ نہیں ہے کہ دو وجود ایک ہو جائیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ، یا یہ کہ سالک ہلاک وفنا ہو جاتا ہے بمصداق "**کل شیء هالك الا وجهه**" محمد حسینی بھی اسی خیال میں تھا مگر جب حقیقت ظاہر ہوئی تو پردہ اٹھ گیا، شریعت غرّا کو جسے صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اتنی محنت ومشقت سے رائج کیا تھا، ایسے کلمات سے حک (کھر یچنا) نہ کرنا چاہئے، یہ مناسب نہیں **اللهم الهمنا رشدنا وارزقنا اتباع حبيبك و نبيك و صفيك برحمتك يا ارحم الراحمين،** آمین اتباع سنت ہی میں سلامتی ہے، ہاں! مگر عشق یہ ایک دوسری شئ ہے۔[۱۳]

مذکورہ بالا مکتوب کے مشتملات سے واقفیت کے بعد حضرت گیسو دراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مندرجہ ذیل اشعار پر نظر ڈالیں تو بظاہر دونوں میں موجود فرق سے یقیناً حیرانی ہوگی۔

پانی میں نمک ڈال نمک دیک، ناد سے جب گھل گیا نمک تو نمک بولنا کسے
یوں کھوئی خودی اپنی خد سات محمد ﷺ جب گھل گئی خدی تو خدا بن نہ کوے دسے

اے محمد ﷺ ہجلو جم جم چلو تیرا ذات تجلی ہوے گی سیں پسورنہ تیرا
واحد اپی آپ تھا سیں آپ نچھایا پرکٹ چلوے کارنے الف میم ہو آیا

الف اللہ اس کا دستا میانے محمد ﷺ ہوکر بستا[۱۴]

اوپر ذکر کردہ مثالیں نعتیہ کلام کی تھیں جنہیں پڑھتے ہوئے غلو کا شدید احساس ہوتا ہے، حالانکہ ان صوفیائے صافیہ کے یہاں حقیقی تضاد نہیں تھا اور نہ ہی وہ بزرگ دورخی بات کرنے کو روا سمجھتے تھے، پھر تو اس مسئلہ کو حل کرنے اور اس الجھن کو دور کرنے کے لئے ان صوفیا کے بعض اصلاحات سے کماحقہٗ واقفیت کے بغیر مفر نہیں ہے۔ چنانچہ یہاں دکن کے بلند پایہ صوفی حضرت سید شاہ محمد حسینی شہہ میر اولیا رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۸۶ھ) کی تحریروں سے چند اقتباسات پیش کئے جارہے ہیں تاکہ ان اہل اللہ کے مزاج ومنہاج کو سمجھا جاسکے۔ آپ رقمطراز ہیں:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا نور کہا سو ظہور کے معنی سے یعنی میرا ظہور نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے (ہوا پھر اس نور سے) عالم ارواح، عالم مثال اور عالم شہادت پیدا کیا یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات نور محمدی...... سے ظاہر ہوئی اور نور محمد ارواح کے بھیس سے (ظاہر ہوئی) **انا من نور اللّٰہ و کل شئ من نوری** (یعنی میں اللہ کے نور سے ہوں اور ہر چیز میرے نور سے پیدا کی گئی ہے۔''

آپ نور سوں احمد کیا نور محمد ﷺ سب جہاں سب ذات اس کی بھر رہی یاں غیر کو جا گہ کہاں[۱۵]

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوائے صفاتِ مختصہ الوہیت کے اور (دیگر) صفات الٰہی کے اکمل، جامع اور اتم مظہر ہیں، اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مظہر اتم اور مظہر اکمل ہیں۔''

''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر''[۱۶]

''خدا کی صفت ''اُلوہیت'' اور ''رَبوبیت'' ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ''عبودیت'' اور ''رسولیت'' ہے کہ 'عبدہٗ ورسولہٗ' اس کا شاہد ہے۔ عبد کا معنی بندہ یعنی قائم بخدا کہ اس کا وجود اور بود سب خدا کا ہے، اس کا نہیں اور (وہ) خدا سے ہے خود سے نہیں، فانی بخود باقی بحق، رسول کا معنی ذات کی خبر کائنات کو پہنچانے والا اور کائنات کو ذات سے ملانے والا۔ اے

عزیز، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد کہہ کر خود کی طرح مت سمجھ اور مت اعتقاد کر، اگر (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) عبد ہیں (اپنی) ذات کی نسبت سے، تیری نسبت سے رب (یعنی مربی) ہیں......شاہد ہو کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خیر البشر اور ابوالارواح ہیں۔ پس آدم اور بنی آدم فرزندانِ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں یعنی نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے۔'' ۷۱

ان تشریحات کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا مظہر اتم و اکمل جانیں اور آپ کے صفات عالیہ کے کمال اعجاز پر غور کریں اور اللہ تعالیٰ کے فرمان **"من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ"** (سورۂ نساء آیت-۸۰) یعنی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے بالتحقیق اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، کی حقیقت کو سمجھے اور پھر صوفی شعراء کے کلام کا جائزہ لیں تو ان کے اشعار میں ''غلو'' کی موجودگی کا الزام بے بنیاد ثابت ہوتا ہے اور ان میں شرک کی بو باس اور غیر شرعی ہونے کا احساس یک سر ختم ہو جاتا ہے۔

غلو یا مبالغہ کے سلسلے میں ایک اہم بات عرض کرنی یہ ہے کہ جس مقدس و منور شخصیت کی تعریف و توصیف میں غلو یعنی حد سے تجاوز کرنے کا جو خدشہ ظاہر کیا جاتا ہے، اس کی ذات اقدس کی شانِ رفعت و شوکت رسالت کے حدود کون جانے؟ اگر کوئی نعوذ باللہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ کمال بلندیٔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حقیقت محمدی کا واقف کار ہے تو وہ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹا ہے۔

یہ اس لئے کہ وہی شخص اس طرح کی بیہودہ گوئی کر سکتا ہے جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے نعوذ باللہ خود کو بلند و برتر سمجھتا ہے۔ وہ تو صاحب ایمان تو کجا انسان کہلانے کا بھی مستحق نہیں ہے، وہ ذاتِ انور جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی مہمان نوازی سے سرفراز فرمایا ہو، اپنے دیدار سے مشرف کیا ہو اور وہ جس کی شان میں **"ورفعنا لک ذکرک"** مژدہ سنایا گیا ہو، جسے **"وما رمیت اذ رمیت ولکن اللّٰہ رمی"** (سورۂ انفال، آیت-۱۷) کی نسبت خاص عطا فرمائی ہو

اور "**ان الـذین یبایعونك انما یبایعون الله**" (سورۂ فتح،ایت-۱۰) کی نوری سند بخشی ہو، اس کی ہمسری کا دعویٰ عزازیل بھی کرنے سے قاصر ہے، اس صورت میں کس کی جرأت ہوسکتی ہے کہ یہ کہے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبۂ رسالت کی حد یہاں ختم ہوتی ہے اور اس کے بعد خدائے عزوجل کی الوہیت کی شروعات ہورہی ہے۔

جب تمام مخلوق اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ سے کماحقہٗ واقف نہیں ہے تو کیونکر یہ دعویٰ صحیح ہوگا کہ رسالت کے حدود سے تجاوز کرکے الوہیت کی حد میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف داخل ہوگئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ مشہور زمانہ شہرۂ آفاق نعتیہ قصیدۂ بردہ کے تخلیق کار حضرت شیخ شرف الدین محمد بن سعید بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۶۹۴ھ) نے صاف صاف کہہ دیا۔ ؂

احی الوریٰ فهم معناه فلیس یریٰ — فی القرب والبعد فیه غیر منفحم

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقیقت کو سمجھنے سے عالم قاصر وعاجز ہے کہ کوئی بھی شخص بلحاظ منزلت نزدیک ہو یا دور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقیقت الذات کے متعلق کچھ کہہ سکے۔

کاشمس تظهر للعنین من بعد — صغیرة و تکل الطرف من امم

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مثال بلاتشبیہ آفتاب کی سی ہے کہ وہ دور سے آنکھوں کو چھوٹا دکھائی دیتا ہے اور نزدیک سے دیکھیں تو بینائی سے محروم ہوجاتی ہے (غرض یہ کہ کسی بھی حال میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقیقت کا ادراک ممکن نہیں)

وکیف یـدرك فی الـدنیـا حقیقته — قـوم نیـام تسلّـو عـنـه بـالحلم

یعنی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی حقیقت کا ادراک دنیا میں کیسے ممکن ہو کیوں کہ لوگ نیند میں ڈوبے ہوئے ہیں اور وہ اپنے خوابوں سے خوش ہیں کہ جو کچھ خواب میں نظر آرہا ہے وہی سب کچھ ہے۔ ؂

فمبلغ العلم فیه انه بشر — وانه خیر خلق الله کلهم[۱۸]

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ہماری معلومات کی انتہا یہی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر ہیں اور تمام مخلوقات سے بہتر ہیں (اس سے آگے ہماری جانکاری صفر ہے)

صوفی شعراء کے نعتیہ کلام کے علاوہ عام طور پر جن شعراء کی نعتوں میں غلو اور مبالغہ نظر آتا ہے وہ ''مبالغۂ اغراق'' ہے جس میں پیش آمدہ تعریف ایسی ہوتی ہے کہ خارج میں اس کی تطبیق عقلاً ممکن مگر عادتاً ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ اس طرح کے غلو سے مملو قدیم و جدید نعتیہ اشعار سیکڑوں بلکہ ہزاروں میں ہیں، یہاں بطور نمونہ چند شعر پیش کئے جارہے ہیں جن سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوگا کہ غلو کی شمولیت نے شعر کے فنی جمالیات ہی نہیں بلکہ فکری محاسن کو بھی کس قدر بامِ عروج پر پہنچادیا۔

کونا کے باجے باجن لاگے انگیا میں ٹھاری لجاؤں
ان کے نام کی آسا لگی ہے جن کا محمد ﷺ ناؤں

(شیخ بہاءالدین باجنؔ متوفی ٩١٢ھ، م ١٥٠٦ء)

اپنے پیا مرتن من واروں سو تھوڑا رے ندیا کنارے مورلا بولے میں جانوں پیا مورا رے[١٩]
پیونہ ملی چاوکر جیو کیوں بھلاؤں دس نا کھی کوی مجہ دھون کیدھر جاؤں[٢٠]

(قاضی محمود دریائی متوفی ٩٤١ھ)

اس کسائیں من دھروں ہور جیو سمجھاؤں نبی محمد ﷺ جو ملی تو بونج نہ پاؤں

(قاضی محمود دریائی متوفی ٩٤١ھ)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

بطيبة رسم للرسول و معهد منير و قد تعفوالرسوم وتهمد

یعنی طیبہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منور نشانیاں ہیں اور روشن مرکز ہے، لوگوں کے آثار پرانے ہوجاتے ہیں اور مٹ بھی جاتے ہیں مگر آپ کی نشانیاں زندہ وتابندہ رہتی ہیں۔

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ان الرسول لنور یستضاء بہ منہد من سیوف اللّٰہ مسلول [۲۱]

یعنی رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً نور ہیں جس سے کائنات روشن ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے انتہائی تیز دھار تلوار ہیں جو نیام سے باہر آتی ہے تو آنکھوں کو خیرہ کردیتی ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

فینا الرسول شہاب ثم یتبعہ نورٌ مضئ لہ فضل علی الشہب [۲۲]

یعنی ہمارے بیچ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تابندہ ستارے کی طرح ہیں جس سے روشنی پھیلتی ہی رہتی ہے، دوسرے ستارے ڈوب جاتے ہیں مگر یہ ستارہ ہمیشہ ہمیشہ منور وتابناک رہتا ہے۔

حضرت لسان الدین ابن الخطیب اندلسی۔

اروم امتداح المصطفی فیردنی قصوری عن ادراک تلك المناقب

و من لی بحصر البحر زاخر ومن لی باحصاء الحصا والکواکب [۲۳]

یعنی میں حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا کرنا چاہتا ہوں مگر مجھ میں اتنی سکت ہے اور نہ طاقت کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے شمار مناقب کو بیان کرسکوں، کس کی مجال ہے کہ ٹھاٹیں مارتے ہوئے سمندروں کی مقدار کا پتہ دے اور کس میں ہمت ہے کہ ستاروں کی تعداد بتا سکے۔

عربی اشعار کے مقابلے میں فارسی اور اردو نعتیہ کلام میں غلو کا اظہار برملا ہوا ہے، یہ اس لئے کہ فارسی اور اردو کے شعراء کے تخیل کی بلند پروازی، ماورائے عرش فکر کی رسائی اور زبان و بیان کی نزاکت و لطافت کے علاوہ ان شعراء کے رگ و ریشہ میں موجود جمالیات و جذبات کی فراوانی نے نعتیہ اشعار میں بھی غلو اور مبالغہ کا باب وا کردیا بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (متوفی ۲۰۰۰ء)

"جو اہل نظر اسلام کے عالمی ادب سے باخبر ہیں اور جنہوں نے مختلف ملکوں اور مختلف قوموں کی زبان اور ادبیات کا مطالعہ کیا ہے اور اس کے اشعار سے لطف

اندوز ہوئے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ فارسی زبان نعت گوئی اور مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے خوش نصیب اور سرمایہ دار ہے، اس کے بعد اردو زبان کا نمبر آتا ہے جو خود فارسی ادب کی خوشہ چیں بلکہ ایک لحاظ سے اس کی پیداوار ہے، یہی وجہ ہے کہ اس موضوع پر جتنا طاقتور، زندہ، مؤثر، نرم و شیریں اور پرسوز کلام ان دونوں زبانوں میں ملتا ہے، اتنا کسی اور زبان میں نہیں ملتا ہے، اس میں جذبات کو جو فراوانی، گرمی و بے چینی نظر آتی ہے وہ دوسری ادبیات میں نظر نہیں آتی اور یہ واقعہ ہے کہ عجمی نژاد شعراء نے ایسے مضامین اور خیالات پیش کئے اور ایسی نئی نئی تعبیریں ایجاد کیں جن میں ان کا پیشرو کوئی نہ تھا۔'' [۲۴]

فارسی شعراء کے چند نعتیہ شعر نمونتاً پیش ہیں جس میں مبالغہ آرائی کا زور و شور قاری کو نہ صرف متوجہ کرتا ہے بلکہ شاعر کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ تعلق اور اس کی عقیدت و محبت کا بھی ثبوت فراہم کرتا ہے۔

وصفِ رخسارۂ خورشید زخفاش میرس ۔۔۔ کہ دریں آئینہ صاحب نظراں حیرانند

(حافظ شیرازی متوفی ۱۳۸۸ھ)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب جہاں تاب ہیں، آفتاب کے رخسار کی تعریف چمگادڑ سے مت پوچھ، اس لئے کہ اسے دن میں نظر ہی نہیں آتا وہ کیا بتائے گا یہاں تو دیدہ ور اور اصحاب نظر اس کے عکس ہی سے حیران و ششدر ہیں۔

آں شہنشا ہے کہ بہر اعتصامِ انبیاء ۔۔۔ عقدۂ فتراکِ او از عروۃ الوثقیٰ زنند

(فخر الدین عراقی متوفی ۶۸۸ھ)

یعنی وہ شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم جو انبیاء علیہم السلام کی عصمت و حرمت کو بچانے کی خاطر تسمہ کے گرہ کو عروۃ الوثقیٰ سے باندھتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصمت انبیاء کے محافظ ہیں، آپ کی ذات اقدس انبیاء کی حرمت کی نگہبان ہے۔

شب رواں چوں رخ صبح آئینہ سیما بینند ۔۔۔ کعبہ را چہرہ دوراں آئینہ پیدا بینند

(فضل الدین خاقانؔی متوفی ۵۹۲ھ)

یعنی گزرتی ہوئی رات جب خوبصورت صبح کا چہرہ دیکھتی ہے تو اس آئینے میں کعبہ کی تصویر ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس شعر میں صبح آئینہ سیما سے مراد حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جس کے رخسار کی تجلی میں کعبۃ اللہ رونما ہوتا ہے۔

بشوقت جاں بہ لب آمد تمامی　فقم، قم، یا حبیبی کم تنامی

(مولانا عبدالرحمٰن جامؔی متوفی ۸۹۸ھ)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی لقا کے شوق میں میری جان جانے والی ہے، میں جاں بہ لب ہو گیا ہوں، میں آپ کا عاشق آپ کی خدمت میں حاضر ہوں، خدارا بیدار ہو جایئے، نیند سے جاگ جایئے، اے میرے محبوب کب تک آرام فرماتے رہیں گے۔ حضرت جامؔی کا یہ انتہائی والہانہ اور سراسر عاشقانہ شعری اسلوب آپ ہی کا خاصہ ہے اس میں کوئی دوسرا شریک و سہیم نہیں ہے۔

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم　بہر سو رقصِ بسمل بود شب جائے کہ من بودم
خدا خود میر ساماں بود اندر لامکاں خسرو　محمد ﷺ شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

(حضرت امیر خسرؔو متوفی ۷۳۶ھ، ۱۳۳۵ء)

یعنی رات جہاں میں حاضر ہوا تھا پتہ نہیں وہ کونسا مقام تھا، وہاں ہر طرف عشاق کا رقص بسمل ہو رہا تھا۔ میں نے رات دیکھا کہ ''لامکاں'' میں خدا خود میر محفل تھا اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم شمع محفل بنے ہوئے تھے۔ تمام پروانے شمع پر فدا ہو رہے تھے، ان میں سے بعض تو جاں بحق ہو گئے مگر بعض زخمی حالت میں جان دینے کے لئے تڑپ رہے تھے۔

فارسی شاعری کے زیر اثر اردو شاعری بالخصوص نعتیہ شاعری بھی لطافت و نزاکت اور جمال و کمال کا مرقع بنی ہوئی ہے۔ اسی زاویے سے اس میں غلو در آیا ہے۔ اردو کے شعراء نے صنائع و بدائع کا استعمال نعتیہ کلام میں اس خوبصورتی اور اس کثرت کے ساتھ کیا ہے کہ جس سے غلو

کا احتمال اور مبالغے کا احساس ہونے لگا ہے۔ یہاں ہزاروں نعتیہ اشعار میں سے مثال کے طور پر چند شعر پیش کیے جا رہے ہیں جس سے ہمارے مدعیٰ کا اثبات ہو جائے گا۔

چاند سورج روشنی پایا تمہارے نور تھے آبِ کوثر کوں شرف تھڈی کے پانی پور تھے ۱۵
(محمد قلی قطب شاہ متوفی ۱۰۲۱ھ، ۱۶۱۲ء)

نس نورِ ذات رکھیا احمد و صفات سو وصف کی زباں سیتی کُن اچھر ہوا ۲۶
(شاہ سلطان ثانیؒ متوفی ۱۰۹۷ھ)

لامکاں پر بنا احمد جو بنا بٹھلایا تب ملائک نے وہیں صلو علیکم گایا
حور و غلمان ترانے سوں وہ نغمے بولے 'قاب قوسین' کا نوشہ تو ہے سب کو بھایا
تھے براتی وہاں آدم سوں لگا تا عیسیٰ اور جبرئیل امین گوندھ کے سہرا لایا ۲۷
(ولیؔ اورنگ آبادی متوفی ۱۱۹۱ھ)

جہاں دل اگر چہ غرق ہے دریائے عصیاں میں میسر ہے ولے ساحل محمد ﷺ کی شفاعت کا ۲۸
گر چاہتے ہو عشق میں ذکر صمد کرو احمد کا میم لے کے اسے بھی احد کرو
(داؤد اورنگ آبادی متوفی ۱۱۵۷ھ)

کر شراب عشق میں بیہوش مجھ کو اے حبیب دے مجھے کر پیالہ نشۂ عرفان کا ۲۹
(سراج اورنگ آبادی متوفی ۱۱۷۷ھ)

جو جگ منے ہے پیدا جو چیز ہے ہویدا ہے اس کے مکھ کی شیدا اواصل ہے دلا کا ۳۰
(شاہ قربی ویلوری متوفی ۱۱۸۲ھ)

نور حق سے ہے محمد نور احمد کل جہاں جا کے ہے دریا سے نالا ملا تو کیا عجب ۳۱
(شاہ فی الحالؔ قادری کرنولی متوفی ۱۲۱۲ھ)

اس چہرۂ پرنور کے جلوے کا اجالا اک پل میں اندھیرے کو عدم کے سب اوجالا
بے شک ترا مائدہ اخلاص ''اوادنیٰ'' آ گاہ کو اس خوان ستے دے اک نوالا ۳۲
(علامہ باقر آ گاویلوری متوفی ۱۲۲۰ھ)

تجہ حسن کے مصحف منے ہے اسم بسم اللہ کا نقطے میں اس کے ہے صفت نور رسول اللہ کا
واحدیت بیچ تھا مخفی تو ذات حق کے ساتھ احدیت میں ہے سراسر ہوگیا نور مبیں

گر ہو دنداں سے ترے گوہر کبھو دوچار اب آب بہہ جا لعل کا، خورشید ہوئے گا حریں ۳۳؎
(محمد علی مہکری خانہ زاد متوفی ۱۲۴۰ھ)

درود پڑھتا ہے کعبہ غلاف اوڑھے ہوئے کہ سر پہ اُس کے اذانوں کا جب سے چھپر ہے ۳۴؎
(حضرت جمیلؔ شرفی حیدرآبادی متوفی ۲۰۱۰ء)

شوق اگر ترانہ ہو، میری نماز کا امام میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب ۳۵؎
(علامہ اقبالؔ متوفی ۱۳۵۷ھ، م ۱۹۳۸ء)

مرے غنی ﷺ نے جواہر سے بھر دیا دامن گیا جو کاسۂ مہہ لے کے شب گدائے فلک ۳۶؎
(حضرت مولانا رضاؔ بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، م ۱۹۲۱ء)

دندان ولب و زلف و رخ شہ کے فدائی ہیں دُرّ عدن لعل یمن مشک ختن پھول ۳۷؎
(حضرت رضا بریلوی)

تو نے یوں اے شمع حق جگ میں اجالا کردیا دیدۂ خورشید کو حیرت کا مارا کردیا
تیرے فیضانِ نظر نے جب جسے چاہا اسے ناز موسیٰ کردیا، رشکِ مسیحا کردیا ۳۸؎
(حضرت علامہ فدوی باقوی متوفی ۱۴۱۴ھ)

بھڑک کے بجھ بھی گئی وہ کلیموں کے لئے نگاہ مصطفوی ﷺ میں تو طور زندہ ہے
(قاضی اسد ثنائی حیدرآبادی)

مذکورہ بالا اشعار کے مطالعہ سے یہ بات مہر نصف النہار کی طرح روشن ہوگئی ہوگی کہ نعتیہ کلام میں غلو ومبالغہ کی شکایت محض تقلیدی ہے تحقیقی نہیں ہے۔ غلو سے خوف کھانے والوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ غلو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق صادق ہے بقول شاعر۔؎

بڑے ہی عجز سے نعتوں میں راہیؔ وہی عاشق غلو بیٹھا ہوا ہے ۳۹؎

مآخذ و حواشی

۱۔ تصدق حسن رضوی سید، لغات کشوری، مطبع منشی تیج کمار وارث نول کشور پریس، لکھنؤ۔ ۱۹۶۴ء، ص۔۵۲۰۔
۲۔ تصدق حسن رضوی سید، لغات کشوری، مطبع منشی تیج کمار وارث نول کشور پریس، لکھنؤ۔

۱۹۶۴ء، ص-۶۵۶۔
۳- عبدالحی مولانا احقر بنگلوری، تنبیہ العلوم، مطبوع در مطبع محمدی، معسکر، بنگلور ۱۳۰۷ھ، ص-۵۔
۴- محمد میر حیات سید، حضرات خمسہ، بزم شیر میر، کدری، ضلع انت پور (آندھرا پردیش) ۲۰۱۳ء، ص-۱۱۔
۵- کمال الدین حسین سید شاہ کمال، مخزن العرفان، بزم شہہ میر، تلپول (کدری) مطبوعہ ۲۰۱۰ء، ص-۴۰)
۶- ایضاً ص-۵۶۔
۷- ایضاً ص-۵۸۔
۸- ایضاً ص-۵۸۔
۹- ایضاً ص-۵۲۔
۱۰- ایضاً ص-۸۰۔
۱۱- ایضاً ص-۶۸۔
۱۲- ایضاً ص-۲۳۴۔
۱۳- محمد الحسینی سید شاہ گیسودراز، فوائد از مکتوباتِ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز بہ تصحیح و تحقیق ڈاکٹر شاہ خسرو حسینی، کل ہند سید محمد گیسودراز اکاڈمی، گلبرگہ شریف، مطبوعہ ۲۰۱۴ء، ص-۳۸-۳۹۔
۱۴- اسد ثنائی، مقالات نعت، بحوالہ محمد علی اثر ڈاکٹر، مضمون مدحت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دکنی غزلوں میں الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد (دکن) مطبوعہ ۲۰۱۴ء، ص-۱۴۷۔
۱۵- محمد حسین سید شہیر اولیا، الارشاد، بحوالہ انتباہ الطالبین، بزم شہ میر کدری، مطبوعہ-۲۰۱۱ء، ص-۷۷-۷۸۔
۱۶- ایضاً ص-۷۸۔
۱۷- ایضاً ص-۱۲۵-۱۲۶۔
۱۸- بوصیری علامہ کتاب وشی الہردہ، جعفر حسین ملا علی پائن والا، ممبئی ۱۳۳۵ھ، ص-۴۱، ۴۲، ۴۳۔
۱۹- محمد علی سید مولانا مونگیری، ارشاد رحمانی و فضلِ یزدانی، خانقاہِ رحمانیہ، مونگیر (بہار) تاریخ اشاعت

ندارد،ص-۴۵)

۲۰- محمود دریائی قاضی حضرت دیوان حضرت قاضی محمود دریائی، گجرات، اردو ساہتیہ اکیڈمی، گاندھی نگر، احمد آباد، بترتیب محمد نصیر میاں محمود میاں قاضی پروفیسر، مطبوعہ ۲۰۱۴ء، ص-۱۶۶۔

۲۱- محمد واضح رشید حسنی سید مولانا ندوی، نعت گوئی کی فنّی خصوصیات، بحوالہ تعمیر حیات پندرہ روزہ شمارہ ۲۵/ جنوری ۲۰۱۴ء، ص-۱۵۔

۲۲- ایضاً ص-۱۶۔

۲۳- ایضاً ص-۱۷۔

۲۴- ایضاً شمارہ ۱۰/ فروری ۲۰۱۴ء، ص-۱۸۔

۲۵- مقالات نعت۔ص-۱۵۰۔

۲۶- ایضاً ص ۱۵۳

۲۷- ایضاً ص ۱۶۴

۲۸- ایضاً ص ۱۶۷

۲۹- ایضاً ص ۱۶۸

۳۰- ایضاً ص ۱۷۰

۳۱- ایضاص ۱۷۱

۳۲- محمد علی مہکری خانہ زاد، ’’گنج شائگاں‘‘ تحقیق و تقدیم ڈاکٹر راہی فدائی، الانصار پبلیکشنز، حیدرآباد، مطبوعہ ۲۰۱۶ء ص ۶۷

۳۳- مقالات نعت ص ۱۷۲

۳۴- لطف الرحمٰن بھاگل پوری، نعتیہ شاعری اور اقبال، بحوالہ مقالات نعت مطبوعہ ۲۰۱۴ء ص ۲۴۷

۳۵- راہی فدائی ڈاکٹر، حضرت جمال شرفی کی نعت میں تحقیقی اظہار کے نئے رنگ، بحوالہ مقالات نعت ص ۲۶۴

۳۶- عبدالحمید اکبر ڈاکٹر، پروفیسر گلبرگہ، نعت کے فروغ میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کا حصہ، بحوالہ مقالات نعت ص ۲۵۵

۳۷- ایضاً ص ۲۵۶

۳۸- فدوی باقوی علامہ حضرت،کلیات فدوی، جامعہ باقیات صالحات، ویلور (ٹمل ناڈو) مطبوعہ ۲۰۱۳ء ص۲۲
۳۹- راہی فدائی ڈاکٹر، ناعت ومنعوت، الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد مطبوعہ ۲۰۱۴ء ص۱۰۵

○○○

نعت کی تنقید

اہمیت، مسائل اور امکانات

شاہ اجمل فاروق ندوی (نئی دہلی)

انسانی زندگی میں تنقید کی اہمیت و افادیت مسلم ہے۔ اس کی تعریف میں تو اختلاف ہوسکتا ہے، لیکن اس کی معنویت میں کوئی اختلاف نہیں۔ علمی دنیا تنقیدی عمل کی افادیت پر متفق ہے۔ جمیل جالبی نے کہا ہے:

> ''تنقید فکر و ادب کے لیے ویسے ہی ضروری ہے، جیسے سانس لینا انسان کے لیے ضروری ہے۔ تنقید اچھے اور برے، صحیح اور غلط میں امتیاز پیدا کرتی ہے، تخلیق کو جہت دیتی ہے اور فکر کو بنیادیں فراہم کرتی ہے۔ جیسے مثنوی غزل نہیں ہے، قصیدہ رباعی نہیں ہے، ڈراما ناول سے ایک الگ صنف ہے، اس کا منصب الگ ہے۔ لیکن جیسے ڈرامے میں افسانہ یا ناول میں ڈراما موجود ہوتا ہے، اسی طرح تنقید میں تخلیق اور تخلیق میں تنقید موجود ہوتی ہے۔ بنیادی طور پر تخلیقی اور تنقیدی جبلتیں ایک ہی ہوتی ہیں۔'' (تحفۃ السرور، شمس الرحمٰن فاروقی، ص:۲۸)

آل احمد سرور نے اسی بات کو مزید وضاحت کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے:

> ''تنقید کا کام مفصلہ ہے۔ تنقید دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کردیتی ہے۔ تنقید وضاحت ہے، صراحت ہے، ترجمانی ہے، تفسیر ہے، تشریح ہے، تجزیہ ہے۔ تنقید قدریں ہی متعین نہیں کرتی، وہ ادب اور زندگی کو ایک پیمانہ دیتی ہے۔ تنقید انصاف کرتی ہے۔ ادنیٰ اور اعلیٰ، جھوٹ اور سچ، پست و بلند کے معیار قائم کرتی ہے۔ تنقید ادب میں ایجاد کرنے اور محفوظ رکھنے، دونوں کا کام دیتی ہے۔ وہ بت شکنی بھی کرتی ہے اور بت گری بھی۔ تنقید کے بغیر ادب ایک ایسا جنگل

ہے، جس میں پیداوار کی کثرت ہے، موزونیت اور قرینے کا پتا نہیں۔''
(تنقید کیا ہے؟ آل احمد سرور، ص: ۳۱)

ایک طرف تنقید کی یہ مسلمہ اہمیت و افادیت ہے، تو دوسری طرف اردو نعت کا وسیع ذخیرہ۔ نعت کے تقدس کی وجہ سے اسے ہم آل احمد سرور کے بہ قول کثیر پیداوار والا جنگل تو نہیں کہہ سکتے، البتہ اتنا طے ہے کہ نعت کے نام پر وجود میں آنے والا بہت بڑا ذخیرہ فنی لحاظ سے نعت کہلائے جانے کا مستحق نہیں ہے۔

ہم نعت والے ہیں۔ نعت کے والہ وشیدا ہیں۔ نعت کے عاشق وجویا ہیں، لیکن ہم علمی دنیا میں نعت کی عدم مقبولیت کا الزام غیروں کے سر دھرنے کی ناانصافی نہیں کر سکتے۔ ہم آئے دن یہ شکوہ کرتے ہیں کہ نعت کو اس کا جائز مقام نہیں دیا جا رہا ہے۔ نعت کو قصیدے و مثنوی اور غزل و مرثیے کی طرح پڑھا پڑھایا یا سمجھا سمجھایا نہیں جاتا۔ سوال یہ ہے کہ کیا نعت والوں نے نعت کو ایک فن پارے کی حیثیت سے برتا ہے؟ اُس کو اُسی طرح اختیار کیا ہے، جس طرح کسی سخن پارے کو اختیار کرنا چاہیے؟ سچی بات یہ ہے کہ ہماری اردو نعت اپنی عمر کے لحاظ سے عمر رسیدہ اور وسعت کے لحاظ سے بڑی وسیع وکشادہ، لیکن علمی وفنی لحاظ سے بہت محدود و مختصر ہے۔

اس عظیم خلا کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں نعت کی تنقید اپنے تمام اصول وکلیات کے ساتھ وجود میں نہیں آسکی۔ نعت پر لکھا تو جاتا رہا، لیکن انصاف کے ساتھ ایک فن پارے پر جس طرح تنقیدی عمل ہونا چاہیے، وہ نہیں ہو سکا۔ نتیجہ یہ ہے کہ نعت کے متعلق متعدد ابتدائی واساسی موضوعات اب تک تشنہ ہیں۔ ان کے متعلق نہ ہم نے کوئی بحث کی ہے اور نہ کسی نتیجے تک پہنچ سکے ہیں۔ کسی شاعر یا متشاعر نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں جو کچھ کہہ دیا، اُسے نعت سمجھ لیا گیا۔ نہ اُسے جانچا پرکھا گیا، نہ اس کی چھان پھٹک ہوئی۔ بس یہ مان لیا گیا کہ نعت وجود میں آگئی۔ خواہ نعت کے نام پر وجود میں آنے والی وہ عبارت فنی لحاظ سے درست ہو یا نہ ہو۔ فکری لحاظ سے راست ہو یا نہ ہو۔ ممکن ہے کہ اس طرح کی نعتیں (جن کو نعت کہنا بھی درست نہیں ہے) کہنے والوں کا جذبہ پوری طرح صادق ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عوام اُس نعت نما عبارت کو سن کر

جھوم اٹھیں۔لیکن یہ ممکن نہیں کہ اُسے نعت کے ذخیرے میں شامل کرلیا جائے۔جذبہ ونیت اور چیز ہے اور فکر وفن بالکل دوسری چیز۔نظم ہو یا نثر، وہ اُسی وقت نظم یا نثر کہلاتی ہے، جب اپنے اصول و ضوابط کے ساتھ تخلیق کی گئی ہو۔آپ نثر کہیں اور اصرار کریں کہ اُسے نظم سمجھ لیا جائے، یا نظم کہیں اور چاہیں کہ اُسے نثر مان لیا جائے، یہ کیسے ممکن ہے؟اس صورت حال میں نعت کی تنقیدی روایت کو صحیح بنیادوں پر استوار کر کے مستحکم کرنا بے حد ضروری ہے۔

اردو نعت میں تنقیدی روایت کے استحکام کے لیے دو بنیادوں پر کام کرنا ضروری ہے:

۱-نعت کے اصول تنقید کی دریافت

۲-اصول وضوابط پر مبنی عملی تنقید کا وجود

یہ دونوں چیزیں لازم وملزوم ہیں۔صرف اصول وضع کر کے بیٹھ جانا بھی بے کار ہے اور بے اصولی کے ساتھ تنقید کرتے رہنا بے فائدہ۔جب تک یہ دونوں بنیادیں ایک ساتھ فراہم نہ کی جائیں گی، اس وقت تک مثبت، مستحکم اور صالح تنقید وجود میں نہ آسکے گی۔ان دونوں نکات پر قدرے تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے۔

(ا) ہمارے ہاں نعت پر ہونے والی تنقیدی گفتگو عام طور پر بہت سطحی ہوتی ہے۔اس درجہ سطحی کہ اُسے تنقید کے دائرے میں داخل کرنا بھی جرم لگتا ہے۔گفتگو کرنے والا، زیر بحث مجموعے یا فن پارے کو دیکھتا ہے اور اس میں موجود عام باتوں کو نثر میں بیان کرتا چلا جاتا ہے۔فلاں کی نعتیہ شاعری میں عشق رسول پایا جاتا ہے، مدینے جانے کا شوق ملتا ہے، رسول اکرم سے وابستہ ہر چیز سے محبت ملتی ہے، رسول کے آل و اصحاب سے بھی والہانہ لگاؤ ہے، اتباع سنت کا جذبہ ہے، وغیرہ۔حالاں کہ ان باتوں کا بیان سرے سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔جس شخص کو اس کا وجدان نعت کہنے پر مجبور کر رہا ہے، اس کے اندر محبت رسول کا ہونا ایک فطری امر ہے۔جب رسول سے محبت ہے تو آپ سے وابستہ مادی وروحانی تمام چیزوں سے محبت ہوگی ہی۔اس میں بیان کرنے والی کیا بات ہے؟فن پارے پر جس طرح گفتگو ہونی چاہیے، وہ ہوتی ہی نہیں۔شاعری کے فنی محاسن کا

کوئی ذکر ہی نہیں آتا۔ آتا بھی ہے تو برائے نام۔ اس غیر ذمے دارانہ روش کا نتیجہ ہے کہ نہ جانے کیسی کیسی چیزوں کو نعت کے زمرے میں شامل کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ غیر ذمے دارانہ رویہ بھی بے سبب وجود میں نہیں آیا۔ جب نعت کے اصولِ تنقید ہی وضع نہیں کیے گئے تو ناقد سے کیسی شکایت؟ وہ کن اصولوں کے مطابق تنقید کا فریضہ انجام دے گا؟ جیسے ہی وہ کسی نعت پر گفتگو کرنے چلتا ہے، بے راہ روی اور بے سمتی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اُسے اپنے سامنے کسی متعین راہ کے بجائے ایک وسیع صحرا نظر آتا ہے۔ وہ جس سمت میں چاہتا ہے، چل دیتا ہے۔ احمد امین نے تنقید کے دو بنیادی مقاصد بیان کیے ہیں:

للنقد مهمتان مختلفتان۔ مهمة التفسير Interpretation و مهمة الحكم Judgment۔

و حقاً إنه عملياً۔ قد اجتهت هاتان الوظيفتان عادةً حتى يومنا الحاضر۔

(النقد الأدبي، ڈاکٹر احمد امین، ص:۱۸۰)

تنقید کے دو مختلف مقاصد ہیں۔ تشریح (Interpretation) اور فیصلہ (Judgment)۔ سچ تو یہ ہے کہ تنقید ایک عملی چیز ہے۔ اس میں یہ دونوں مقاصد آج تک فطری طور پر شامل سمجھے جاتے ہیں۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نعت کی تنقید ان دونوں مقاصد میں سے کسی ایک مقصد کو بھی پورا کرتی نظر نہیں آتی۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اب تک ہم نعت کے اساسی اصول تنقید بھی وضع نہیں کر سکے ہیں۔ ایسے متعدد مسائل ہیں، جن کا کوئی حل دریافت نہیں کیا گیا۔ حل دریافت کرنا تو دور کی بات ہے، دریافت کی کوشش بھی نہیں ہوئی۔ جب ہمارے پاس اُن مسائل کا کوئی حل نہیں ہے تو ناقد سے مستحکم تنقید کی امید کرنا بھی فضول ہے۔ وہ تو اپنے ذہن کے مطابق تنقیدی عمل انجام دے گا۔

جس سمت چاہے گا، جائے گا اور جو چاہے گا، لکھے گا۔ نہ اصول کی پابندی اور نہ ضوابط کا لحاظ۔ مثال کے طور پر نعت میں عقائد کی بحث کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ ہے۔ نعت پر گفتگو کرتے

وقت عقائد کی بات آنی چاہیے یا نہیں؟ نہیں تو کیوں نہیں؟ اور ہاں تو کوکس طرح اور کتنی؟ عام طور سے دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی کی نعت پر گفتگو کرنے والے اس مسئلے میں بے سمتی اور بے اعتدالی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ وہ شاعری پر گفتگو کرتے کرتے کب اعتقادی وفقہی موضوعات میں داخل ہوجاتے ہیں، پتا ہی نہیں چلتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شعری تنقید، اعتقادی اور فقہی تنقید بن جاتی ہے اور افادیت کے بجائے مضرت رساں ہوجاتی ہے۔ اس طرح کی تنقید نما گفتگو نعت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا پاتی۔

اس مسئلے میں سنجیدہ مباحث کے بعد ایک مثبت نتیجے تک پہنچنا ضروری ہے۔ ورنہ نعت کو بھی اعتقادی مکاتب فکر کی طرح تقسیم کرنا پڑے گا۔ جیسے: شیعہ نعت، سنی نعت، بریلوی نعت، دیوبندی نعت، تقلیدی نعت اور غیر تقلیدی نعت وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ شعر وادب میں اس طرح کی تقسیم انتہائی لغو قرار دی جائے گی۔ اس صورت حال سے بچنے کے لیے ہمیں ہر حال میں ''نعت کی تنقید میں عقائد کی بحث'' پر سیر حاصل گفتگو کر کے کچھ متفق علیہ نتائج اخذ کرنے ہوں گے۔

ایک بڑا مسئلہ لفظیات کے استعمال کا بھی ہے۔ نعت کا مرکزی موضوع رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات، صفات اور سیرت ہے۔ لہٰذا نعت میں لفظیات کا استعمال زیادہ نازک اور محتاط رخ اختیار کر جاتا ہے۔ دنیا کے عام محبوبوں کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ، کنایات، استعارات اور تشبیہات کا استعمال نعت میں درست ہے یا نہیں؟ رسول کریم کے اسم ذات کے استعمال کی گنجایش ہے یا نہیں؟ واحد مذکر حاضر اور جمع مذکر حاضر کے صیغے (تو اور تم) استعمال کیے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ اس طرح کے کئی مسائل ابتداء ہی سے ہمارے ہاں مختلف فیہ رہے ہیں۔ کوئی ان مسائل میں اثبات کا قائل ہے اور کوئی نفی کا۔ دورِ حاضر میں ان مسائل پر بحث کر کے کسی نتیجے تک پہنچنا ضروری ہوگیا ہے۔

ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ نعت کا مرکزی موضوع خیالی یا مثالی نہیں ہے۔ اس کا اپنا ایک مستقل وجود ہے۔ اس وجود پر تاریخی دلائل وشواہد متفق ہیں۔ صرف وجود پر نہیں، بلکہ پوری

زندگی اور سیرت و کردار پر۔ لہٰذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک تاریخی شخصیت کے متعلق افسانوی خیالات اور تصوراتی بیانات پیش کرنا درست ہے یا نہیں؟ اثبات میں جواب دیا جائے تو علمی، تحقیقی اور تاریخی اصول وضوابط پر ضرب پڑتی ہے۔ جواب نفی میں ہو تو دائرۂ سخن بھی محدود ہوتا ہے اور نعت کے موجودہ ذخیرے کا بڑا حصہ قابل گرفت قرار پاتا ہے۔ یہ مسئلہ بھی تمام جوانب کے ساتھ بحث و تحقیق کا محتاج ہے۔

آج کل دو بڑے مسائل اور پیدا ہو گئے ہیں۔ ایک روحِ عصر کا مسئلہ اور دوسرا ہیئتی تجربوں کا مسئلہ۔ یہ دونوں مسائل اردو کے دورِ جدید کی دین ہیں۔ اب شاعری صرف حظ اٹھانے کا ذریعہ نہیں رہی، بل کہ مقصدی ہو گئی ہے۔ اسی طرح اس کا ظاہری دامن محدود نہیں رہا، بل کہ وسیع تر ہو گیا۔ شاعری میں مقصدیت کی روش بھی چل نکلی اور ہیئتی تجربے بھی کیے جانے لگے۔ موجودہ نعت گو کے سامنے یہ دونوں مسائل بڑی شدت کے ساتھ موجود ہیں۔ وہ نعت میں روحِ عصر کا اہتمام کرے یا نہ کرے؟ کرے تو کس طرح؟ جب مرکزی موضوع متعین ہے تو اس کے ساتھ دوسرے موضوع کو ضم کرنا آسان نہیں ہوگا۔ اگر نعت میں روحِ عصر کی وکالت کی جاتی ہے تو اس کے طریقۂ کار کی تعیین بھی ضروری ہوگی۔ اس سے نسبتاً آسان مسئلہ ہیئتی تجربوں کا ہے۔ ہمیں ہیئتی تجربے کرنے یا نہ کرنے کے فوائد و مضرات پر غور کرنا ہوگا اور ایک راہِ عمل طے کرنی ہوگی۔

آج نعت کے ناقد کو اس طرح کے متعدد مسائل درپیش ہیں۔ ان کو حل کیے بغیر نعت میں مستحکم تنقیدی روایت کی طرح نہیں ڈالی جا سکتی۔ جب تک صالح نعتیہ تنقید وجود میں نہیں آئے گی، تب تک ہم ادبی حلقوں میں نعت کے لیے پائے جانے والے اجنبی ماحول کو بھی ختم نہیں کر سکتے۔

(۲) نعت کی تنقید کے اصول وضوابط طے کرنے کے بعد عملی تنقید کا مرحلہ آئے گا۔ اس مرحلے میں ہمیں ناقد کے شخصی اوصاف طے کرنے ہوں گے۔ ایک عام ناقد میں جن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے، وہ تمام اوصاف نعت کے ناقد کے اندر بھی ہونے چاہییں۔ لیکن نعت کے

موضوع کے لحاظ سے اس کے اندر کچھ اضافی صلاحیتیں بھی درکار ہوں گی۔ وہ صلاحیتیں کون سی ہوں؟ ان کا تعین ضروری ہے۔ ان صلاحیتوں کا تعین اُس بے تکے رویے پر روک لگا دے گا، جو تنقید کے نام پر ہمارے ہاں پایا جاتا ہے۔

ہم بڑے فخر کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ نعت کا موضوع بہ ظاہر ایک ذات میں محیط، لیکن حقیقتاً کُل کائنات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس لیے کہ وہ ذات گرامی جو نعت کا مرکز ومحور ہے، وہ اپنی صفات اور تعلیمات کے لحاظ سے دو جہانوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس وسیع ترین موضوع کے باوجود نعت کو اس کا جائز مقام نہیں دیا جاتا۔ اس سلسلے میں دوسروں پر الزام دھرنے سے بہتر ہے کہ اپنا جائزہ لیا جائے۔ نعت کے ساتھ جانب داری برتنے والوں سے شکوے شکایت کے بجائے اپنا محاسبہ کیا جائے۔ اس سچائی کا انکار کون کرسکتا ہے کہ نعت کے نام پر نہ جانے کیا کیا چیزیں نعت کے ذخیرے میں شامل کر دی گئی ہیں؟ ایسا اس لیے ہے کہ ہم نے چھان پھٹک کا دروازہ کھولا ہی نہیں۔ جانچ اور پرکھ کی روایت قائم ہی نہیں کی۔ ناپ تول کے لیے میزان وضع ہی نہیں کیا۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے۔

اگر نعت کے سلسلے میں ایک مستحکم تنقیدی روایت وجود پذیر ہو جائے اور وہ پوری دیانت داری کے ساتھ کام کرنے لگے تو بہت جلد مثبت نتائج سامنے آنے لگیں گے۔ نعت کو بے دھڑک دوسری اصناف کے ساتھ رکھا جانے لگے گا۔ نعت کا شجرِ طوبیٰ پوری شان وشوکت کے ساتھ برگ و بار لانے لگے گا۔ اس سے کہیں آگے بڑھ کر نعت انسانیت کو مضبوط نظریاتی اساس فراہم کرنے لگے گی۔

○○○

مختلف شعری ہیئتوں میں نعتیہ تجربے

ڈاکٹر حقانی القاسمی (نئی دہلی)

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

خوشبو ذہن سے ہی معطر خیالات وجود میں آتے ہیں!

باطنی وجود میں جتنی روشنی ہوگی، ظاہری سطح پر اس کا اتنا ہی انعکاس ہوگا۔ جب باطن میں الوہی طلعت اترتی ہے تو ذہن کے تمام منطقوں کو اس طرح منور کر دیتی ہے کہ سارے تاریک خیالات دور بھاگنے لگتے ہیں اور صحت مند خیالات کا نمو ہونے لگتا ہے اور پھر انسان تاریکی سے روشنی، ظلمت سے نور کے حلقے میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس کے وجود میں ایک ایسا سورج طلوع ہوتا ہے جو مدام اس کے ذہنی اور روحانی وجود کے ساتھ سفر کرتا رہتا ہے۔

یہی روشنی سچائی کا استعارہ ہوتی ہے اور روشنی کا یہی شجر اپنی تمام تر شاخوں کے ساتھ زمین احساس پر پھیلنے لگتا ہے تو اظہارات کی نت نئی کونپلیں کھلنے لگتی ہیں۔

عظیم امروہوی کے وجود میں بھی وہی خوشبو اور روشنی بسی ہوئی ہے۔ اسی لیے انھوں نے مختلف شعری ہیئتوں میں نعتیہ کلام لکھتے ہوئے اسی عقیدت، محبت اور جذب و وارفتگی کا ثبوت دیا ہے جو نعتیہ فضا کے لیے ضروری ہیں:

کھو کے ان کی یاد میں پڑھتا ہوں جب بھی نعت میں
یہ سمجھتا ہوں کہ سر پر سائباں خوشبو کا ہے

ان کے روضے کی ہواؤں کا تصور جب کیا
یہ لگا جیسے کہ یہ سارا جہاں خوشبو کا ہے
پھول کیا خاروں کے دل بھی خوشبوؤں سے بھر دیے
سارے عالم سے جدا وہ گلستاں خوشبو کا ہے
روضۂ پرُنور سے مس ہو کے جب آتے ہیں لوگ
ایسا لگتا ہے کہ جیسے کارواں خوشبو کا ہے

عظیمؔ امروہوی نے مختلف ہیئتوں میں جو عطر بیز تجربے کیے ہیں، وہ اس اعتبار سے بہت اہمیت کے حامل ہیں کہ نعتیہ شاعری زیادہ تر غزلیہ ہیئت میں ہوتی رہی ہے کیونکہ نعت کی کوئی ہیئت مخصوص نہیں ہے اور نہ ہی اسے صنف سخن کا درجہ حاصل ہے۔ موضوعی اعتبار سے اسے صنف کہا جا سکتا ہے مگر ہیئتی اعتبار سے کسی مخصوص صنف کے لوازمہ میں قید نہیں ہے۔ عظیمؔ امروہوی نے نعتیہ نظمیں، نعتیہ آزاد نظمیں، نعتیہ قطعات، نعتیہ رباعیات، نعتیہ ہائیکو، نعتیہ دوہے، نعتیہ گیت، نعتیہ ترائیلے، نعتیہ لوریاں، نعتیہ پنج بھجی، نعتیہ مرثیہ، نعتیہ تضمین کہے ہیں۔ متنوع ہیئتوں میں یہ نعتیہ شاعری فکری اور لسانی اعتبار سے ان کی جدتِ طبع اور لسانی استعداد کا مظہر ہے۔

ماضی میں مثنوی، قصائد، گیت اور آزاد نظموں میں نعت کہنے والوں کی ایک بڑی تعداد رہی ہے۔ خاص طور پر ملا وجہی کی مثنوی قطب مشتری، غواصی کی سیف الملوک، ابن نشاطی کی 'پھول بن' اور نصرتی کی 'علی نامہ' اور 'گلشن عشق' میں نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ ولی دکنی نے بھی نعتیہ قصائد لکھے ہیں۔

رباعیات، مخمّس، مستزاد میں بھی نعتیں لکھی ہیں۔ اس طرح نعت گویوں کا ایک پورا قافلہ ہے جس میں کرامت علی شہیدیؔ، لطف علی خاں لطفؔ بریلوی، امیرؔ مینائی، محسنؔ کاکوروی، مولانا ظفر علی خان، مولانا احمد رضا خان بریلوی اور دیگر لوگوں کے نام آتے ہیں جنھوں نے اردو

میں نعت کو ایک نئی توانائی عطا کی اور اسے شوکت و رعنائی سے روشناس کیا، مگر جدید ترین اصناف میں نعتیہ کلام کہنے والوں کی تعداد خاصی کم ہے، خاص طور پر ہائیکو، ترائیلے اور سانیٹ میں نعتیہ تجربے کم کیے گئے۔ عظیم امروہوی کا یہ انفرادی اختصاص کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے ترائیلے میں نعتیں کہی ہیں، جس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے:

ہے جو انساں صاحب خلق عظیم
اس پہ صبح و شام ہوں لاکھوں سلام
اس نے دکھلائی ہے راہِ مستقیم
ہے جو انساں صاحب خلق عظیم
در حقیقت ہے وہ کل عقل سلیم
امن کا اس نے دیا سب کو پیام
ہے جو انساں صاحب خلق عظیم
اس پہ صبح و شام ہوں لاکھوں سلام

ترائیلے ایک فرانسیسی صنف سخن ہے۔ عظیم امروہوی نے اس پر ایک مختصر سا نوٹ لکھا ہے کہ:

''ترائیلے آٹھ مصرعوں پر مشتمل ایک مختصر نظم کو کہتے ہیں۔ اس میں ردیفوں کا پیٹرن ہوتا ہے۔ پہلے دونوں مصرعوں کی تکرار آخری دونوں مصرعوں میں ہوتی ہے۔ پہلا مصرع پھر چوتھا اور ساتواں مصرع بن کر جلوہ گر ہوتا ہے۔ یعنی پہلے مصرع کی تین مرتبہ تکرار ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اس صنف سخن کا نام Triolet رکھا گیا ہے۔ اس صنف سخن کی ابتدا فرانس میں ہوئی۔ فرانسیسی شاعر Adenes Le Roi نے پہلی بار اپنی نظم Cleomades میں اس کا تجربہ کیا۔ Patrek Keray نے پہلی بار 1651 میں اسے انگریزی زبان میں داخل کیا۔ Fadrik Rasman نے جرمن زبان میں اس صنف سخن کو بہت فروغ دیا۔ اردو میں احمد ندیم قاسمی، نریش کمار شاد، قاضی سلیم

اور فرحت کیفی وغیرہ نے مختلف موضوعات پر ترائیلے کہے ہیں۔ لیکن نعتیہ ترائیلے راقم کی نظر سے نہیں گزرے۔''

اردو میں جو شعری ہیئتیں جدید دور میں وضع کی گئیں یا دوسری زبانوں سے مستعار لی گئی ہیں، ان میں ایک ہائیکو بھی ہے۔ یہ جاپانی صنف سخن ہے، جس میں نہ تو ردیف قافیہ کی پابندی ہوتی ہے اور نہ ہی مخصوص بحر کی قید، یہ صرف تین مصرعوں پر محیط ہوتی ہے۔ اردو میں ہائیکو لکھنے والوں کی تعداد اچھی خاصی ہے اور اس پر کافی تحقیق بھی ہو چکی ہے۔ روز بہ روز ہائیکو سے جڑنے والوں کا قافلہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ عظیم امروہوی نے اس جاپانی صنف سخن میں بھی نعتیہ تجربہ کیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

وہ خلق پیکر عظیم رہبر
جو درسِ اخلاق دے گیا ہے
وہی ہے سب سے بڑا پیمبر

جو بشیر ہے، جو نذیر ہے، وہی دو جہاں کا امیر ہے
جو رسول آئے ہیں دہر میں وہ عظیم سب، یہ بجا مگر
نہ مرے نبی ﷺ کی مثال ہے نہ مرے نبی کی نظیر ہے

نعتیہ ہائیکو پر نوٹ لکھتے ہوئے انھوں نے یہ واضح کیا ہے کہ 'اردو میں گزشتہ 50-60 سال میں چند شعرا نے ہائیکو کہی ہے لیکن نعتیہ ہائیکو راقم کی نظر سے نہیں گزری'۔

یہاں اس بیان کے تعلق سے تھوڑی وضاحت ضروری ہے کہ اطلاعاتی ذرائع اور وسائل کی فراوانی کے باوجود اس امکان سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اردو کائنات میں جو تجربے کیے جا رہے ہیں، ان تک ہماری رسائی نہ ہو۔ شاید اسی عدم رسائی کی وجہ سے عظیم امروہوی نے یہ بات کہی ہوگی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہائیکو میں اس سے پہلے بھی تجربے ہو چکے ہیں۔ بہت پہلے علیم صبا نویدی کا ایک مجموعہ 'ترسیلے' کے نام سے شائع ہوا تھا، جس کے بارے میں پروفیسر سید سجاد حسین صدر شعبہ اردو مدراس یونیورسٹی نے لکھا ہے کہ 'ترسیلے علیم صبا کے جدید انداز کی نعتوں پر مشتمل مجموعہ ہے جو قدیم

جاپانی صنف شاعری ہائیکو کے رنگ میں 1986ء میں شائع ہوا۔اس مجموعہ میں دو قسم کی ہائیکو نظمیں شامل ہیں۔ پابند ہائیکو، نثری ہائیکو، اردو میں صنف ہائیکو کو پہلی بار صبا نویدی نے نعت گوئی کے مقدس اظہار سے مالا مال کیا۔ 'شعاع شرق' ترسیلے ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔اس میں سارے کے سارے پابند ہائیکو شامل ہیں۔'

علیم صبا نویدی نے ہی نعتیہ سانیٹ کا سب سے پہلا تجربہ کیا جو 'نورالسموات' کے نام سے سامنے آیا۔

ڈاکٹر عظیم امروہوی نے 'رسولیات' میں جس طرح کے فنی تجربے کیے ہیں، وہ ان کی قدرت کلامی کا مظہر ہیں اور اس بات کا ثبوت کہ ان کی زبان میں کوثر و تسنیم ملی ہوئی ہے۔ اپنے خیالات کے اظہار میں انھوں نے زبان کی نزاکتوں اور لطافتوں کا خیال رکھا ہے۔ خاص طور پر انھوں نے جو نعتیہ قصیدے کہے ہیں، ان میں جو شان و شوکت اور جزالت ہے وہ بڑے کلاسیکی قصیدہ نگاروں کی یاد دلاتی ہے۔ ان کا آہنگ اتنا بلند اور پر شکوہ ہے اور بلاغت بیان اس قدر کہ میر انیس کے آہنگ کی بازگشت کا احساس ہوتا ہے۔

'قصیدۂ بعثت' سے چند شعر ملاحظہ ہوں:

اس کی بعثت جس پہ اترا ہے کلام اللہ کا
دے گیا ہے حشر تک جو اک ہدایت کا چراغ
اس کی بعثت ہے کہ جو دنیا کو یہ بتلا گیا
کس قدر پرنور ہے ایماں کی طاقت کا چراغ
اس کی بعثت ہے کہ جو اللہ کا محبوب ہے
دے گیا دنیا کو الفت کا محبت کا چراغ
اس کی بعثت ہے کہ جو ہے اک مدینہ علم کا
جس کے آگے گل ہوا ظلم و جہالت کا چراغ

یہ مدحت رسول صرف سیرت وشمائل تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ حالی کی طرح عظیم امروہوی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیغام اور تعلیمات کا سلسلہ عہد حاضر کے آشوب سے بھی جوڑا ہے۔جس طرح حالی نے کہا تھا:

اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

اسی طرح عظیم امروہوی نے آج کے اخلاقی زوال اور انسانی بحران کو اپنی نعتیہ شاعری میں پیش کیا ہے اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت سے اپنا رشتہ جوڑنے کی بات یوں کہی ہے کہ وہی چراغ ہدایت ہے جس سے آج کی تاریکیاں دور ہوسکتی ہیں:

آج کے انسان کا کردار بے حد پست ہے
آج انساں کا شرافت سے بھی کچھ رشتہ نہیں
آج انساں کے دلوں میں بھر گیا اتنا نفاق
دل کی سچی بات کوئی لب پہ لاتا ہی نہیں

'رسولیات' پاکیزہ احساسات اور خیالات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات وصفات کے تمام روشن نقوش سامنے آتے ہیں۔عظیم امروہوی نے کوشش کی ہے کہ خیالات میں افراط وتفریط نہ ہو اور شاید انھوں نے مشروع اور غیر مشروع کا بھی خیال رکھا ہوگا مگر پھر بھی دیوانہ محبت میں مبالغہ کا شکار ہو ہی جاتا ہے کہ نعت گوئی ہے ہی مشکل فن۔یہ پل صراط پر چلنے جیسا ہے۔بہت پہلے عرفی نے کہا تھا:

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا ست
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

عظیم امروہوی نے اس نعتیہ مجموعہ میں اپنی تازہ کاری اور جودت طبع کا مکمل ثبوت دیا ہے کیونکہ ان کی نعتیں صرف ایک ہی ہیئت میں مقید نہیں ہیں بلکہ متنوع شعری ہیئتوں میں ان کا

ظہور ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عقیدت ایک ہیئت میں قید نہیں ہو سکتی بلکہ عقیدت اپنے اظہار کے مختلف رنگ اور راستے تلاش کرتی رہتی ہے۔ عظیم امروہوی نے 'رسولیات' کے ذریعہ اپنے خیالوں کی خوشبو کو آج کے عہد کی مسموم فضا کے حوالہ کیا ہے، اس امید کے ساتھ کہ:

اتحاد باہمی قائم ہو پورے ملک میں
اب رہے روشن سدا مالک محبت کا چراغ
اے خدا ظلم وستم روئے زمیں پر اب نہ ہو
امن کو پھونکے نہ دنیا میں سیاست کا چراغ

○○○

اُردو نعت کا اوّلین ناقد: تمنّا مرادآبادی

ڈاکٹر محمد آصف حسین (مرادآباد)

سرزمین مرادآباد پر بہت سے باکمال ادیب وشاعر پیدا ہوئے جنھوں نے اُردو ادب کی گراں قدر خدمات انجام دیں لیکن افسوس کہ مرادآباد کی کوئی ادبی تاریخ آج تک مرتب نہیں ہوسکی جس کی وجہ سے اکثر شعرائے کرام اور ادیبوں کی خدمات منظر عام پر نہیں آسکیں۔ سردست ایک ایسے شاعر کا تذکرہ مقصود ہے جس نے نعت گوئی کے حوالے سے مرادآباد کو منفرد شناخت عطا کی اس لیے نہیں کہ اُس نے پانچ نعتیہ دیوان ادب کو دیئے اور نہ اس لیے کہ سب سے پہلا حمدیہ دیوان اُس کا شائع ہوا بلکہ اس لیے کہ اُسے اُردو نعت کا اوّلین ناقد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اُس باکمال شاعر کا نام ہے مولوی محمد حسین تمنا مرادآبادی۔

مولوی محمد حسین تمنّا مرادآبادی کی پیدائش غالباً 1227ھ/1812ء میں ہوئی کیوں کہ مرزا نصیر برلاس نے 1317ھ/1900ء میں بوقت انتقال ان کی عمر 90 برس لکھی ہے۔(1) مرزا نصیر برلاس کی اس روایت کی تصدیق مولوی تمنّا کے اس شعر سے ہوتی ہے۔ ؎

مری ہشتاد سالہ عمر اور ضعف ومرض اُس پر
کہاں یارا ہے میرے سر میں اس مدحت سرائی کا

یہ شعر ان کے نعتیہ دیوان ''ترانۂ ایمان'' مطبوعہ 1308ھ میں موجود اُن کے پیر ومرشد شاہ عبدالغنی کی مدح میں لکھے گئے قصیدے میں شامل ہے۔ اس دیوان کی اشاعت کے نو سال کے بعد خاص عید کے دن یعنی یکم شوال 1317ھ مطابق 1900ء میں ان کا انتقال ہوا۔ اس حساب سے ان کی عمر بوقت انتقال قمری حساب سے نوے سال اور عیسوی سال کے حساب سے 88 سال ہوئی۔ تدفین محلّہ لال باغ میں تکیہ والی مسجد سے ملحق قبرستان میں عمل میں آئی جہاں ان کا

مزار آج بھی مرجع خلائق ہے۔

مراد آباد کے معروف شاعر قمر مراد آبادی نے اپنی کتاب 'معراجِ داغ' کا انتساب ان کے نام کرتے ہوئے انھیں اپنے دادا کا بڑا بھائی بتایا ہے نیز یہ بھی لکھا ہے کہ تمنّا ایک روشن ضمیر بزرگ تھے اور نعت گوئی میں ان کا کوئی جواب نہیں تھا بلکہ اپنے وقت کے ایک ہی شاعر تھے۔لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اتنی نسبت و اُنسیت کے باوجود قمر نے ان کے بارے میں کوئی خاص معلومات فراہم نہیں کی ،اس طرح ایک اہم نعت گو کے حالاتِ زندگی پردۂ خفا میں ہی رہ گئے۔البتہ تمنا کی بزرگی کے قائل دیگر لوگ بھی ہیں بالخصوص ''انوار العارفین'' کے مصنف صوفی محمد حسین مراد آبادی نے ان کی گوشہ نشینی اور بزرگی کا اظہار اس طرح کیا ہے:

> ''شیخ محمد حسین عرف مولوی تمنؔا اس شہر میں موجود ہیں۔باطنی و روحانی تعلیم کو اپنی نجات کا وسیلہ جان کر اسی کی ریاضت و مشق میں مشغول ہیں اور آزادنہ اور مجرد گوشۂ تنہائی میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور اپنے اوقاتِ مستعار کو کلام الٰہی کی تلاوت اور فقہی کتابوں وغیرہ کے مطالعے میں گزارتے ہیں۔فارسی و اُردو زبان میں شاعری کے فن میں کوئی مثل و نظیر نہیں رکھتے۔''(2)

مندرجہ بالا عبارت میں گوشۂ تنہائی کے ساتھ لفظ مجرد اُن کے غیر شادی شدہ ہونے کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور عوام میں بھی یہی مشہور ہے کہ انھوں نے شادی نہیں کی تھی۔لیکن تاریخ شعرائے روہیل کھنڈ کے مصنف شایاں بریلوی نے ''بارانِ نو''(1966ء) کے حوالے سے کسی شخص سیّد کہف الوریٰ کا ذکر تلامذۂ قمر مراد آبادی میں اس طرح کیا ہے کہ:

> ''سیّد کہف الوریٰ خلف الطاف حسین ابن مولوی محمد حسین تمنؔا مراد آبادی۔آپ موسیقی اور مصوری میں کمال رکھتے تھے۔وائسرائے کے آرٹسٹ تھے۔بہت سے راجا نواب آپ کے شاگرد تھے۔عرصہ تک خاکسار

تحریک سے وابستہ رہے۔'' (3)

محولہ بالا روایت سے احتمال پیدا ہوتا ہے کہ تمنا شادی شدہ تھے اور اُن کے بیٹے کا نام الطاف حسین تھا جن کے بیٹے سیّد کہف الوریٰ ہوئے واللہ اعلم۔ لیکن قوی امکان یہی ہے کہ انھوں نے شادی نہیں کی تھی، اور اُن کا گھر بار بھی نہیں تھا جیسا کہ اُنھوں نے خود کہا ہے۔ ؎

دُنیا میں گھر نہیں نہ سہی لیک اے کریم　　عقبٰی میں باغِ خلد تمنّا کا گھر بنے

خانہ ویرانی پہ اس کی رحم اُنھیں جب آئے گا　　باغِ جنّت میں تمنّا کا بھی گھر ہوگا

تمنّا محلّہ نئی سڑک پر واقع ایک مسجد میں گزر اوقات کرتے تھے اور یہیں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ ان کی زندگی کے آخری ایام اسی مسجد میں گزرے چنانچہ یہ مسجد آج بھی تمنّا والی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔

مولوی تمنّا نے تعلیم کہاں حاصل کی اور کس سے حاصل کی، اس بارے میں کوئی مستند معلومات حاصل نہیں ہوسکی البتہ اُردو شاعری میں مہدی علی خاں ذکی مرادآبادی سے اور فارسی شاعری میں غالب سے تلمذ حاصل تھا۔ (4) اپنے ایک شعر میں اُنھوں نے خود کو شاگردِ رحمٰن لکھا ہے۔ ؎

ثنا خواں تمنّا ہے شاگردِ رحماں　　یہ مضموں اسی کے بتائے ہوئے ہیں

مولانا قاسم نانوتوی نے اپنے خطوط میں تمنّا مرادآبادی اور حافظ علی حسین المعروف حضرت حافظ صاحب کا تذکرہ جس انداز میں کیا ہے (بحوالہ لطائف قاسمیہ مطبع گلزار احمدی و اسرارِ قرآنی، مطبع گلزارِ احمدی مرادآباد) اُس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ حضرات آپس میں اُستاد بھائی رہے ہوں گے۔ البتہ یہ مصدقہ ہے کہ تمنا نے تصوف و سلوک کی منازل سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے مایہ ناز بزرگ و عالم دین شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے طے کیں۔ اپنے پیر و مرشد کے اوصاف و کمالات کو ایک قصیدے میں اس طرح بیان کیا ہے۔ ؎

دُعا سے اک امام اولیا کی ہے یہ مداحی　　زمانے میں ہے روشن نام جن سے پارسائی کا

شہ عبدالغنی قطب زماں اعرف اور اکمل	اُنھیں پر خاتمہ اب ہے کمالِ رہ نمائی کا
قناعت تھی کنیز ان کی، توکل تھا غلام اُن کا	دیا حق نے اُنھیں شاہانہ سامان اولیائی کا
نہ دیکھا تھا فقط کانوں سے اس کا نام سنتے تھے	نشاں آنکھوں سے دیکھا یاں کمال پارسائی کا
کرے اُن کی زیارت وہ جسے شوق زیارت ہو	جنید و بایزید و شبلی و داؤد طائی کا
مرے مرشد مرے ہادی مرے مولا مرے آقا	مسلم جن کو منصب اولیا کی پیشوائی کا

شاہ عبدالغنی صاحب بھی مولوی تمنّا سے خصوصی اُنسیت ولگاؤ رکھتے تھے اور ان کی شاعری کے قدردان تھے۔ اُنھوں نے تمنا کے نعتیہ قصائد دیکھ کر کہا تھا کہ 'اللّٰہم ایدہ بروح القدس' یہ وہی دُعا ہے جس سے حضرت حسان کو آقا علیہ الصلاۃ والتسلیم نے نوازا تھا۔ شاید شاہ عبدالغنی صاحب علیہ الرحمہ کی پسندیدگی کی بنا پر ہی تمنا کے نعتیہ قصائد اُن کے کسی شاگرد نے روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر گیارہ مرتبے پڑھے۔ کسی بھی عقیدت مند شاعر کے لیے یہ ایک بڑی سعادت ہے۔ تمنا نے اس کا اظہار اپنے ایک شعر میں اس طرح کیا ہے۔ ؎

تمنّا شعر میرے وہ ہیں جو شاگرد نے میرے
پڑھے ہیں روضۂ حضرت پہ گیارہ بار محفل میں

تمنّا نے ذریعۂ معاش کی تلاش میں حیدرآباد کا سفر کیا اور دربار میں رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے، پھر ریاست بھوپال کا سفر کیا، جہاں نواب صدیق حسن خاں سے دوستانہ مراسم قائم ہو گئے، نواب صاحب تمنا کی عادت و اخلاق سے متاثر ہوئے۔ لیکن تمنا کو معاشی خوشحالی یہاں بھی نصیب نہیں ہو سکی۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر مرادآباد واپس آ گئے اور مسجد کے ایک گوشے میں سکونت اختیار کر لی۔

چونکہ فن شعر و شاعری اور امراء و روسا کی مدح سرائی میں خاطر خواہ پذیرائی نہیں ملی چنانچہ فکر میں تغیر و تبدل واقع ہوا اور نعت گوئی کو اپنی زیست کا وطیرہ بنا لیا۔ اسی لیے اُنھوں نے کہا ہے کہ۔ ؎

فکر کچھ اور نہ کر اے دلِ ہوشیار عبث
حمد اور نعت سوا ہیں سبھی اشعار عبث

مولوی تمنّا کے مولانا قاسم نانوتوی سے دوستانہ مراسم کے باوجود اُن سے اور اُن کے طائفے کے دیگر علما کے نظریات سے متفق نہیں تھے یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے امکانِ کذب اور امتناعِ نظیر وغیرہ کے رد میں کھل کر اپنے نظریات پیش کیے۔ بالخصوص اُن کی نثری تصانیف کا مرکزی موضوع یہی مسائل ہیں۔ اولذکر کا تعلق کیوں کہ ذات احدی سے ہے اس لیے اس مسئلے پر تمنا نے حمدیہ دیوان میں اپنی جولانی طبع کے جوہر دکھائے ہیں، جب کہ ثانی الذکر کا تعلق ذات مصطفوی سے ہونے کی وجہ سے نعتیہ دیوان میں کھل کر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

معمور جیسا اُن سے ہے میداں وجود کا — امکاں کا عرصہ خالی ہے اُن کے سہیم سے
ہے قید امتناع میں محبوس دائمی — امکاں میں کیسے آئے گا ہمتائے مصطفیٰ
خدا نے کر دیا ذاتی محال اُس کو دو عالم میں — عدم سے بھی تو پھینکا دور آنحضرت کے ہمسر کو
اُن نائبِ خدا کو نہ جانے جو بے نظیر — یکتائی خدا پہ بھی اس کی نظر نہیں
برأتِ وحدتِ احدی ہے وہ ذات پاک — آوے گا کیوں کر آپ کا ہمسر خیال میں

مولانا تمنّا ایک قادرالکلام شاعر تھے اُنھوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اللہ کی حمد اور نعت رسول اکرم کے لیے وقف کر دیا تھا۔ انھیں یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ مراد آباد میں سب سے پہلا حمدیہ دیوان انھوں نے تخلیق کیا، جس کا نام ''نشید ایمان'' ہے جو 1309ھ میں شائع ہوا اور 112 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں 199 اُردو اور 23 فارسی قصائد کے علاوہ پانچ غزلیں 4 مناجات شامل ہیں۔ اس دیوان کے اختتام پر ناشر محمد ولی اللہ نے لکھا ہے کہ:

''پوشیدہ نہ رہے کہ آج تک کسی شاعر نے دیوانِ حمد نہیں لکھا تھا۔ اب عالم ربانی صوفی حقانی شاعر لاثانی مولوی محمد حسین تمنا صاحب نقشبندی نے یہ دیوان تصنیف فرمایا...... اور مصنف موصوف کے پانچ دیوان نعتیہ تو چھپ چکے ہیں، چھٹا دیوان چھپنے کو باقی ہے۔''(5)

لیکن ڈاکٹر یحییٰ نشیط کی تحقیق کے مطابق نشید ایمان سے دس سال پہلے 1881ء میں مفتی غلام سرؔور لاہوری کا دیوان ''دیوانِ حمد ایزدی'' شائع ہو چکا تھا۔ البتہ یہ بات کامل وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ نہ نشید ایمان سے پہلے اور نہ اس کے بعد سے آج تک مرادآباد سے کوئی حمدیہ دیوان شائع نہیں ہوا۔

تمنّا کا نعتیہ دیوان ''ترانۂ ایمان'' 1308ھ میں شائع ہوا جس پر لکھا ہے کہ یہ پانچواں دیوان ہے گویا کہ اس سے پہلے چار دیوان نعتیہ شائع ہو چکے تھے۔

راقم الحروف کو مولانا تمنّا کی جو تصانیف دستیاب ہوسکیں وہ اس طرح ہیں:

(1) دیوان نشید ایمان (2) دیوان ترانۂ ایمان (3) دیوانِ نالۂ تمنّا (4) تحفۃ الائمہ (5) تحفۃ الصائمین (6) جگر شگاف (7) ابطال اباطیل (8) تحقیق ضاد (9) قصائد تمنّا۔ یہ کتب راقم الحروف کے ذخیرے میں موجود ہیں جب کہ (10) دیوان نوائے ایمان (11) آواز گشپ (12) حفظ الایمان کے نام دیگر کتابوں میں نظر سے گزرے۔

ان تصانیف کے علاوہ نواب صدیق حسن خاں نے اپنے تذکرے ''شمع انجمن'' میں تمنّا کی ایک مثنوی ''طریقۃ الاسلام'' (مطبوع 1275ھ 1860ء) کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے (6)۔

وہی مہرباں ہے نکو کار پر وہی قہر جاں ہے گنہ گار پر
گنہ عاصیوں کے مٹائے وہی رہِ نیک ان کو بتائے وہی
ثنا اس کی کس طرح ہووے ادا کہ لااحصیٰ حضرت نے جب ہے کہا

مولوی تمنّا نے اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کی ہے حالانکہ اُن کے شعری سرمائے میں اُردو کا تناسب زیادہ ہے۔ بہر حال معروف محقق مالک رام نے ان کی اُردو شاعری کو فارسی سے پست تر لکھا ہے۔(7) جہاں تک فارسی شاعری کا تعلق ہے ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ان کا ایک فارسی نعتیہ قصیدہ دیکھ کر غالب نے لکھا تھا:

''نظم نظامی نظام را دیدم بسیار خوب خوش اسلوب است''(8)

جب کہ خم خانۂ جاوید کے مصنف لالہ سری رام نے اُردو اور فارسی کی تفریق نہ کرتے ہوئے انتہائی غیر محتاط انداز میں تمنا کو معمولی شاعر قرار دیا ہے۔(9)

راقم الحروف کا خیال ہے کہ مندرجہ بالا دونوں ناقدین نے صرف بہاریہ شاعری کو ہدف تنقید بنایا ہے جو کافی حد تک درست ہے شاید اس کا احساس تمنّا کو خود بھی تھا اسی لیے اُنھوں نے بہاریہ شاعری کے مقابلے نعتیہ شاعری پر توجہ مرکوز کی بلکہ اُن کے نعتیہ دیوان میں ایسے بہت سے اشعار ملتے ہیں جو یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اُنھوں نے بہاریہ شاعری کو بالکل ترک کر کے اپنی تمام تر فنکارانہ صلاحیتوں کو نعت گوئی کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس دعوے کی دلیل میں درج ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے۔

میں شاعری میں نہیں ہوں کامل مگر بفضل خدائے رحماں
ہوا ہے صرف ثنائے حضرت نصیب یاور ہے میرے فن کا

کیا تم کو تمنّا حق نے عطا جو یہ فن سخن کرو شکر ادا
کوئی کام نہ لیجیو اس سے ذرا کسی وقت بھی حمد و ثنا کے سوا

پڑھو درود و سلام اُن پر یہی ہے لطف زبان گویا
لکھو تمنّا ثنائے حضرت یہی مزا ہے سخن وری کا

جو نعت خواں اُن کا نہیں ہے شاعری اُس کی عبث
باتیں بنانے کے لیے گویا ہوا تو کیا ہوا

کہوا ے تمنّا نعت تم جو خدا نے دی ہے یہ شاعری
ہے وہ شاعری تو وبالِ جاں شہِ دیں کی جس میں ثنا نہ ہو

اے تمنا میں تو سب سے نعت ہی کہتا رہوں
گر زباں کا کام دے مجھ کو مرا اکثر بدن

جس کے شعروں میں نہیں حمدِ خدا نعت نبی
یا وہ گو ہے وہ زلالی ہو کہ خاقانی ہو

جو اہل سخن نعت نہیں کہتا تمنّا
سحباں ہو اگر چہ وہ سخن ور نہیں بھاتا

یہی وجہ ہے کہ نعت کے کینوس پر تمنّا نے جو نقش و نگار بنائے ہیں وہ منفرد ہی نہیں ہیں بلکہ انھیں دیگر ہم عصر شعرا سے ممیّز و ممتاز مقام عطا کرنے کا جواز بھی فراہم کرتے ہیں۔

تمنا زود گو شاعر تھے، انھیں فکر و فن پر کامل عبور حاصل تھا مضمون آفرینی اور تخیل کی بلند پروازی ان کا خاصہ ہے۔ وہ اکثر دور از افکار مضامین نظم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس راہ میں ایسے نکل جاتے ہیں کہ کہیں کہیں ان کا تعاقب مشکل ہو جاتا ہے، اُن کے پاس موضوعات کی کمی

نہیں ہے جو اُن کے کثرت مطالعہ کی دلیل ہے۔ ان کے یہاں تشبیہ واستعارہ، نادر الفاظ وتراکیب ،رعایت لفظی، صنعت گری کے حامل اشعار کثرت سے ملتے ہیں۔

اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری حسن اور سراپا نگاری کے تعلق سے زُلف مبارک، گیسو مبارک، رخسار مبارک، چشمانِ مبارک، ابروئے مبارک، مژگانِ مبارک، لبہائے مبارک، دندان مبارک ،گلوئے مبارک، شانہ ہائے مبارک، سینہ مبارک، انگشت ہائے مبارک، پشت مبارک، مہرِنبوت، دست مبارک ،کلائی مبارک، زانوے مبارک، پنڈلی مبارک، پائے اقدس، نعلین مبارک وغیرہ حد تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بول و براز تک کو نعت میں شامل کیا۔ ساتھ ہی ساتھ آپ کی صفات عالیہ مثلاً آپ کی رفتار، گفتار، اندازِ تخاطب، کردار، سخاوت وشجاعت، عزم واستقلال، جواں مردی اور غزوات میں شرکت وغیرہ کو بھی نعت کا موضوع بنایا ہے۔ اپنے اظہار بیان کے لیے تمنّا نے دو ہیئتوں کا انتخاب کیا قصیدہ اور غزل۔ تمنا کے انداز واسلوب کو سمجھنے کے لیے چند منتخب اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

صفت روئے بہاریں کی سیاہی سے نہ لکھوں گا
بناؤں گا میں سرخی رنگ کاٹوں کا گل تر کا

نبی کے گیسوؤں کو سنبل تر میں نہ باندھوں گا
نہیں یہ نعت ہے رتبہ بڑھانا سنبل تر کا

بہت سیدھے چلے لکھا صنوبر قد حضرت کو
گھٹا اُس قد کا رتبہ بڑھ گیا رتبہ صنوبر کا

انھیں قاتل بتانا کس طرح سے زندہ چھوڑے گا
کرا تا قتل ہے میلا بتانا جن کی چادر کا

فلک سے طوطیانِ سدرہ وطوبیٰ اُتاروں گا
سنا کر نغمۂ نعت آپ کی شیریں زبانی کا

کروں صرف اک کلامِ نعتِ گیسوئے پیمبر میں
اگر مل جائے مجھ کو طول عمر جاودانی کا

بیاں کیا ہو مزہ شہر نبی کی زندگانی کا
جہاں کی موت ہے عنواں حیاتِ جاودانی کا

جاندار ہو رہیں یہ جماداتِ کائنات
جاں بخشیاں دکھائیں جو لبہائے مصطفیٰ

یثرب کی سرزمیں کو شرف آسماں پہ ہے
اُس کی سند ہے نقشِ کفِ پائے مصطفیٰ

بلبلِ ہند جو قسمت سے وہاں جا پہنچے
دشتِ یثرب میں کرے گل کی طرح خار پسند

حق تعالیٰ کو ہیں محبوب دو عالم کے تمام
قول وفعل وصفت وصورت وکردار پسند

میرے شعروں کو پسند اور کریں یا نہ کریں
ہے تمنا مجھے ممدوح کی درکار پسند

وسعتِ دامنِ انعامِ نبی لکھنی ہے
اپنی چادر کا فلک تو ہی بنا لا کاغذ

ذکرِ شیرینیِ اخلاقِ نبی لکھا ہے
گر نہ دیکھا ہو تو پھر دیکھ لو میٹھا کاغذ

ہو رہے مدح جواں بختی حضرت سے نیا
گر چہ ہو کیسا ہی بوسیدہ پرانا کاغذ

رقم صولت و ہیبت سے شہ عالم کے
لوحِ فولاد بھی پھٹ جائے گی کیسا کاغذ

ورق زر سے گراں مایہ ہے لاکھوں درجے
دفترِ نعت کا ہو کتنا ہی سستا کاغذ

میں نے لکھی ہے تمنا صفت نورِ نبی
میرے اعمال کا نکلے گا چمکتا کاغذ

شمع ہو جس بزم میں نورِ جمالِ مصطفیٰ
گل نظر آنے لگے اُس بزم میں آ کر چراغ

مفلسوں کے غم کدے میں تیل بتی کے بغیر
آپ کے اعجاز سے روشن رہے شب بھر چراغ

گم گیا ہے کیا کوئی ذرہ مدینے کا جو یہ
ڈھونڈھتا پھرتا ہے گردوں مہر کا لے کر چراغ

لکھا ہے مظہر جودِ خدا جودِ پیمبر کو
کیا ہے بند میں نے ایک کوزے میں سمندر کو

ذرا بھی روشنی دیوے تو اپنا منھ نہ دکھلاؤں
بہ پیشِ روئے حضرت لاؤ تو مہرِ منور کو

چمن ہے جنت اعلیٰ کا صحن پیشِ درجن کا
جو نابینا ہو اُن کے قصر کو وہ گلستاں لکھے

چمن لکھا تو کیا لکھا جہاں کانٹے بھی ہوتے ہیں
نبی کی بزم کو حسنِ بہشتی کا جہاں لکھے

مقامِ شاہِ دیں جب عرش اعلیٰ سے بھی اعلیٰ ہے
تو یثرب کی زمیں کو کیوں نہ رشکِ آسماں لکھے

معاذ اللہ گر کوئی خدا لکھے اُنھیں لیکن
خدا کا آئینہ لکھے نشانِ بے نشاں لکھے

اگر عقل و علوم اُن کے مفصل لکھ نہ سکتا ہو
مشیرِ حق لکھے اُن کو خدا کا راز داں لکھے

فدا دانتوں پہ اُن محبوب کے گوہر بھی اختر بھی
رخِ تاباں پہ صدقے ماہ بھی مہرِ منور بھی

لب و دندانِ حضرت دیکھتے ہی فرطِ خجلت سے
سمندر کی تلی میں جا پڑے مرجاں بھی گوہر بھی

پڑے گر قطرہ اُس آبِ دہن کا شور دریا میں
تو شیریں سر بسر دریا بھی ہو ماہی بھی گوہر بھی

تجلی جس مکاں میں ہو رُخِ تابانِ حضرت کی
سراسر نور کے بن جائیں واں دیوار بھی در بھی

قبائے پنبی پر ہاتھ اگر پھیریں حبیب اللہ
معطر سر بسر ابرا بھی ہو روئی بھی استر بھی

وہی دونوں جہاں میں آبرو پاوے جو رو رو کر
بہاوے اُن کی اُلفت میں جگر بھی دیدۂ تر بھی

نہ پاویں قطرۂ جودِ نبی کو گر چہ مل جاویں
کوئیں بھی حوض بھی نہریں بھی دریا بھی سمندر بھی

تمنا شاہِ دیں کی مدح پیرائی عجب فن ہے
معزز جس سے رہتے ہیں غزل خواں بھی سخن ور بھی

نبی میں جو دیکھا خدائی کا پرتو
ہوئے کم نظر کو گماں کیسے کیسے

نُلائے حجر اور شجر مصطفیٰ نے　　سخن ور کیے بے زباں کیسے کیسے
ابوبکر و فاروق و عثمان و حیدر　　ہدایت کے چھوڑے نشاں کیسے کیسے
لکھی جو نعتِ صافی دندانِ مصطفیٰ　　نقطوں کا رشتہ مل گیا دُرِّ یتیم سے
انگشت شاہِ دیں کی ہے شمشیر ذوالجلال　　باور نہ ہو تو پوچھ لو ماہِ دونیم سے
عالم کی جاں نکل گئی اور جسم رہ گیا　　جس روز سے وہ رحمت عالم جدا ہوئے

دور نبوت میں نعت گوئی کا آغاز حضرت حسان کے ذریعے دشمنانِ رسول کی ریشہ دوانیوں کے جواب سے ہوا تھا جو کہ اُس دور کی ضرورت تھی۔ تمنا کے کلام میں بھی اعدائے رسول پر لعن طعن ملتی ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا کہ شاید ہی کوئی نعت ایسی ملے جس میں اس مضمون کا کوئی شعر نہ ہو، لیکن تمنا سلیقے اور شائستگی کا دامن نہیں چھوڑتے بلکہ کہیں کہیں تو کلام میں لطیف کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ ؎

جو دشمنِ نبی ہے وہ ہے دشمنِ خدا　　کیوں کر شکست پائیں نہ اعدائے مصطفیٰ
مرہم رحمت سے سب کے زخم دل بھر جائیں گے　　لیک خصم سرورِ دیں خستہ جاں رہ جائے گا
اے عدواُن کے اشارے ہی سے گر جاوے گی　　آہنی ہے یہ ترے قلعے کی دیوار عبث
آپ فرمائیں تو سنجافِ گریبانِ عدو　　کر دے گردن کو قلم خنجر برّاں ہو کر
اُس کا خیال باندھے اگر خصم شاہ دیں　　ہو جائے زُلف حور بھی اژدر خیال میں
ہیبت ہے شہ دیں کی یہ میدانِ غزا میں　　دشمن سے اُنھیں دیکھ کے خنجر بھی نہ نکلے
دشمن نبی کا گرچہ ہو فرماندۂ جہاں　　عزت کے ساتھ اُس کی ہے ذلّت لگی ہوئی

ملحوظ رہے کہ دشمنانِ اسلام اور گستاخانِ رسول کی الزام تراشیوں، بہتانوں اور عقائد باطلہ کا رد ضروری ہی نہیں بلکہ عین ایمان ہے لیکن ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ کسی جماعت یا فرقے کا نام لینے کے بجائے اُس کے عقیدے کا رد ہونا چاہیے نیز یہ بھی دھیان رکھنا چاہیے کہ ہمارا اسلوب شائستہ اور لہجہ مہذب ہو۔ یہ اندازِ دیگر نعت میں طنز و مزاح کا پہلو نکالنا یا ایسا لہجہ اختیار کرنا کہ جس سے سامع یا قاری قہقہہ لگانے یا ہنسنے پر مجبور ہو جائے، آدابِ نعت کے قطعاً منافی ہے۔ تمنّا کی خوبی یہ ہے کہ وہ سنجیدگی و متانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے اور دشمنانِ

رسول کے رد میں عمومیت کا پہلو اختیار کرتے ہیں کسی مسلک یا جماعت کو ہدف تنقید نہیں بناتے۔

تمنا کی کچھ مخصوص لفظیات و مضامین ان کے لب و لہجے اور اسلوب کو شناخت فراہم کرتے ہیں۔جن میں شیرِ عجم اور روباہِ مدینہ، ہمائے عجم اور مرغِ مدینہ، گلزارِ عجم اور دشتِ طیبہ، چمن جنت اور صحرائے مدینہ، فیلِ عجم اور مورِ مدینہ، رستم ہند اور زالِ مدینہ، سکندر اور فقیرِ مدینہ، گلِ عجم اور خارِ طیبہ، جوہر و سنگِ مدینہ وغیرہ میں موازنے کے مضامین خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں ۔ان کے علاوہ گل و بلبل، شکرستان ، قند، شہد، شمشیر ، خصم ،گل ،نوک خار، سکندر و دارا، ضیغم و زال، مغیلاں نخل ،ثمر، پہلوانِ سیستانی، وغیرہ الفاظ کی تکرار بھی ملتی ہے چونکہ تمنا کو ایک ہی مضمون کو سو رنگ سے باندھنے پر عبور حاصل تھا لہٰذا تکرار کے باوجود یہ مضامین سماعت پر بار نہیں گزرتے بلکہ اُن کی فکر کی ندرت، لہجے کی جدت اور مضمون آفرینی کا احساس کراتے ہیں۔

گلزار مصطفیٰ کی ثنا کیا لکھے کوئی — فردوس کا نمونہ ہے صحرائے مصطفیٰ
کروں کیا وصف واں کی سرزمیں کا یہ عجم والو — مزہ ہے دودھ کا پانی میں کائی میں ملائی کا
ہو جائے مشک اُس کا سبھی گوشت تا پوست — آ جائے کاہِ طیبہ جو ہندی ہرن کے ہاتھ
کیسی ہی پستی میں ہو فرطِ تواضع سے پڑا — رتبے میں جوہر سے ہے یثرب کا ہر پتھر بلند
اُس گلی کے سنگ ریزے کو اگر جوہر کہوں — شعر میرا پست ہو اور رتبہ جوہر بلند
اگر کوئے نبی میں سیکھ لیں جانا گل و بلبل — تو جاویں بھول پھر گلزار میں آنا گل و بلبل
جتنی آسانی سے کوہِ قاف سرکا دیں نبی — اتنی آسانی سے رستم سے نہ ہرگز سر کے پھول
ہے جسے دولت ملی اُس سایہ دیوار کی — وہ نہ لیوے گا ہما کو گر ملے اک پر کے مول
دشتِ یثرب میں ہے عدلِ شاہِ دیں سے یہ اماں — کچھ نہیں واں کے ہرن کو حملۂ ضیغم سے غم
کیا پوچھتے ہو حسنِ مغیلانِ یثربی — صدقے ہزار گل ہیں اُس اک نوکِ خار کے
کھائی ہے ہوا اُس نے دیارِ شہ دیں کی — کیا سمجھے گی روباہِ عرب شیرِ عجم کو

تمنا نے صنائع و بدائع کا استعمال بھی بڑے فصیح و بلیغ انداز میں کیا ہے۔ساتھ ہی ساتھ بات سے بات نکال کر بھی کلام میں نیا رنگ بھرنے کا ہنر انھیں خوب آتا ہے۔انھیں وجوہات کی بنا پر اِن کی نعتیں شعر و ادب کا حصہ بن کر عشق و عقیدت کے ساتھ اُن کی قادرالکلامی اور فکر و فن پر

عبور کی بھی گواہ بن جاتی ہیں۔؎

پھرے جو اُن سے وہ راحت کی خواب کر نہ سکے
پلنگ بن کے اُسے پھاڑ کھائے اُس کا پلنگ

جس نے دیکھی ہے ملاحت سیّدِ کونین کی
وہ نہ لے حسن ملیح حوریاں سانبھر کے مول

آتشِ قہر پیمبر کی جو گرمی پھیلے
برف کی طرح کرے جسم عدو کو تحلیل

ایک مضمونِ ثنا سے میرا غم جاتا ہے یوں
مفلسی میں جس طرح جاتا رہے درہم سے ہم

کرے آفت کو راحت معجزہ رحمت پیمبر کا
بنا دے دھار پانی کی اگر ہو دھار آہن میں

ڈھونڈھتے پھرتے ہیں انوارِ نبی کے جلوے
روز و شب اس لیے رہتے ہیں سفر میں اختر

ابر میں روپوش ہے پر جھانک لیتی ہے کبھی
برق شرمندہ ہے اُن کے توسن رہوار سے

ابرو ہے جیم میم دہن بنی ہے الف
گیسو ہے لام چہرہ ہے دفتر جمال کا

دو دیدہ ہائے رحم و کرم ہیں کھلے ہوئے
یک صادِ مصطفیٰ و دوم طائے مصطفیٰ

تمنا کے کلام میں موسیقی کی اصطلاحات و آلات، طبی اصطلاحات، مختلف قسم کی نباتات، معدنیات، چرند و پرند کی آوازوں وغیرہ کا ذکر بھی جا بجا ملتا ہے۔ جس سے ان کی مطالعے کی گہرائی اور مشاہدے کی گیرائی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور اسی بنا پر اُن کے کلام میں ایسے ایسے ردیف و قوافی دیکھنے کو ملتے ہیں جنھیں پڑھ کر ان کی قادرالکلامی اور مضمون آفرینی کی داد نہ دینا ناانصافی ہوگی۔؎

ہے سگ کوئے نبی حلم و ادب میں ایسا
کوئی صدمہ ہو اُسے وہ نہیں کرتا عف عف

شب معراج میں حضرت کی سواری کے لیے
عرش کا سبز نصیب آیا تھا ہو کر رف رف

کون ہو عرصہ ہیجاں میں مقابل اُن کے
شیر کانپے جو سُنے آپ کے گھوڑے کی صہیل

اُن کی تکثیر سے قطرے کا سمندر ہو جائے
قطرہ بن جائے سمندر جو کریں وہ تقلیل

اُن کی کیا مدح لکھوں پاس مرے صرف مداد
نہ سمندر ہے نہ جیحوں ہے نہ سیحوں ہے نہ نیل

سنگ درگاہِ رسول ذوالجلال
قبلہ ہے الماس کا بلور کا

میہمانِ سلیماں کام ہے
طیبۂ پُر نور کی ہر مور کا

احتساب سرورِ دیں گر سُنے رشتہ ٹوٹے تار سے طنبور کا
نبی کے ہاتھ سے حق نے رمی اعدا پہ فرمائی کہاں پہنچا ہے رتبہ اُن کے پنجوں کا کلائی کا
حکم فرار دیویں جو صحرا کو شاہِ دیں یہ چوکڑی بھرے کہ نہ آوے ہرن کے ہاتھ
وصف رخِ نبی جو تمنا ہے لکھ رہا شرمندہ ہیں سریر سے نغمے ہزار کے

تمنا نے کچھ ایسے مضامین بھی نظم کیے ہیں جو اُن کے دیگر معاصرین کے یہاں بھی ملتے ہیں۔ البتہ اُنھوں نے اپنی ندرت فکر سے ان مضامین کو نیا اسلوب عطا کیا۔ مثلاً احمد بے میم یا احمد اور احد کا بیان۔ حالانکہ یہ مضمون انتہائی حساس سمجھے جاتے ہیں معمولی بے توجہی خدا سے جدا کرنے کے لیے کافی ہے لیکن تمنا کی فکروفن اور شریعت پر دسترس کا عالم یہ ہے انھوں نے ان مضامین کو شعر کے پیکر میں اس طرح ڈھالا کہ شرعاً بھی کوئی نقص واقع نہیں ہوا اور اسلوب میں بھی دلکشی پیدا ہوگئی۔

جو احمد منھ سے کہتا ہوں احد اکثر نکلتا ہے عیاں توحید حق یکتائی حضرت سے ہے ایسی
احمد ہیں جس کے پاس احد اُس کے پاس ہے جس کو ملا مدینہ اُسے کیا نہیں ملا
تمنا رحمت واُلفت سے رکھا نام احمد کا احد نے نام میں اپنے لگا کر میمِ محبوبی

تمنا نے جا بجا اپنے کلام میں ہندی الفاظ اور محاوروں اور ضرب الامثال کا استعمال بھی بڑا برمحل کیا ہے۔ جو اُن کی فنی پختگی اور مشاقی کی دلیل ہے۔ بعض جگہ تو شعر میں محاورے سے ایسی جان پڑ گئی ہے کہ قاری داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مومن نہیں جو رحمت حق سے نراس ہے وہ رحمتِ خدا ہیں نہ ہو اُن سے نااُمید
جیتے ہی جی تمام بداندیش مرگئے جب دوستوں نے اُن کو حیات النبی کہا
جلا کر دل ہم اُن کی راہ میں دھونی رماتے ہیں چلا جاتا نہیں ہم سے کریں کیا ناتوانی کو
پھرتے ہیں گل بھی چاک گریباں کیے ہوئے بلبل کا حال پوچھو نہ یثرب کے شوق میں
امتحاں کے لیے گر سات سمندر ملتے قطرۂ جودِ شہ دیں کو نہ پاتے زنہار

نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے حد درجہ عشق و محبت کے باوجود با محمد ہُشیار باش کے مصداق تمنا نے نعت گوئی میں انتہائی محتاط رویہ اختیار کیا ہے اور کہیں بھی ندایہ الفاظ وصیغوں

کا استعمال نہیں کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات و معجزات کو حکم الٰہی کے تابع قرار دیا ہے ؎

پھیر دیں اُس کو جدھر چاہیں بحکم کردگار
شاہِ دیں کی ہے زمامِ مہرِ خاور ہات میں

مسلک اہلسنّت پر علامہ فضلِ حق خیر آبادی کے نظریات کے تتبع اور تن من دھن ذات رسول پر قربان کرنے کا جذبہ رکھتے ہوئے اُنھوں ہر جگہ آپ کا وسیلہ اور واسطہ اختیار کر کے رب العالمین سے امداد و فریاد کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے چند مثالیں۔ ؎

الٰہی رحم کر اس پر طفیل سیّد عالم — تمنائے ثنا گستر پھنسا ہے سخت مشکل میں
اک عمر سے محبوب کا تیرے ہے ثنا خواں — اب بخش دے غفار تمنائے دڑم کو
محبوب کے طفیل تمنّا کو اے کریم — محفوظ رکھیو دونوں جہاں کی گزند سے
بخش دے عصیاں تمنّا کے برائے مصطفیٰ — یا قوی بدلہ نہ لینا ناتواں بیمار سے
الٰہی رحم کر صدقہ نبی کا — ترا بندہ تمنا خستہ جاں ہے

نعت گوئی کے آغاز سے آج تک لاتعداد مداحانِ رسول نے اپنی عقیدتوں کا اظہار مختلف پیرایوں میں کیا ہے لیکن کوئی بھی آج تک یہ دعویٰ نہیں کر سکا کہ اُس نے مکمل طور پر حق ادا کر دیا یا اُس نے کوئی مضمون نظم کرنے سے نہیں چھوڑا بلکہ ہر شخص نے یہی کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل توصیف و نعت اُس کے بس میں نہیں ہے۔ تمنّا نے انھیں جذبات کو اس انداز میں پیش کیا ہے۔ ؎

طے کر چکی ہے نعت کے لاکھوں ہی مرحلے — لیکن ہنوز فکر تمنا سفر میں ہے
نعتِ نبی تمام تمنّا نہیں ہوئی — ایسے ہی کہتے کہتے ہزاروں گزر گئے

تمنا نے پوری توجہ صنف قصیدہ اور غزل پر مرکوز رکھی، اُن کے یہاں مثنوی، قطعہ، ترجیع بند وغیرہ ہیئتوں میں بہت کم کلام ملتا ہے، البتہ امام زین العابدین، جان محمد قدسی، شیخ سعدی اور رضوان مراد آبادی کی نعتوں کی تضامین مثلث، مخمس اور مسدس کی ہیئت میں ہیں جن سے معلوم

ہوتا ہے انھیں دیگر ہیئتوں پر بھی قدرت حاصل تھی لیکن ان کی طبیعت کا میلان قصیدہ اور غزل کی طرف تھا لہٰذا انہوں نے اس طرف زیادہ توجہ دی۔

تمنا کی نعتیہ شاعری کے تعلق سے اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر حبیب الرحمٰن رحیمی نے جو رائے قائم کی ہے اُس سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔ وہ لکھتے ہیں:

''تمنا دبستانِ لکھنو سے تعلق رکھنے والے نعت گو شعرا میں اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں، وہ اس دور کی نعت گوئی کی تاریخ کے اہم فرد ہیں، انھوں نے مختلف موضوعات پر بے شمار نعتیں کہی ہیں، ان کے نعتیہ دیوان نے اُردو ادب میں نعت کی فضا کو مزید عام کیا اور ایسا ماحول پیدا کیا کہ ان کے بعد امیر مینائی اور محسن جیسے شعرا نے نعت کو اپنا موضوعِ سخن بنایا اور اسے ایک صنف کا درجہ دلایا۔''(10)

اردو نعت کا اوّلین ناقد:

مندرجہ بالا تمام خوبیوں کے ساتھ تمنّا کی شاعری کا ایک اہم گوشہ جو انھیں دیگر شعرائے نعت سے ممیّز و ممتاز کرتا ہے اور اُردو نعت گوئی کی تاریخ میں انھیں زندہ و جاوید رکھنے کے لیے کافی ہے وہ ہے اُردو نعت کے حوالے سے اُن کے تنقیدی نظریات۔ اُنھوں نے معاصر نعت گو شعرا کی بے اعتدالی اور نعت کی لفظیات و ضمائر پر اُس وقت ناقدانہ کلام کیا کہ جب نعت کو صنفِ سخن کا درجہ بھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ اس سے قبل کہ تمنّا کے تنقیدی نظریات کا مطالعہ کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بحیثیت صنف سخن نعت کے تشکیلی لوازمات کی وضاحت کر دی جائے۔

بحیثیت صنف سخن نعت دو طرح کے لوازمات سے تشکیل پاتی ہے:

(1) داخلی لوازمات یا بنیادی لوازمات

(2) خارجی لوازمات۔

داخلی لوازمات کا تعلق ایمان اور عقیدے سے ہے۔ جس کے لیے ضروری ہے کہ نعت کہنے سے پہلے قرآن و حدیث، سنن و آثار اور سیرت مبارکہ کا مطالعہ کیا جائے نیز آل واصحاب اور

دیگر متعلقات رسول سے وابستگی کے ساتھ حفظ مراتب و آدب سے کما حقہ واقفیت حاصل کی جائے کیوں کہ یہ نعت کے وہ لوازمات ہیں جن کا لحاظ رکھے بغیر نعت نہیں کہی جاسکتی ۔ اگر ذرا بھی لاپرواہی کی تو ایمان وعقیدہ خطرے میں پڑ جاتا ہے ۔ اسی لیے انھیں نعت کے داخلی یا بنیادی لوازمات کہا جاتا ہے۔

نعت کے داخلی لوازمات سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد اپنے جذبات کو شعری قالب میں ڈھالنے کے لیے فن شعر گوئی پر دسترس حاصل کرنا بھی ضروری ہے ۔ کیوں کہ جب بحیثیت صنف سخن نعت کی بات کی جاتی ہے تو فن شاعری یعنی عروض، مضمون آفرینی، طرزِ اظہار میں جدت، فکر میں ندرت، صنائع وبدائع کے استعمال پر قدرت، حقیقت نگاری پر دسترس، احساس میں نزاکت اور جذبات میں توازن جیسے لوازمات بھی ضروری ہو جاتے ہیں ۔ انھیں ہم نعت کے خارجی لوازمات کہہ سکتے ہیں۔ ان لوازمات کی رعایت رکھے بغیر جو نعت کہی جاتی ہے وہ اظہار عقیدت کا ذریعہ تو یقیناً بن سکتی ہے لیکن نقد ونظر کی کسوٹی پر اُسے نعت نہیں کہا جاسکتا۔ لہٰذا نعت گو کے لیے ضروری ہے کہ نعت کے داخلی لوازمات کے ساتھ ساتھ خارجی لوازمات کو بھی ملحوظ رکھے تاکہ نعت معنوی اور صوری اعتبار سے حتی الامکان عیوب ونقائص سے پاک رہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص نعتیہ ادب پر تنقید کرتا ہے تو اس کے لیے بھی یہ لازم ہے کہ وہ نعت کے داخلی لوازمات کے ساتھ ساتھ خارجی لوازمات سے بھی کما حقہ واقفیت رکھتا ہو۔

نعت کے تعلق سے عام رجحان یہ ہے کہ جب نعت پر گفتگو کی جاتی ہے تو حصول ثواب کا ذریعہ سمجھتے ہوئے اس کے ادبی پہلوؤں پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے جس کی وجہ سے نعت گوئی کو ادب میں وہ مقام حاصل نہیں ہو سکا جو اس کا حق تھا۔ اس بے اعتنائی کا ذکر کرتے ہوئے رشید احمد صدیقی نے بہت اچھی بات کہی ہے کہ:

> ’’نعتیہ کلام کی محرومی یہ رہی کہ ہمارے بیشتر شعرا نے اسے ایک مقدس رسم سمجھ کر اختیار کیا اور سننے والوں نے ثواب کی خاطر آہ یا واہ کر لی، اس طرح

کے کلام ،اس طرح کے شعرا اور اس طرح کے مقاصد نے مل جل کر نعت کو
شریفوں یا شاعروں کا شیوہ نہیں، مراثیوں کا پیشہ بنا دیا ہے۔'' (11)

غالبًا یہاں مراثیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو گلوکاری کا فن دکھاتے ہوئے نعت پڑھتے ہیں اور جن کی توجہ نفس مضمون یا محاسن کلام سے زیادہ آواز پر رہتی ہے نیز ان کے سامعین میں بھی اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہوتی ہے اگر کوئی شخص ان کی کسی کمی کوتاہی یا غلطی پر توجہ دلاتا ہے تو سیدھا سا جواب ملتا ہے کہ یہ عشق کی باتیں ہیں، عقل والے کیا سمجھیں گے! نعت کے تعلق سے یہ رجحان مناسب نہیں ہے کہ عشق کی باتیں ہیں جو چاہے کہیے اور نہ ہی اس سلسلے میں موسیٰ علیہ السلام اور چرواہے کی گفتگو یا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لکنت زبان کو دلیل بنایا جاسکتا ہے کیوں کہ یہ دونوں باتیں صرف اور صرف اُنھیں لوگوں کے لیے دلیل بن سکتی ہیں جو عشق کی اُس منزل میں ہوں جہاں عشق سے مغلوب ہو کر ہوش و خرد اُن کا ساتھ چھوڑ دیں یا خالق کائنات نے اُن کی تخلیق اس طرح کی ہو کہ وہ چاہتے ہوئے بھی لفظوں کو صحیح طرح ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ لیکن وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے ہوش و خرد سے نوازا ہو اور شعور کی دولت بخشی ہو، وہ اس سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا ہے بلکہ اس کے لیے تو فرض ہو جاتا ہے کہ وہ تمام اسباب کے ساتھ صحیح سے اصح کی تلاش میں اُس وقت تک سرگرداں رہے جب تک اس حد تک نہ پہنچ جائے کہ اس سے زیادہ تلاش و جستجو اور محنت و کوشش وہ نہیں کرسکتا۔ کیوں کہ بقول جگر:

> ''دربارِ حبیب سے حد درجے کا عشق، بارگاہِ مدینۃ الرسول کی یاد اور گنبدِ خضریٰ کا تصور زندگی کا سہارا ہے۔ ذکرِ حریمِ رسالت خلاصۂ ایمان و باعثِ حیاتِ جسم و جاں ہے۔ (لیکن) فطرتِ صالحہ با محمد (ﷺ) ہوشیار کی رازدار ہے۔'' (12)

عرفیؔ نے اس فن کی نزاکت کو شعر کے قالب میں ڈھال کر اس طرح پیش کیا ہے کہ:

عرفی مشتاب این رہِ نعت است نہ صحرا ست
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

یعنی اے عرؔفی عجلت نہ کرو، تیز نہ چلو، یہ نعت گوئی کا راستہ ہے کوئی جنگل یا بیابان نہیں کہ سرپٹ بھاگے چلے جاؤ۔اس راستے پر ذرا آہستہ چلو کہ یہاں ہر قدم تلوار کی دھار پر پڑ رہا ہے۔

اُردو نعت میں عشق مجازی کے لوازمات ایران سے داخل ہوئے اور فارسی شاعری کے ذریعے اُردو میں آئے ، اِدھر اُردو کی صوفیانہ شاعری بھکتی تحریک سے متاثر ہوئی ۔نیتجتاً اُردو کی نعتیہ شاعری بھی اس سے اچھوتی نہ رہ سکی اور کچھ شعرا کرام نے غیر محتاط انداز اختیار کرتے ہوئے جذبات عشق سے مغلوب ہو کر نعت میں کچھ ایسے مضامین داخل کر دیے جو کہ مقامِ احدیت اور شانِ نبوت کے خلاف تھے۔ مثلاً اللہ کو دولہا اور آپ کو دُلہن کہنا، بالم کہنا ، بت کہنا، کنہیّا یا سنولیا کہنا،کبھی آپ کے بندہ نہ ہونے کا اظہار کرنا کبھی خدا ماننا، چرواہا کہنا وغیرہ ۔اسی طرح اُردو غزل میں محبوبِ مجازی کیلیے استعمال ہونے والے الفاظ و تراکیب جیسے کافر چشم ،نرگس بیمار، شوخ چشم ، مژگاں کو خنجر و تلوار سے تشبیہ دینا، گیسوؤں کے لیے شامِ محن کا استعمال، گیسو کو مار، قامت کو قیامت، محبوب کو جلاد، ستم گر، جادوگر کہنا وغیرہ، نعت جیسی مقدس صنف سخن میں داخل ہو گئے۔

تمناّ چونکہ عالم دین تھے اور عربی زبان و ادب سے واقف تھے، فارسی شعر و ادب اور فن شاعری پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔یعنی وہ نعت کے داخلی اور خارجی دونوں لوازمات سے کماحقہ واقف تھے۔لہٰذا اُنھوں نے ہر پہلو سے نعتیہ ادب پر تنقید کا فریضہ ادا کیا۔راقم الحروف کے محدود مطالعے میں دوسرا کوئی شاعر یا ادیب نہیں جس نے اس طرح تنقید کی ہو جیسے کہ تمؔناّ نے کی۔اس طرح تمناّ کو نعتیہ ادب کا اوّلین ناقد کہنا بجا معلوم ہوتا ہے،اور یہ اُن کا گراں قدر کارنامہ ہے۔

داخلی لوازمات کا جہاں تک تعلق ہے تمؔناّ بڑے واضح انداز میں متعدد مقامات پر مختلف پیرایوں میں بار بار اپنے شعروں کے ذریعے شعرا کرام کی توجہ اس طرف مبذول کراتے ہوئے کہتے ہیں۔ ؎

بجالانا ادب حضرت کا سب کو عین ایماں ہے
جو شاعر بے ادب ہیں مفت میں ایماں کو کھوتے ہیں

تمنّا نعت میں ترک ادب کو کفر کہتا ہے
ثنا خوانِ حبیب اللہ دیکھو ایسے ہوتے ہیں

علم درکار ہے حضرت کے مراتب کا اسے
سمجھو آسان نہ شہِ دیں کی ثنا خوانی کو

نہیں وہ نعت بلکہ آفتِ ایمانِ شاعر ہے
ادب پورا حبیب اللہ کا جس میں نہ شامل ہو

جو نعت گوئی کا شاہِ دیں کی ہے شوق تم کو تو اے تمنّا
ہزاروں تعظیم اور ادب سے کہو ستودہ سخن بنا کر

نعت حضرت ہے تمنّا یہ ادب سے کہنا
بے ادب کرتے ہیں اس راہ میں ایماں کو تلف

ہوش سے کہنا تمنّا یہ ادب کا ہے مقام
نعتِ حضرت عاشقوں کی سی غزل خوانی نہیں

نعت کا شعر اگر ہووے ادب سے خالی
قول بوجہل سے ہم اس کو نہ کم جانتے ہیں

بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ تمنّا ایسی محفلوں کو بھی اچھا نہیں سمجھتے جہاں بے ادبی پر مشتمل مضامین پڑھے جائیں وہ کہتے ہیں۔

پڑھے جاویں جہاں حضرت کی نسبت بے ادب مضموں
جہنم سے بھی بدتر جانتا ہوں ایسی محفل کو

تمنّا صرف تنقید ہی نہیں کرتے بلکہ وہ مشورہ بھی دیتے ہیں کہ اگر کوئی شاعر اپنے فن سخن وری کو عروج پر پہنچانا چاہتا اور بے ادبی سے دور رہنا چاہتا ہے تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرے اور آپ کے مقام و مرتبے سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد نعت کہے۔

یہ نعت گویوں کو ہے مناسب کہ علم سیرت کو کر کے حاصل
ثنائے رفعت کریں نبی کی عروج دیکھیں سخن وری کا

علم درکار ہے حضرت کے مراتب کا اسے
سمجھو آسان نہ شہِ دیں کی ثنا خوانی کو

تمنّا نے کلامِ الٰہی اور احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اپنے معاصر نعت گو حضرات کے کلام پر کھل کر تنقید کی۔ اور اپنے تنقیدی نظریات کو 79 شعروں پر مشتمل ایک نظم میں پیش کیا جس میں ایک طرف غیر شرعی مضامین کی نشاندہی کی ہے تو دوسری طرف نعت کی

لفظیات کو بھی ہدف تنقید بنایا ہے جو نعت کی عظمت و تقدس کے منافی ہیں۔

یہ نظم راقم الحروف کے پاس موجود تمنا کی قلمی بیاض سے نقل کی جارہی ہے۔ ممکن ہے کہ اُن کے کسی دیوان میں شامل بھی ہو جس تک احقر کی رسائی نہیں ہوسکی۔ ملاحظہ فرمایئے اس نظم کے چند منتخب اشعار۔

نعت خوانو! شہ دیں کو نہ پریوار کہو — غیرتِ حور و پسندیدۂ غفار کہو
پستہ اس کو نہ کہو اور نہ کہو غنچہ و گل — دہنِ شاہ کو ایماں کا شکربار کہو
یار اُن کو نہ کہو یہ ہے برابر کا سخن — مرشد و ہادی و آقائی مددگار کہو
چشم کو اُن کی غضب تم نہ کہو ہے یہ غضب — کوثر مہر کی ہے دوساغر سرشار کہو
کافر اُس چشم کو کہتے ہو یہ ہے کفر صریح — دافع کفر کہو ہادی کفار کہو
ہے نظر اُن کی تو امراضِ تن و جاں کو شفا — چشم حضرت کو نہ تم نرگس بیمار کہو
دیکھا حضرت نے جن آنکھوں سے ہے دیدارِ خدا — اُن کو کافر نہ کہو دشمنِ کفار کہو
کفر حضرت کو لگا چشم کو کافر جو کہا — اُن کو کافر نہ کہو دین کا سردار کہو
کافر اُس چشم کو بوجہل لعیں نے نہ کہا — کیسے تم کہتے ہو اے نام کے دین دار کہو
شوخ چشم اُن کو بتاتے ہو ستم کرتے ہو — بے حیا کہتے ہو اُن کو تو حیادار کہو
رشتہ جان حیا و کرم و رافت ہے — اُن کے مژگاں کو نہ تم خنجر خونخوار کہو
اُن کے گیسو کو تم شامِ محن کہتے ہو — ابرِ الطاف و سیہ پردۂ انوار کہو
کہہ کہ تم اُس کو بلا جاں پہ جو لیتے ہو بلا — غیرتِ معدن فیضِ شہ ابرار کہو
زُلف اُن کی نہ بتاؤ کہ وہاں زلف نہیں — وہاں تو گیسو ہے اُس کو نہ مگر مار کہو
قامتِ رحمتِ عالم کو قیامت نہ کہو — نخلِ رافت کرم و فضل سے پُر بار کہو
راستی دین خدا کی کہو اُس قامت کو — سروِ بستانِ قدس نادرۂ رفتار کہو
کہتے ہو قاتل و جلّاد اُنھیں ہے یہ ستم — راحمِ خلق کہو بندوں کے غم خوار کہو
حق تو فرماتا ہے حضرت کو رؤف اور رحیم — قہر ہے تم اُنھیں جلاد و ستم گار کہو
بت اُنھیں کہتے ہو ہے بت تو نجس و ناری — نایب حق کو نجس اور نہ فی النار کہو
ہادیٔ دین خدا سیّدِ اربابِ جناں — بت شکن بیخ کنِ مذہبِ کفّار کہو
اپنا چرواہا بتاتے ہو یہ نسبت ہے بری — جانبِ حق سے اُنھیں خلق پہ سردار کہو

اپنا چرواہا اُنھیں کہتے تھے کفّارِلعیں دیکھو تفسیر نہ تم گفتۂ کفّار کہو
باپ بھی کہنا اُنھیں منع ہے دیکھو قرآن کیوں ہو چرواہا بتانے کے روادار کہو
اُن کو کہتے ہو کنہیا وہ ہے کالا ہندو بدتریں کفر ہے یہ ایسا نہ زنہار کہو
اُن کو یثرب کا سنولیا نہ کہو کفر ہے یہ مہر تاباں سے بہت بڑھ کے پُر انوار کہو
نورِمعصوم ہیں وہ نائبِ رحماں اُن کو تم نہ ہندوے سیہ فام و سیہ کار کہو
شاہِ کونین کو ہرگز نہ کہو بنجارا آپ کو بردہ کہو اُن کو خریدار کہو
راحتِ جانِ دو عالم ہیں حبیبِ رحماں اُن کو ظالم نہ کہو خلق کا غم خوار کہو
عین حق عین خدا اُن کو کبھی کہتے ہو یہ بڑا کفر ہے بیہودہ نہ گفتار کہو
اُن کو بندہ نہیں کہتے ہو یہ ہے کفر صریح درگہ حق میں اُنھیں بندہ مختار کہو
لفظ تحقیر بلا قصد حقارت جو کہے مرضِ کفر میں ایسے کو بھی بیمار کہو
کوئی سوتے میں بھی تحقیر کرے اُن کی اگر قید میں کفر کی اُس کو بھی گرفتار کہو
اُن کے نعلین کی تحقیر کرے گرکوئی تم اُسے مرتد و بے دین و بد اطوار کہو
اُن کی آواز سے آواز کرے جوکہ بلند نیک اعمال کو اُس شخص کے بیکار کہو
اُن کی ایذا تو ہے تحقیق خدا کی ایذا بات کوئی شہِ دیں کی نہ دل آزار کہو
دولہ اللہ کو حضرت کو دُلہن کہتے ہو گالیاں دونوں کو دیتے ہو نہ زنہار کہو
کبھی اللہ کو کہتے ہو نبی کا بالم شوہر اُس کو نہ کہو بات نہ دُشوار کہو
غیرتِ شاہِ رسل سے ڈرو دُلہن نہ کہو مردِ یکتاے جہاں نایب قہار کہو
ہجو کے ساتھ میں ہے عشق کا دعویٰ بھی تمھیں کیا یہی ہجو ہے اُس عشق کے آثار کہو
نعت کا نام ہے یا ہجو ہے یا ٹھٹھا ہے کس لیے ہوتے ہو بے فائدہ فی النا رکہو
حق سے اور اُس کے نبی سے تو بگاڑی تم نے ہوکے اب کس کے رہے اے نئے دین دار کہو
میں جو کہتا ہوں یہ سب دیکھو کتابوں میں لکھا قول کو میرے نہ بے اصل نہ بے کار کہو
اے تمنّا ہے یہاں بے ادبی کا جو رواج کوئی ڈرتا ہی نہیں کفر سے سو بار کہو(13)

اس نظم کے علاوہ بھی تمنّا جابجا اپنے کلام میں اُردو نعت گو شاعروں پر تنقید کرتے نظر آتے ہیں مثلاً۔

بنا رکھا ہے اُن کو دُنیوی معشوقِ نفسانی کہ جلادِ جہان و شوخ چشم اُن کو بتاتے ہیں
خدا نے خادموں کو اُن کے محبوب اپنا فرمایا اُنھیں یہ بدزباں مداح چرواہا بتاتے ہیں

یہ کیساظلم ہے کیسا غضب ہے کیسی آفت ہے   خدا کو دولہ حضرت کو دُلہن پڑھ کرسناتے ہیں

تمنّا نے جن مضامین اور جن الفاظ کو ہدف تنقید بنایا ہے اُن میں سے اکثر ہماری نظروں سے گزرے ہیں۔لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس طرح کے مضامین اُس دور میں زیادہ نظم کیے گئے جب نعت کی اصطلاح رائج نہیں ہوئی تھی بلکہ نعت کو بھی غزل کہا جاتا تھا اور اس میں عاشقانہ مضامین نظم کیے جاتے اور ایسے کلام کو عارفانہ کلام کہہ کر بات ختم کردی جاتی تھی۔الحمدللہ موجودہ دور کی نعتیہ شاعری میں اس طرح کے مضامین نہیں نظم کیے جاتے لیکن ان مضامین کی جگہ دیگر قابل گرفت مضامین نعت میں داخل ہوگئے ہیں۔

تمنّا نے نعت کی لفظیات، ضمائر اور نفس مضمون، تین چیزوں پر خاص طور پر توجہ مرکوز کی نعت میں کس طرح کے الفاظ استعمال ہونے چاہئیں اور کن الفاظ کا استعمال نہیں ہونا چاہیے۔اس سلسلے میں اُن کی تنقید میں کچھ اشارے ملتے ہیں مثلاً جب حضور علیہ السلام صحابہ کرام سے گفتگو فرماتے اور حضرات صحابہ کی سمجھ میں اگر کوئی کلمہ نہیں آ تا تو عرض کرتے تھے راعنا یا رسول اللہ یعنی اے اللہ کے رسول اس کلام میں ہماری رعایت فرماتے ہوئے دوبارہ ارشاد فرمائیے۔یہی کلمہ ’’راعنا‘‘ یہود کی زبان میں ایک گالی تھی، یہود بھی خدمت اقدس میں یہی کلمہ بُری نیت سے کہتے تھے، اللہ تعالیٰ کو یہ بات اپنے محبوب کے لیے پسند نہیں تھی (14) لہٰذا وحی نازل فرمائی کہ:

> ترجمہ: اے ایمان والوں! راعنا نہ کہو یوں عرض کرو کہ "اُنظرنا" (یعنی حضور ہم پر نظر رکھیں) اور پہلے ہی سے بغور سن لو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (سورہ بقرہ رکوع-13)

اس طرح مسلمانوں کو وہ کلمہ بولنے سے روک دیا گیا جس کے دو معنی نکل رہے تھے جس میں ایک معنی اچھے تھے اور دوسرے بُرے۔اس سے ثابت ہوا کہ آپ کی نعت میں ایسے ذو معنی الفاظ کا استعمال بھی نہیں کرنا چاہیے جس کے ایک معنی مدح پر اور دوسرے ذم پر دلالت کرتے ہوں بلکہ ایسے الفاظ کا انتخاب کرنا چاہیے جو ہر پہلو سے مدح پر دلالت کرتے ہوں اور اُن میں ذم

کا شائبہ تک بھی نہ ہو۔ بقول ڈاکٹر ریاض مجید:

''نعت کی فضا چونکہ غزل سے مختلف ہے لہٰذا موضوع کی مناسبت سے الفاظ کے انتخاب میں بھی ایک پاکیزگی اور شائستگی کا احساس کارفرما ہونا چاہیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی اور شیفتگی کا شرف اس امر کا متقاضی ہے کہ نعت میں ایسے کسی بھی لفظ کے استعمال سے اجتناب کیا جائے جس سے کسی گستاخی، غیر شائستگی یا سوقیانہ پن کا اظہار ہوتا ہو۔''(15)

تمنّاؔ نے قرآن کے اس حکم کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس طرح کے الفاظ سے نہ صرف گریز کیا بلکہ یہ پیغام بھی دیا کہ اس طرح کا کوئی بھی لفظ یا تشبیہ یا استعارہ استعمال نہ کیا جائے جس سے کوئی ذم کا پہلو بھی نکلتا ہو۔ مثلاً تمنّاؔ کے درج ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے:

آنکھ کی خوب صورتی کی ظاہر کرنے کے لیے غزل چشم یا آہو چشم کہہ کر بولا جاتا ہے لیکن تمنّا کہتے ہیں۔

اک معنی ہیں آہو کے ہرن دوسرے ہیں عیب
چشمِ شہِ کونین کو آہو نہ کہوں گا

اسی طرح بو ایک مہمل لفظ ہے جو اپنے سابقے سے بامعنی بنتا ہے مثلاً خوش بو یا بد بو۔ تمنّاؔ ایسے الفاظ کے استعمال سے بھی گریز کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اک گھاس ہے گل اُن کو میں گل رو نہ کہوں گا
اُس جسم کی خوش بو کو فقط بو نہ کہوں گا

اسی طرح تشبیہات کے تعلق سے تمنّا کا نظریہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بے مثال ہے۔ آپ کو یا آپ کے کسی عضو کو کسی شے سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی مثلاً اکثر شعراء کرام آپ کے چہرۂ انور کو چاند سے تشبیہ دیتے ہیں جب کہ تمنّاؔ کہتے ہیں کہ چاند گھٹتا بڑھتا رہتا ہے کبھی گہن بھی لگتا ہے لہٰذا آپ کے چہرۂ انور کو چاند سے تشبیہ دینا مناسب نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

یہ ماہ تو گھٹتا ہے کبھی اور کبھی گھٹتا
محبوبِ الٰہی کو تو مہ رو نہ کہوں گا

موجودہ دور میں نعت گوئی کے علاوہ نعت خوانی کو بھی خوب فروغ ہوا ہے اور نعت خواں حضرات کی ایک بڑی جماعت ہے جو محفلوں میں چھائی ہوئی ہے۔ یہ لوگ خوب لہک لہک کر نعتیں پڑھتے ہیں اور مضمون سے زیادہ آواز کو اہمیت دی جانے لگی ہے حد تو یہ ہے کہ کہیں کہیں فلمی گانوں کی دھن پر بھی نعتیں گنگنائی جاتی ہیں جس کی وجہ سے محفلوں کا تقدس پامال ہوتا ہے۔ تمنّاؔ نے اُس دور میں اس طرف بھی توجہ دی اور کہا۔ ؎

ہے نغمۂ حق نعتِ نبی لاؤ نہ اس میں
نے زمزمۂ زیر کو نے نالۂ بم کو

ضمائر کا استعمال:

مجموعی طور پر اُردو شاعری پر فارسی شاعری کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں ۔چونکہ فارسی میں ضمیر ''تو'' کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے لہٰذا وہاں بغیر کسی امتیاز کے ہر شخص کے لیے 'تو' اور 'تیرا' استعمال ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکثر اُردو شعرا فارسی شاعری کے تتبع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے 'تو' اور 'تیرا' کا استعمال کرتے ہیں ان ضمائر کا استعمال کرنے والوں میں جیّد علما بھی ہیں اور معمولی پڑھے لکھے شعرائے کرام بھی لہٰذا اسے معیوب نہیں سمجھا جاتا اور نہ ہی ایسے لوگوں کی نیت پر شک کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کے جذبے کی صداقت یا عشق میں کوئی کمی کہی جا سکتی ہے۔

البتہ جب اُردو کی بات کی جاتی ہے تو اُردو کے خزانے میں 'تو، تیرا اور اُس کے بجائے تم، آپ اور اُن جیسے ضمائر موجود ہیں ۔تو خوب سے خوب تر کے اصول کے تحت جب ایک اچھا متبادل ہمارے پاس موجود ہے تو اس کا استعمال کرنا چاہیے۔ یہ ایک بڑا نکتہ ہے جس کو تمنّاؔ نے اُس دَور میں اُٹھایا جب اس طرف کسی دوسرے شاعر یا ادیب نے توجہ بھی نہیں دی تھی۔ یہاں ایک خاص بات یہ ہے کہ تمنّاؔ نے اس کو اُردو شاعری کا مسئلہ بنا کر ہی اُٹھایا جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ۔ ؎

اُٹھایا ہے سر ایسا شاعروں نے نعت خوانی میں　　یہ ادنیٰ ہے کہ اُن کو تم کے بدلے تو سناتے ہیں

ہندی شعرا کہتے ہیں ''تو'' اُن شہِ دیں کو کتّے کو بھی اُس راہ کے میں'' تو'' نہ کہوں گا

مندرجہ بالا شعر میں ہندی شعرا سے مراد اُردو شاعروں ہی سے ہے۔فارسی شاعری اس سے مبرا ہے یہی وجہ ہے کہ تمنّا نے اپنی فارسی نعتوں میں تو ہی استعمال کیا ہے۔البتہ ہزار ہا اشعار پر مشتمل اُردو نعتوں میں اُنھوں نے کہیں بھی ''تو''، ''تیرا'' یا ''اُس'' کا استعمال نہیں کیا۔اُردو میں ان ضمائر کے استعمال کو وہ بے ادبی تسلیم کرتے ہیں اور اس سے اجتناب کا مشورہ دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ے

اپنے خادم کو تو تم اُن کو کہو تو افسوس تم کہو آپ کہو حضرت و سردار کہو
اُس اُنھیں کہتے ہو اُن کیوں نہیں کہتے اُن کو چھوڑو اس بے ادبی کو نہ یہ زنہار کہو
لفظ او کہہ کے اُنھیں کہتے ہو کملی والے کیوں لیے قتل کو ایماں کے یہ ہتھیار کہو

راقم الحروف کو ٹھیک سے یاد نہیں نہ جانے کس نے جنگ بہادر خاں تابش کو پہلا شخص قرار دیا جنھوں نے 'تو' کے بجائے 'آپ' کے استعمال پر زور دیا لیکن مندرجہ بالا نظم یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ اُردو نعت کا اوّلین ناقد مولوی محمد حسین تمنّا مرادآبادی ہیں اور یہ سہرا بھی اُنھیں کے سر بندھتا ہے کہ 'تو' کے بجائے 'آپ' کا استعمال بھی سب سے پہلے انھوں نے ہی کیا اور وہی اس تحریک کے موسس ہیں۔

تمنّا کے کلام میں یثرب کا استعمال:

حیرت واستعجاب کا مقام ہے کہ مقام رسالت مآب کا ایسا شناسا اور عاشق رسول جس کی ساری توجہ فن نعت کی باریکیوں ، لفظیات ، ضمائر اور تشبیہات پر رہی ہو، وہ خود ایک لفظ ''یثرب'' کے استعمال کو کس طرح روا سمجھتا رہا ہے؟ جس کی ممانعت احادیث میں وارد ہے۔تمنا کے یہاں یہ لفظ اتنی کثرت سے استعمال ہوا ہے کہ ان کی شاید ہی کوئی نعت ایسی ملے جس میں اس لفظ کا استعمال نہ ہوا ہو۔

جب کہ حدیث پاک میں مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے کی ممانعت آئی ہے کیونکہ یثرب کہنا منافقین کی طرف منسوب ہے اور یہ اسم قبیح ہے۔روایت میں یہاں تک آتا ہے کہ جو شخص مدینے کا

نام یثرب رکھے اسے چاہیے استغفار کرے کیوں کہ اس کا نام تو طیبہ ہے۔(16) اسی بنیاد پر علمائے دین نے یثرب کہنے کو شرعاً مکروہ اور ممنوع لکھا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ممانعت کے باوجود اکابر شعرا جیسے حضرت جامؔی وغیرہ نے لفظ یثرب استعمال کیوں کیا اور اگر ہم بھی کرلیں تو کیا حرج ہے ۔لہٰذا ایک استفتاء کے جواب میں صدرالافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

> ''مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا شرعاً مکروہ وممنوع ہے،اوراس پر اصرار کرنے کا حکم ہے اوراس یثرب کے معنی ایسے قبیح ہیں کہ جس کو مدینہ طیبہ کی طرف منسوب کرنا سخت برا ہے۔... رہا استدلال حضرت مولانا جامی کے کلام سے سو یہ صحیح نہیں کیوں کہ حدیث میں ممانعت وارد ہوئی تو اس کے مقابل کسی بزرگ کے کلام میں اس لفظ کے استعمال کا پیش کرنا کیا مفید۔کلام رسول کے لیے کلامِ غیر، ناسخ نہیں ہوسکتا۔(17)

ماخذ ومراجع

(1) علم وعمل مرتبہ ایوب قادری، اکیڈمی آف ایجوکیشن، ریسرچ، کراچی 1960ء ج-2، ص-99

(2) انوارالعارفین صوفی محمد حسین مرادآبادی، مطبع صدیقی، بریلی 1290ھ ص 507

(3) تذکرہ شعرائے روہیل کھنڈ، مرتبہ شایاں بریلوی کراچی ج 4 ص 3105

(4) قلمی مخطوطہ مخزونہ صوفی شفاعت نبی، محلّہ چوکی حسن خان مرادآباد ص 460

(5) نشید ایمان از تمنؔا مرادآبادی مطبع گلزار احمدی، مرادآباد، 1309ھ ص 112

(6) تذکرہ شعرائے روہیل کھنڈ، فرحان پبلی کیشنز کراچی، 1989ء جلد 4 ص 2939

(7) تلامذہ غالب مرتبہ مالک رام ص 68

(8) ترانۂ ایمان از تمنؔا مرادآبادی، مطبع گلزار احمدی مرادآباد 1308ھ ص 86

(9) خم خانۂ جاوید، دلی پرنٹنگ ورکس دہلی 1917ء ج 2 ص 133

(10) نعت گوئی کا موضوعاتی مطالعہ مؤلفہ حبیب الرحمٰن رحیمی 2010ء ص 220

(11) تقریظ گلبانگ حرم، خورشید بک ڈپو، لکھنؤ ساتواں ایڈیشن ص22
(12) گلدستۂ نعت مرتبہ ساجد صدیقی ص27
(13) قلمی مخطوطہ مخزونہ صوفی شفاعت نبی، محلّہ چوکی حسن خان مرادآباد ص496
(14) شانِ حبیب الرحمٰن از مفتی احمد یار خاں، مکتبہ نعیمیہ، دہلی ص24
(15) نقوش رسول نمبر، مرتبہ محمد طفیل، ادارہ فروغِ اُردو، لاہور 1984ء جلد 10 ص22
(16) نعت اور آدابِ نعت از شفیع اکاڑوی، مہر منیر اکیڈمی کراچی، 2004 ص281
(17) فتاویٰ صدرالافاضل، مرتبہ نور محمد نعیم القادری، تنظیم افکارِ صدرالافاضل ممبئ 2007ء۔ ص-560

○○○

ابن فرید (رام پور)

اَودھی میں ایک نیا رِجزیہ

ایک رات مائل صاحب نے اپنے دولت کدے پر نظم ''حمزہ کانڈ'' سنائی تو میں اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ بے اختیار میں نے کہا: مائل صاحب کاش! آپ نے یہ رجزیہ اب سے چالیس سال پہلے کہا ہوتا تو میں ضد کرتا کہ آپ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اِسی صنفِ ادب کے ہو جایئے۔ اتنے عرصے میں یوں آپ اودھی کے مہا کوی ہو گئے ہوتے۔

بہر حال، اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے اب بھی جو وقت دیا ہے وہ کم غنیمت نہیں!

حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کانڈ اودھی میں قابلِ قدر رجزیہ ہے۔ اس زبان کو شمالی ہند میں خاصا مقام اعتبار حاصل رہا ہے۔ سید ساہو سالار رحمۃ اللہ علیہ، سید مسعود سالار غازی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ بھولن رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے دور سے لے کر شیخ نصیر الدین چراغ دہلی، اور حضرت بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے دور تک یہ زبانِ تبلیغ رہی ہے۔ پھر تلسی داس، ملک محمد جائسی، کبیر داس اور رسلین وغیرہ نے اِسے ادب کی بلند ترین مرتبہ زبان بنا دیا۔ یہ تُرک و مغل دور کی عصبیت و بدتوفیقی تھی کہ انہوں نے اِس کے ساتھ وہی معاندانہ روش اختیار کی جو اودھ اور شیوخ اودھ کے ساتھ روا رکھی تھی۔ انہوں نے اِسے اس طرح نظر انداز کیا کہ تاریخِ ادب اردو میں اس کے سرمائے کی طرف اشارہ تک نہ کیا گیا اور یہ زبان اجنبی ہو کر رہ گئی۔ لیکن اودھی پھر بھی فنا نہ ہوئی۔ یہ آج بھی اودھ کے متوسط طبقے اور عوام کی زبان ہے۔

''شرفا'' اور عوام آج بھی اِسے بولتے ہیں اور اس کے آہنگ، ترنم اور شیرینی کے ذریعہ دوسرے علاقے کے سامعین کو مسحور کر لیتے ہیں۔ کبھی کبھی کوئی اردو شاعر اسے ذریعۂ اظہار بناتا ہے،

لیکن محض تفننِ طبع اور مزاحیہ و ہزلیہ شاعری کے لیے! کسی نے اِسے اس کا جائز مقام عطا کرنے کی طرف توجہ نہ دی۔ ہمیں بے حد مسرت وطمانیت ہے کہ مائلؔ صاحب نے بیسویں صدی کے اختتام پر یہ پیش قدمی کی ہے۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے۔

اِس رجزیئے کا سب سے بڑا وصف اِس کی خالص اودھی زبان، سلاست و روانی اور غیر معمولی آمد ہے۔ اہلِ اردو ممکن ہے بعض جگہ پڑھتے ہوئے اٹکیں ایسے مقامات پر انہیں اودھی کے تلفظات کا احترام کرنا چاہیے۔ اودھی نے ہر زمانے میں عصری شعور کو خوش آمدید کہا ہے۔ اِس کی اِس وسعتِ دامن کا مشاہدہ مائلؔ صاحب کے یہاں بھی نظر آتا ہے۔ چنانچہ 'جگت چمپین'، جُورُ وانجّن کی کھاترا پنا بیا' 'فلم بدرکی' وغیرہ اودھی کی اپنی لفظیات بن جاتے ہیں۔

مائلؔ صاحب نے اِس رجزیہ کے ذریعہ جنگ و جدال اور تشدد و قشاوت کی تعلیم نہیں دی ہے بلکہ یہ ایک صالح، صحت منداور مثبت ذہن کی تعمیر کی تعلیم ہے۔ انھوں نے اِس نظم کے ذریعہ، ایمان، توحید، رسالت، آخرت، اخلاق واحسان کی جس فنی پختگی کے ساتھ دعوت دی ہے وہ لائق صد ستائش ہے۔ یہی اِس رجزیہ کا اصل مقصود بھی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ مائلؔ صاحب نے جو درس اِس رجزیہ کے ذریعہ دیا ہے وہ بے پناہ مؤثر ثابت ہوگا۔

ہم۔ (''میں'' اودھی میں کرخت واِدّعائی ہے۔ ''ہم'' میں عمومیت ہے۔ اِسی لیے اودھ ''مَیں'' نہیں ''ہم'' بولتے ہیں)۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ مائلؔ صاحب کو اِس نوعیت کے اور رجزیے ومنظومات پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین! (ویسے آپ کو یہ سُن کر خوشی ہوگی کی مائلؔ صاحب غزوۂ احد سے متعلق بھی ایک رجزیہ رقم کررہے ہیں)۔

پہلے یہ پڑھیں

عتبہ:- مکہ کا ایک رئیس، بڑا بہادر اور مشہور جوشیلا سپاہی۔

نتنی:- (نواسی) عتبہ کی نواسی حضرت امِّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا، ابوسفیان کی بیٹی۔

ابوحذیفہ:- عتبہ کا دانشور بیٹا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عاشق اور جانباز صحابی۔

بدر:- مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے راستے میں ایک مقام۔

جبریل علیہ السلام:- اللہ تعالیٰ کے سب سے عظیم المرتبت فرشتہ۔

دین:- دین (دھرم) یعنی اللہ تعالیٰ نے جو پسند کرلیا۔ دینِ اسلام۔

جمراج:- ملک الموت۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام جو سب کی جان نکالنے پر مقرر ہیں۔

حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ:- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا۔ بڑے ہی جری اور بہادر۔ (ابوعمّارہ آپ کی کنیّت تھی)

ابوجہل:- اصل نام عمرو بن ہشام، مکہ کا ایک بڑا رئیس۔ بدر کی لڑائی میں دو انصاری لڑکوں کے ہاتھ مارا گیا۔

ابوالبختری:- ابوجہل کا دوست، مکہ کا مشہور سردار۔ جنگ بدر میں مارا گیا۔

حرم:- کعبہ کے آس پاس والی جگہ جو مسجد ہے۔

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ:- حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جگری دوست اور عظیم صحابی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اسلامی ریاست کے پہلے سربراہ۔

حمزہ کانڈ

بڑے لڑیّا مکّے والے وار نہ جن کا کھالی جائے
بھری سبھا ماں اُئِ جو کہدیں بات نہ اُنکی ٹالی جائے

چاروں دِس کعبے کی کھاتر اُن کی مَہما مانی جائے
دُور دور تک سپھگری ماں کو وُو اُن کا ثانی نائے

اُن کے دَس جُوانُ کی ٹکڑی سَو کے چھکّے دِئی چھڑائے
جِندا رَے ہَیں یا کٹِ مری ہیں یُو گم ان کا تَنِی کو نائے

جان بھلے ہی جائے چلی پَر آن ماں بٹّا لاگئے نائے
کا بُرتا کی کالِکھ اُن کے ماتھم کبھو ں لگِ نا جائے

ائیس جیالے جو دَھاوَن کاعتبہ سینا پتی کہائے
سالاری ماں اُہی سے جادہ چتُر نہ کُووُو مانا جائے

اُہی کے آگے جگت چمپین گُھٹنے ٹیکَے سیس نوائے
گھگھیا گھگھیا کے کَرے کُھسامد ، کھیس کاڑِھ کاڑِھ رہ جائے

عتبہ کی سِینا کے پَھوجی ہَتھیارَن سے سجے سجائے
دُہری دُہری جرِہَیں پہنے دُئی دُئی تیگہ کمر لگائے

اُو ایِسن ہجّارن پھوجی لَے کے بدرما پہنچا جائے
ہُواں پہنچ کے اِچھس اچھی جگہ مورچہ دِہس لگا ئے

بھیّا مائل جرا ٹھہریَو ، پہلے یو تو دِیو بتائے
عتبہ بھاری سِینا لَے کے کاہے بدر ما پہنچا جائے

ہمری بُدّھِ جَرا کچھ کم ہے ، ہمری بُدّھم آوا نائے
سائد کو ہُو سے کُو ہو کا بڑا مچھٹا پڑی ہے آئے

جھگڑے دِنگس پڑے نہ پالا ، کو وُو بپتا آوَے نائے
اور اوَیّا ہوئے تو بھیّا ! کُھدا کرے یہی لے ٹل جائے

واہ واہ وا! بھیّا لوگو! بیچم اچھا کِیَو سوال
جَہہِ دُبدھے ماں تم سب پڑی گِیوُ پَہی لےَ اُہی کے سُنَو جِوال

بڑے لڑیّا مکّے والے یُو تو پہی لَے دِیَو ں بتا ئے
یَہو بتایَوں کعبِک کھا تِر اُن کی مہما مانی جائے

کعبہ تین سو ساٹھ بُتن سے اپنی سُو بھا الگ دکھائے
عرب نواسی آویَں ، پوجیں اور چڑھا وے دِئیں چڑھائے

گِر گِر کے سب کریں ڈنڈوت ، بُتن کا داتا مانا جائے
بُتن کا ایسے پوجا جاوَے جیسے پوجا جائے کھدائے

بُتن سے مانگی جائیں مُرادیں ،بُتن کی منّت مانی جائے
اب کی یُدّھ ماجھوں تو سونے کے کنگن دِہَوں چڑھائے

کعبے کا ہر پنڈت ، منڈا اور پروہت جو کہلائے
بُتن کے چرَنَن بیٹھا بیٹھا دِیو بانیاں کھوب سنائے

گلّہہ سَنبھلتا کا ہم ہوئی ہےَ ای کی پھال کھلائی جائے
پھال کُھلیّا بڑا پروہت اپنی اَلبتّی گرمائے

دیوتاون کی دَنت کتھائیں گھر گھر جائے دِہن پہنچائے
گلَط عکیدے ماں کُھد پھنس گے اَورَن ہوکا دِہن پھنسائے

اپنے اپنے جَتھِک بَل پر ہر اک سیکھی کھوب جتائے
جیسے اپنی گلی ما کُتّا اَجگیبی کُتپ گرّائے

جھگڑا دنگا، ،سراب تاڑی ،سود ،جوا سب کے من بھائے
آئے دِن یُدّھ کے کارن گھرن گھرن جھاڑو پھر جائے

یہَے دِسا ماں کُھدا نے اُن پے اپنی کھاس دَیا پھر مائے
ہُواں محمد صلّ علیٰ کا رسول اپنا دِہس بنائے

حضرت جبریلَو آوئے لاگے ، لگے کُھدا کے حکم سنائے
اور محمد صلِّ علیٰ اُئی حُکم د،ہن گھر گھر پہنچائے

کہن رسول اللہ کہ اِی بُت پتّھر کے کُھد لِیَو بنائے
اِی تو اندھے، بہرے، گونگے ای سب کیسے بھئے کھدائے

کُھدا تو ہے اُجو چھنڑ بھر ماں ساری دُنیا دِہس رچائے
سوجھ بوجھ سے کام لِہو تو ، کہہ اُٹھہَو ہے وَہے کھدائے

وَہَے رچیّا ، واہے سُوامی، واہے پربھو پالن ہار
واہے سارے جگ کا راجا اُہی کے ہے سارا سنسار

ہم سب اُئی راجہ کی پرجا، اُہی کے بندے اور گلام
وَہے کی پوجا پاٹھ، عبادت اور بندگی ہمرا کام
اُہی کی مرجی ، اُہی کی نیتی ،اَو اُہی کا کانون وِدھان
ہمری مرجی، ہمری نیتی، اَو ہمرا کانون وِدھان
گھر، باجار، محلّہ ، بستی،دیس بدیس کہوں ہم جائیں
سُکھ ہووے دُکھ ہووے کھدیکِ مرجپ ہم سب بندے چلیں چلائیں
کُھدیکِ مرجپ رہَیں بَسیں تو پُھلہیں پَھلیہَیں گاوَں گِراوَں
کُھدیکِ مرجپ چل کے مِل ہَے ، ہم سب کا جنّت کی چھاوَں
کُھدیکِ مَرجپ چل کے بَنِ ہے اور سَنورِ ہَے یو سنسار
کُھدیکِ مَرجپ رَہیں بسیں تو مِلِ ہَے، جنّت سدا بہار
جنّت ماں کچھ گم نا ہوئی ہے اور نہ ہوئی ہے رنج ملال
جنّت ماں سُکھے سُکھ ہوئی ہے، ہواں تو رَہے ہیں سب کُھس حال
کھانا پانی ، لباس ، بنگلہ، کوٹھی سب نورانی پائیں
جھوٹ بَگَج چھل کپٹ کی باتیں جنّتیَن کے نِکٹ نہ آئیں
سچی بات بھلے مانُس سُن سیدھے رستے لاگے آئے
ایک لگے ما نے اللہ کا یہَے عکیدا لِہِن بنائے
ای سب تو کہلائے مسلم انکاری کاپھر کہلائے
کاپھر نبی ﷺ نکٹ آویں تو جھگڑیں اَو لاگیں ڑائے
ہمرے بھولے لڑکن کَیہاں تم تو دیِو بے دھرم بنائے
اپنی یا جھگڑے کی جُھنپڑی اور کَہوں لے جاوَ اُٹھائے
ہمرے بُتن کی نِندا کرکے ، اپنی کَبر رَہیو کھدوائے
وَہَے دھرم ماں واپس آوَوو، پُرکھا جو کُچھ گئے سکھائے

نہیں تو پھر ہم گلا گھونٹ کے دِیَبے گڑہے ماں پھنکوائے
یا پھر سَہر بدر کر دیَبے ہیاں سے دیبۓ دور بھگائے
مگر رسول اللہ ﷺ نہ مانے گھر گھر دین دِہن پہنچائے
جُلم سِتم سب کچھ ہو جھیِلن ، حُکم کھدا کا ٹارِن نائے
اِی کے بعد کَتل کی سازِس مکّے والے لِہن بنائے
کلّہہ سبیرا ہوئی تے اِنکا ہم سب دِیَبے مارِی گِرائے
یا ہے سوچ سمجھ کے راتِن نبی ﷺ کا گھر سب گھیرِن جائے
گھیرا ڈالے بیٹھے بیٹھے آکھر کار گئے اونگھائے
اِدھر مدینے کی ہجرت کا حُکمو کھدا دِہس فرمائے
حجرت ﷺ وَا ہے رات نکل گے صُبح کا رہی گے سب منھ بائے
سوچے لاگے راتم کب او کیسے گھر سے باہر آئے
ہم ماں کو وُو دیکھ نہ پائیس ، چمتکار یو گئے دکھائے
بھیّا سمجھ گیوَ نا کیسے بات ہِیاں تک پہنچی آئے
عتبہ کا ہے گُسّک مارے پھوج بدر ماں دِہس لگائے
اِدھر رسول للہ ہَو لَے کے پھکَط تین سو تیرا جُوان
اِی راہَیں ایمان کے پکّے او مجبوطی ماں چٹّان
اُن کی کھوں رَسَد نا چوکی ، دس اونٹن پر کچھ سامان
یُدّھ لڑَن کا کچھ تلواریں ، کچھ بھالے، کچھ تیر کمان
اچھا اب تم بڑے گَور سے یا ہَو سُن لِیو کان لگائے
اُہی دِن آی سب رُوجِس راہیں اَور جَو بے سحری کھائے
مکّے کی بھاری سینا کے مدّ مکابل پہنچے جائے
اَو جمراجَو اپنی پلٹن لَے گے بَدر ما ڈٹ گے آئے

چیلیں، کوّے ، گدھ وگیرہ اینگھے اُنگھِس اُڑتے آئے
پھوجن کے اُپرّ اُے اُپرّ ان کے گول رہے منڈلائے

بَھیّا اُو رَمجان کا مہنہ ، گرمی جہہ ِ سے ہاری جائے
مانو کو وَو دھرتی بھیتر بیٹھا بیٹھا آگ جلائے

یا ہَے دَھرتپ کھدا کے بندے کُھدَیس اپنے آس لگا ئے
ٹھاڑھے رَہیں ایسے جیسے اُن کا گرمی لگتے نائے

بھوک کے مارے بیچارن کے پیٹ پیٹھ سے لاگے جائے
مکّے والن سے اِی بھوکھے کیسے لڑی ہیں کو وَو بتا ے

اَو ایمان مسلمانن کا،ہمّتِ مرداں مدد کھدائے
ان کے من ماں بَجّ کُھدا کے کھوپھ کُھو کا تنی کو نائے

عتبہ اِن کا دیکھ دیکھ کے ٹھٹّھپ ٹھٹّھا کھوب لگائے
کَہے کہ ان کا پلک جھپکتے دھرتی بھیتر دِہوں دھنسائے

پھر اُو عتبہ آگے بڑھی کے اکڑِ اکڑِ ایسا ڈکرائے
جیسے کو وُو بھوکھا بھڑہا بھیڑ کا دیکھے اَو گرّائے

کَہے کہ اپنی جان کے بَیریوُ ! بدر ماں کاہے جوُجَھے آئے ؟
سُن لِیُو اپنی کھَیر جو چاہے، الٹے پاوں تُرت پھر جائے ؟

اپنی اپنی میّا سِینی دودھ بَگھسِوا لِیُو کہ نائے؟
جُورَوَابچّن کی کَھاتِراپنا بیما لِیُو کرائے؟

نہیں تو پھرتم سب ماں جہہِ کا سَوکھ سَہادت کا چرّائے
آگے بڑھی کے آوے، مَہہِ سے وِیجاجنّت کا لَے جائے

بھیّا مائَل کَھیرابادی! ای کے آگے سنو حَوال
عتبہ کی بکواس سُنی تو آئی گوا َ حمزہ کا جلال

تیگ کھینچ بڑھے اَو بڑِھی کے ، اُہی کے آگے گرجے جائے

عتبہ! تُہی کا اُ دن کبہُوں یادَو آوَتِ ہے کی نا ئے

جب میں تورے ابو جِہلوَک دَھنُوا دَھمکیوں حرّم جائے

پھاٹ گئ کھپڑی جُلمی کی کُھون ما اپنے گوا نہائے

توئی تو تکّت رَہے ہُواں ، تب اُہی کی مدد کا لپکا نائے

اب کا کتّا کاٹ ِ لہس ہے ، کاہے آج لگا بَورائے

تُہکا توری گستاکھی کا آج مجا میں دِہوں چکھائے

ستّیہ کہت ہَوں آج تو مورے آ َگس بچکے جِیہَے نائے

یا گُھس کھبری آجے تو حجرت جبریل گئے پہنچائے

آج یو ہمری جیت کا دن ہے ، ہمرا کھدا دِہس پھرمائے

ہُواں ہُواں تو ابو جہلوا، ابوالبختری مارا جائے

اور ہیاں مورے اِی ہاتھن عتبہ رے ! تو منھ کی کھائے

رِستے ناتیک لجّا رکھ لے ، نہیں تو دنیا تھکی ہے آئے

ہم تم اِیکَے کُٹُم کبیلا، ای کا کون بھلا جُھٹلائے

توری بِتنی اُمّ حبیبہ پیارے نبی کا بیاہی جائے

واہ !مُکدّر ہو تو ایسا، وَا اُمّت کی ماں کہلائے

تورا بیٹا ابوحذیفہ، نبی کا آسک جنّت پائے

ہائے تو عتبہ! مورا بھائی مورے ہاتھن نرک ما جا ئے

کاڑِھک ِ میں رَکھی دِیوَں گرِ جوَا ، تورا ہِردَے پگھلا نائے

سائد توری مت کٹ گئ ہے، توری موت رہی منڈلا ئے

وَہَے مثل ہے جیسے کُوُو و بھینسِک آگے بین بجائے

بھینسِک آگے بین بجاوے اَو وَا بھینس کھڑی پگُرائے

میں بہُتے سمجھایوں تہی کا توری کُھپڑم آوَا نائے
دیکھ مان جا اَب ہُوں عتبہ کھامَ کھاہ نا جان گنوائے
دیکھ کُھدا کے پیگمبر کا وا سجدے ماں گِر گے جائے
اب تُو جَلدِس توبہ کرکے مُوری چھاتِس لگ جا آئے
مُورکھ! اَب ہُوں سمجھا ناہیں تو پھر لے تلوار سنبھال
پہلے توئی کُھد حملہ کرِی کے، لے اپنا ارمان نکال
یُو سب سُنَت سُنَت عتبہ کا کھون بدن ما کھولا جائے
جُور سے ڈَہُنکا وار لے حمزہ! اب تو بچکے جَیہے نائے
یُو کہتے حَجرت حمزہ پَے عتبہ تیگا دِہس چلائے
حجرت حمزہ بدل پینترا وار لِہن عتبہ کا بچائے
وار بچا تو جھینپ گوَا اُو اِدھر دِیِہ حمزہ مُسکائے
پھر تو عتبہ گُسّم لاگا تیگا اندھا دھند چلائے
بولے حمزہ ہوئیں ٹھکانَس دوئی دوئی ہاتھ مُجو کچھ آئے
یُو کا آپس باہر ہوئی کے انگ بنگ تلوار چلائے
یُو تو گو نو تلورَیے کا عتبہ طور طریقہ نائے
کھیر دیت ہوں اَورِک مَوکا توری حسرت نا رہ جائے
دُسری بار دُؤُو ہاتھن سے پکڑے تیگا دَھمکِس آئے
حجرت حمزہ وار بچا کے دُسری اُور گئے کترائے
بولے دیکھ کہ تیگا دھاری، وار کرَت ہیں کیسے آئے!
پھر جو مارِن تیگا اُہی کے کندھم کھچّس گُھس گا جائے
کرکرکرکرجرہا، ہڈّی، پسُلی، کولھا کاٹس جائے
دُوئی پھلاڑ ہوئی گرا مُٹلّا دَھمّس دھرتی پیہاں آئے

یُو جو دیکھس ابو جہلوا چھاتی پیٹ لگا چلاّئے
مکّے والیو! جُھپٹو، گھیرو، دیکھو حمزہ نکل نہ جائے

اِدھر رسول اللہ تُرنتے لسکر آگے دِہن بڑھائے
''اِلّا اللہ'' کہہ بڑھے صحابہ اَور تلواریں لگے چلائے

پھر تو دونوں اُور سے بھیّا امبہ جھور چلی تلوار
اک دوجے پر سب پل پڑی گے ہووے لاگی مارا مار

حجرت ماٹی لے کے پھینکن دسمن پر او دِہن پکار
اُئی آئے، اُئی آئے پھرِستے ہمری مدد کا دُوئی ہجّار

ای گھمسان لڑائم ہم کا ایسا لاگے لاگا آئے
جیسے تُو وُو آنکھن آگے فلم بدر کی دِہس چلائے

کٹِ کٹِ کے سر تلّے اوپر گرے لگے دھرتی پے آئے
کوّے، گدّھ گرے لاسن پر، نوچ نوچ کے لاگے کھائے

سب سے آگے بڑھ بڑھ حمزہ اپنے جوہر الگ دکھائیں
ایک پہ جھپٹیں، دس گر جاویں، بیسن کھوپھ کھائی مرجائیں

مکّے والن کی سینا ماں بھگدڑ مچ گئی آرَم پار
موت کے ڈر سے ان کی سینم مچی رہے اک ہاہاکار

اُنکی سَینِک میکھ اُکھڑ گئی پھوجی بھاگے، پیٹھ دِکھائے
ایسے بھاگے، ایسے بھاگے، پیچھے مُڑی کے دیکھن نائے

بچے بھَی، یو دیکھ نبی جی ابو بکر سے کہن کہ جاؤ
کہیَو وَادا پورا ہوئی گا کُھداک، اب تم واپس آوَ

حُکُم نبی کا سُنتے حمزہ اور صحابہ رُوکن ہاتھ
مِیائن ماں تلواریں کرکے، لوٹے ابو بکر کے ساتھ

دیکھ رسول اللہ مُسکائے یا گھس کھبری دِہن سُنائے
اب تم چاہے جو کچھ کرِہو، راجی رَے ہے سدا کُھدائے
دِین کی کھاتر تن من دھن سب، سَبھوں صحابہ دِہِن لُٹائے
اُئی سب راجی بھئے کھدا سے اُن سے راجی بھوا کھدائے
آؤ ہم سب کریں دعا ئیں ، ہمری ماپھ گنٹھا پھرمائے
اور صحابگ ایسا جَجبہ ہَمہُو کیہاں دِئی کھدائے

مائلؔ !ہم ہوں جان لڑا دیں پھر کائم ہوئی جاوے دین
چَین امَن کی بنسی باجَے، جیون سُکھی رَہے، آمین!

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلمان ہونا

بڑے سِکاری حجرت حمزہ سِکار اُن کا بہُتے بھائے
بھڑ ہے، چیتے بچیں نہ ان سے، سیرَن کا دیں مار گرائے
ایک روج کی بات ہے بھیّا! سِکار سے جب واپس آئے
تو رَستم اک لونڈی رُکس اَو یا گھٹنا لگی سُنائے
سُنَو ابو عمّارہ! تنکو پہلے ہیاں پے جِتیو آئے
ابو جہلوا جُلُم جو ڈھائیس، تم سے دیکھا جِیتے نائے
آج محمد لُوگن کیہاں اپنا دین رہے سمجھائے
اِتنم اپنے پٹھو لے کے ابو جہلوا دھمکا آئے
اَو تے تُمرے بھتیجے کیہاں بُری بھانت لاگا گریائے
ایسی بھونڈی گاری دِہیس جَہہ سے سَیطانَو سرمائے
مگر محمد صَبرکَ اپنے ایک نمونہ دِہن دکھائے
میں تو اُن کے ایسا کونَو پیارا اَدمی دِیکھیوں نائے
اپنے منھ سے گارِک بَدلم اِک کَو بول نِکارِن نائے
بھلے مَنُس کی بھانتِ ہواں سے چُپّے چاپ گئے کترائے

لونڈی سے یُو سُنِن جو حمزہ چھاتِپ گھونسا لاگا آئے
سکار کھیل کے لَو ٹے راہیں ، گرمَم اور گئے گرمائے
لمبے لمبے ڈگ بھر بھر کے جَھٹّے حرؔمَ پہنچے جا ئے
ہُواں جہلوا لوگن کیہاں اپنی سیکھی رہے جتائے
کُھون اُترِ آوا آنکھن ماں لپک کے دھنُوا دھمکن جائے
پھاٹ گئی کھپڑی گریَندِک کھون ما اپنے گوا نہائے
بُولے'' اپنے پیارے بھتیجک دھرم مہُوں لِیَو اپنائے
اب دے گاری تو میں جانُوں ابو جہلوا سنے کہ نائے
اُہی کے پٹھّو جھپٹے ، چاہا ، لپَٹ ِ پڑیں حمزہ کے جائے
حمزہ بھالا تان لِہن اَو اُن کے آگے ڈٹ گے آئے
گرجے میں حمزہ ہَوں مَکّمِ موراجیسا دُسرا نائے
جو مہکا پہچانت ناہی دیکھ لیئی اُو ہاتھ چلائے
آج ہیاں کی گلِیَن مہیَاں کھون کی ندّی دِہَوں بہائے
بڑے بڑن کی جُرُ وِن کیہاں سُن لِیُو بدھوا دِہوں بنائے
حمزہ کے ای تیور دِیکھِس لاگا ابو جہل گھبرائے
کہس محمد کیہاں سچ مچ آج بہت گریائیوں جائے
اور لوگ جو دیکھت راہیں ، واہو دوڑے دوڑے آئے
للّو پتّو کرِکے اِی سب حمزہ کیہاں لِہن منائے
حجرت حمزہ ہُواں سے چل کے پاس نبی کے پہنچے جائے
جو کچھ بیتا رَہے حرمؔ ماں تنِک تنِکسب دِہن سُنائے
کہے لگے پھر پیارے بھتیجے ! کُوہُس دب کے رَہیو نائے
جو کُو ہُو تمرے منھ اَیہے ، اُو کُھد منھ کی کھےَ ہے آئے
ابو جہلوس پورا پورا حر مؔ بدلہ لِیوں چکائے
لگا لپٹوَے رہیں جو اُہی کے، واہو کرِن کُھسامد آئے

اچھا اب گھس ہوئی جاوَو پیارے ﷺ گم دیو اپنا دور بھگائے
گُھس گُھس چلَو پھِرَ و مکّے ماں، تمرا کُھو کچھ کرپَے ہے نائے

یُو جو سُنِن رسول اللہ ﷺ تو حمزہ سے لاگے پھرمائے
ہمری گُھسی تو یا ہے چاچا ! کھداکَ دین لیئو اپنائے

بولے حمزہ اچھا پیارے ! کھداکَ دین لیئوں اپنائے
لا الہ کا کلمہ مُہکاَ اب تم جلدِس دِیو پڑھائے

کلمہ پڑھوائے نبی حمزہ کا یا گُھس کھبری دِہن سُنائے
بڑے بڑے کام آگ چل کے چاچا! تم سے لہَے کھدائے

میلادِ اکبر ایک مطالعہ

ڈاکٹر نذیر فتح پوری (پونہ)

میلادِ اکبر کا میں نے اس وقت مطالعہ کیا تھا جب نہ ادب کا شعور تھا نہ شاعری کا، عقیدت اور عقیدے کی بھی کوئی کونپل میرے ذہن و دل میں نہیں پھوٹی تھی۔ ایک دم معصوم تتلیوں کے پروں جیسا بچپن تھا۔ نہ احساس کی کلی کِھلی تھی نہ خرد کی شمع جلی تھی۔

بس میلاد کی محفلوں میں نعتِ رسول پڑھنے اور سننے کا شوق تھا۔ حالانکہ میری آواز میں کبھی لَے اور نغمگی کی آمیزش نہیں رہی اس کے باوجود مرحوم قاضی رضا محمد کی ہمنوائی اور رہنمائی میں نعتِ رسول کے وسیلے سے تمام لوگوں کی آواز میں آواز ملا کر اپنی آواز بلند کرنے کی طفلانہ کوشش کرتا رہتا تھا۔ پھر ایک بار دل میں سمائی کہ خود ہادی بنوں، اپنی آواز بلند کروں اور تمام لوگ میری آواز میں آواز ملا کر میرے ہمنوا بن جائیں۔ تب میں نے میلادِ اکبر سے ایک لوری کا انتخاب کیا۔ یہ لوری حضرت حلیمہ سعدیہ کی زبان مبارک سے ادا کرائی گئی تھی۔ حضرت حلیمہ اپنے پیارے محبوب کو اس طرح لوریاں دے کر سلایا

یہ حلیمہ کہہ رہی تھی میرے گل عذار سوجا
ترے جاگنے کے صدقے مری جانِ زار سوجا
بنی سعد کا قبیلہ ہوا باغ باغ تجھ سے
مرا دودھ پینے والے گلِ نو بہار ہو جا
مرا دل ہو تجھ پہ واری مری جان تجھ پہ صدقے
مرے نور عین سوجا ،مرے شیر خوار سوجا

اس لوری میں گیارہ شعر ہیں۔ کتاب کے مصنف خواجہ محمد اکبر وارثی میرٹھی نے اس لو ری میں ایک ممتا کے احساس سے بھری اور شدتِ جذبات کی حامل ایک ماں کا دل نکال کر رکھ دیا۔

اس لوری سے ایک شعر اور پیش کروں گا۔ ایک ماں اپنے معصوم بچے کے لیے کیسی وارفتہ خواہش رکھتی ہے جس کا اظہار اس شعر کے ذریعہ ہوا ہے:

ہے عین وقتِ راحت مرے سینے سے لپٹ جا
آنکھوں میں نیند کا ہے ترے خمار سوجا

میلادِ اکبر کیا ہے؟ یہ پہلی بار کب شائع ہوئی؟ اس کے مصنف خواجہ محمد اکبر وارثی کون تھے؟ میرٹھ میں کب پیدا ہوئے؟ میلادِ اکبر کے علاوہ ادب میں انھوں نے اور کیا کیا کارنامے انجام دیئے؟ ان کے کوائف کیا ہیں؟ اس قسم کی معلومات ہمیں میلادِ اکبر کے مطالعہ سے نہیں ملتیں۔ ہر چند کہ میلادِ اکبر کے متعدد ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ اس وقت میرے پیش نظر جو ایڈیشن ہے وہ انجم بک ڈپو، دلّی نے شائع کیا ہے۔ متن وہی کتابت شدہ ہے۔ جو پہلے کے نسخوں میں موجود ہے۔ تازہ نسخہ اسی کا عکس بنا کر شائع کیا گیا ہے، صرف سرورق نیا اور رنگین ہے۔

میلادِ اکبر کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی مقبولیت میں بھی اب تک کسی قسم کی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

راقم الحروف اس نورانی نسخے پر تجزیاتی مضمون لکھنے کی جسارت تو نہیں کر سکتا، البتہ ایک مطالعہ کے طور پر چند صفحات سپردِ قرطاس کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

ایک دین دار اور ایماندار مسلمان کے لیے ذکر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہمیت کا حامل ہے۔ وہ کسی نہ کسی ذریعہ سے، کسی نہ کسی طریقے سے، کسی نہ کسی زبان میں اپنے آقا کی ثنا خوانی کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے سب سے آسان اور دل پذیر دل گداز طریقہ نعتِ مبارکہ ہی کا ہے۔ نعت کا مطلب ہی ہوتا ہے وہ الفاظ جو آقائے رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں بیان کیے جائیں۔ اس کے لیے منظوم اور منثور کی کوئی قید نہیں، تاہم منظوم طریقہ اہم تسلیم کیا جاتا ہے اور پُر اثر بھی۔

میلادِ اکبر محض منظوم نعتیہ کلام کا نسخہ نہیں ہے بلکہ اس میں نثری قصیدے کے گل بوٹے بھی مصنف کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں۔ جیسا کہ کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے۔ میلادِ اکبر، یعنی حضور سرورِ دو عالم کی پیدائش کا صاف، شفاف اور عام فہم زبان میں بیان۔ نثری قصیدے کا یہ ابتدائی حصّہ انشا پردازی کا بہترین نمونہ ہے۔ فصاحت و بلاغت کے باوجود ایک عام مسلمان کی سمجھ میں بھی یہ بات آسانی سے آ جاتی ہے۔ یہ مقفیٰ، مسجیٰ اور رواں دواں نثر منظوم توصیف نامے سے بھی زیادہ پُر اثر ہے، مثلاً:

''بے یاروں کا یار، بے مددگاروں کا مددگار، بے وسیلوں کا وسیلہ، بے بھروسوں کا بھروسہ، بے بسوں کا بس، بے کسوں کا کس، ٹوٹے دلوں کا سہارا اور اللہ تعالیٰ کا پیارا''۔

سبحان اللہ۔ مصنف کے قلم نے کیسے موتی رولے ہیں۔ کیسے بول بولے ہیں۔ یہ تحریر پڑھتے وقت یوں لگتا ہے جیسے کسی نے منھ میں مصری کی ڈلی رکھ دی ہو۔ یہ سارا فیض ہے اس اسمِ مبارک کا جس کا نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ جن کی توصیف و تکریم بیان کرتے ہوئے خواجہ محمد اکبر وارثی لکھتے ہیں۔

''دونوں جہاں کا آفتاب، مدینے کا تاجدار، جس کی ہیبت سے شاہی محلوں کے کنگورے گریں۔

جس کے اشاروں پر چاند، سورج پھریں۔ جن کو فرشتے جھولا جھلائیں۔ جن کے در پر جبریل آئیں۔

سب حور و ملک جن و بشر انھیں کا دم بھرتے ہیں اکثر چرند و پرند، شجر و حجر ان کو سجدہ کرتے ہیں۔ کل کائنات میں انھیں کا ڈنکا بجتا ہے۔ شفاعت کا تاج انہیں کے سر پر سجا ہے اور سجے گا....''

ہر ہر لفظ پر دل سے سبحان اللہ اور ماشا اللہ کا کلمۂ تحسین بلند ہوتا ہے، نثر میں شاعری اسی کا نام ہے۔ یہی وہ خوش نما عبارت ہے جس نے میلادِ اکبر کو عوامی مقبولیت سے ہم کنار کیا۔ دلوں کو مسخر کیا۔ روح کو منور کیا، ایمان کی روشنی بکھیری۔ میلاد کی مجلسوں کو سنوارا، ذکرِ رسول کا وسیلہ

بنی، صفحہ نمبر ۵ / پر ایک نعت شریف بعنوان غزل شامل ہے:۔

خراب آئینوں پر جِلا دینے والے
دلوں کی کدورت مٹا دینے والے
کہاں تک کریں شکر اس کا کہ ہم کو
ملے ہیں خدا سے ملا دینے والے

بے شک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آب دار نگاہوں نے خراب آئینوں کو جلا بخشی، روح کی تاریکیوں میں ایمان کی شمع روشن کی۔ دلوں سے کفر کے اندھیرے مٹا دیئے۔ ہم عاصیوں پر کریم آقا کے بڑے احسانات ہیں یہی وہ عظیم ہستی ہے جس کے توسط سے اللہ تعالیٰ سے بندوں کی راست ملاقات ہوئی۔ ''ملے ہیں خدا سے ملا دینے والے۔'' آپ مل گئے تو دونوں جہاں کی دولت مل گئی۔ دنیا بھی ہماری ہے۔ عقبیٰ بھی ہمارا ہے۔ ساقی بھی ہمارا ہے۔ پیمانے بھی ہمارے ہیں۔ ہم پیا سوں کے مقدر جاگ اٹھے۔ ہم تشنہ لبوں کی بن آئی۔ ہم دامن کے فقیر دل کے امیر ہو گئے کیوں کہ ''ملے ہیں خدا سے ملا دینے والے''۔

جب وسیلہ مضبوط ہوتا ہے تو وسائل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آج بڑے شہروں میں محفلِ میلاد کا سلسلہ مفقود ہو چکا ہے۔ عقائد کی جنگ جاری ہے۔ عقیدت مختلف صورتیں اختیار کر چکی ہے۔ تاہم ''ذکر محمدؐ'' سے کسی کو عار نہیں۔ کیوں کہ ذکر محمدؐ ایمان کی بنیاد ہے۔ درود کی شمولیت کے بغیر ورد موثر نہیں ہوتا۔ وظائف ادھورے شمار کیے جاتے ہیں میلادِ اکبر ایسے ہی درود و سلام کی ترغیب دیتی ہے۔ اس کے اوراق پر جو نعتیہ کلام مندرج ہے۔ وہ بے پناہ ہے۔ عشقِ رسول سے لبریز ہے۔ یہ کلام درد دل کی دوا، ہجر کے زخموں سے چور دل کے لیے شفا ہے۔ ایک نعتِ شریف کے چند اشعار دلیل کے طور پر پیش ہیں:

ثانی ترا کونین کے کشور میں نہیں ہے
بس حد ہے کہ سایہ بھی برابر میں نہیں ہے

اگر چہ عقیدوں کے کچھ دفتر ایسے بھی کھل گئے ہیں۔ جو اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ آپ کی ذات بے سایہ تھی۔ راقم کا ایک مصرع ہے:

بے سایہ جس کی ذات ہے سایہ اسی کا ڈھونڈ

اس نعت کا ایک شعر ملاحظہ کریں:

ہو جلوۂ محبوب کے کیا ماہِ مقابل
اس چاند کا دھبہ رخِ انور میں نہیں ہے

چاند جو دنیا کو ظاہری اجالا عطا کرتا ہے۔ اس کے دل میں بھی دھبہ ہے۔ لیکن حضور کے چہرہ انوار پر ایک تل بھی نہیں تھا جس سے سیاہی کا شائبہ ہو سکے۔ آپ کا چہرہ بے داغ تھا۔ آپ ماہِ مکمل تھے۔ چاند کی مانند گھٹنا بڑھنا آپ کی شخصیت سے بعید تھا۔ آپ ایسے ماہ کامل تھے جو شب و روز میں یکساں روشن رہتے تھے۔ چاند زمین کا اندھیرا دور کرتا ہے۔ آپ نے دلوں کا اندھیرا دور کیا۔ روحوں میں اجالے بھرے۔ ایسے اجالے جو کبھی ماند نہیں پڑ سکتے۔ قیامت تک دلوں پر جس کی حکومت رہے گی۔ ایک شعر اسی نعت سے اور ملاحظہ کریں:

کل خوبیاں اللہ نے حضرت کو عطا کیں
یہ بات کسی اور پیمبر میں نہیں ہے

ایک شعر بالکل عام فہم اسلوب میں:

ہو کیوں نہ خدائی کو گدائی کی تمنا
کیا چیز ہے جو ان کے بھرے گھر میں نہیں ہے

ایک عام آدمی کے دل سے کتنا قریب ہو کر گزرتا ہے یہ شعر، ایک دم بات چیت کا سا انداز، سیدھی گفتگو، سادہ سوال، ''کیا چیز ہے جو ان کے بھرے گھر میں نہیں ہے'' سب کچھ ہے ۔ ایمان ہے قرآن ہے۔ رحمت ہے۔ برکت ہے۔ صبر ہے۔ سکون ہے۔ رسالت ہے۔ امامت ہے۔ سخاوت ہے۔ شہادت ہے۔ شرافت ہے۔ فصاحت ہے۔ بلاغت ہے۔ کرم ہے۔ سخا ہے۔

بخشش ہے۔عطا ہے۔نوازش ہے۔''کیا چیز ہے جو ان کے بھرے گھر میں نہیں ہے''

پھر کیوں کسی اور کے در پر سوالی بن کر آواز لگائی جائے۔کہیں اور دامن پسارا جائے۔ کسی اور کے آگے منمنایا جائے۔جو خوشبو ان کے کردار میں ہے۔جو شیرینی ان کی گفتار میں ہے۔ جو تبسم ان کے اظہار میں ہے جو استقامت ان کی رفتار میں ہے۔جو تدبیر ان کے کردار میں ہے ۔جو استغنیٰ اور سکون ان کے دربار میں ہے۔جو آب ان کی تلوار میں ہے۔یہ سب ان کے گھر کی میراث ہے۔یہی وجہ ہے کہ سوال کیا گیا ہے:

''کیا چیز ہے جو ان کے بھرے گھر میں نہیں ہے''

ایک اور قصیدہ در مدح درودِ شریف:

ہر درد کی دوا ہے صل علیٰ محمد ﷺ
تعویذ ہر بلا ہے صل علیٰ محمد ﷺ
جو درد لا دوا ہو یہ گھول کر پلا دو
کیا نسخۂ شفا ہے صل علی محمد ﷺ
اس کی نجات ہو گی رحمت بھی ساتھ ہو گی
جو پڑھ کے مر گیا ہے صل علیٰ محمد ﷺ

ایک ایسا شعر جو تصویر بن گیا ہے۔دیکھئے اس تصویر میں کیا منظر دکھائی دیتا ہے:

کاندھا بدلنے والو !ہمراہ چلنے والو !
بڑھتے چلو روا ہے صل علیٰ محمد ﷺ

میلادِ اکبر کی عوامی مقبولیت میں ایسے ہی اشعار نے اضافہ کیا ہے۔ہر بھولے بھالے مخلص اور ایماندار مسلمان کے دل میں ایسے شعر اتر جاتے ہیں۔روح میں پیوست ہو جاتے ہیں:

''کاندھا بدلنے والو !ہمراہ چلنے والو''

میلادِ اکبر میں تصور و تخیل کا ایک جہان آباد ہے۔جمالیات کے پرتو جگہ جگہ جلوہ لٹاتے

نظر آتے ہیں۔نعت میں غزل کے سے بانکپن کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔شعر کی سی گرفتگی اور نغمے کی سی تاثیر میلا دِ اکبر کی شاعری کا خاصہ ہے۔میلا دِ اکبر پر مفصّل گفتگو ممکن نہیں۔اختصار تاثیر کا سبب بنتا ہے۔ذکرِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کو مرغوب ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود ارسال کیا ہے اور مومنوں کو بھی توجہ دلائی ہے کہ میرے محبوب اور اس کی آل پر درود کے تحفے ارسال کریں۔

میلا دِ اکبر کا مطالعہ بھی ہمیں اسی جانب متوجہ کرتا ہے۔طویل بحروں میں بہت رواں اور خوبصورت نعتیہ کلام میلا دِ اکبر کے توسط سے پڑھنے کی سعادت ملتی ہے۔خواجہ محمد اکبر وارثی نے معراج کا واقعہ بہت ہی وارفتگی اور شعری محاسن کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔یہ واقعہ منظوم اور منثور دونوں طرح سے لکھا گیا ہے۔شعر کی طرح نثر بھی اتنی ہی رواں اور تاثر سے بھرپور ہے کہ قاری اور سامع یکساں طور پر متاثر ہوتے چلے جاتے ہیں:

جو خیال آیا تو خواب میں ، وہ جمال اپنا دکھا گئے
وہ مہک لہک تھی لباس میں کہ مکان سارا بسا گئے

میلا دِ اکبر کی نعت کے اس مطلع پر ہم گفتگو مکمل کرتے ہیں ہماری خواہش ہے کہ ہمارے معزز قارئین بھی اسی جمال و کمال کی کیفیت سے دو چار رہیں۔اسی مہک اور لہک کے نورانی تصور میں ڈوب کر درود و سلام کا تحفہ بارگاہِ رسالت میں ارسال کرتے رہیں اور اپنی دعاؤں میں اس عاصی کو بھی یاد رکھیں۔کہ

یہی میری داد ہے۔میرا انعام ہے۔ میرا اعزاز ہے اور میری معراج ہے۔

☆☆☆

میلاد نامۂ اکبر وارثی میرٹھی (کچھ مزید)

ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی (یوپی)

ششماہی مجلّہ ''دبستانِ نعت''، خلیل آباد کا پہلا شمارہ 1437ھ مطابق 2016ء میں شائع ہوا۔ اس شمارے میں ایک مضمون ''میلاد اکبر۔ ایک مطالعہ'' مصنفہ ڈاکٹر نذیرؔ فتح پوری بھی شامل ہے۔ مضمون ہر لحاظ سے اچھا ہے۔ راقم صابر نے اپنے مضمون پڑھنے کے بعد اسی کا ہی مطالعہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے صفحہ 181 پر تحریر فرمایا ہے۔

''میلاد اکبر کیا ہے۔ یہ پہلی بار کب شائع ہوئی......اس قسم کی معلومات ہمیں میلاد اکبر کے مطالعے سے نہیں ملتیں۔''

ان جملوں کو پڑھ کر بہت حیرت ہوئی۔ حیرت کی وجہ یہ تھی کہ راقم السطور کے پاس بھی اس کتاب کا ایک بوسیدہ نسخہ موجود ہے، جس پر سنہ طباعت کا اندراج نہیں ہے۔ ورق گردانی کی تو صفحہ 87-88 پر قطعہ تاریخ بطور تقریظ کے عنوان سے (غزل کی ہیئت میں) 14 اشعار کی ایک نظم موجود پائی۔ یہاں پر نقل کرتا ہوں۔

اے جزاک اللہ اکبر! واہ واہ — کیا لکھی رودادِ میلادِ حضور
ہیں رسالے اور بھی، لیکن یہ ہے — ایک ہی رودادِ میلادِ حضور
سچے سچے واقعے کی شرح ہے — واقعی رودادِ میلادِ حضور
آپ کے حصے میں ہی روز ازل — آ گئی رودادِ میلادِ حضور
آپ کی تالیف کو صد آفریں — جمع کی رودادِ میلادِ حضور
آپ کے حق میں سند ہے مستند — عفو کی رودادِ میلادِ حضور
دونوں آنکھوں نے لیے دو صاد جب — دیکھ لی رودادِ میلادِ حضور
کھول کر بستہ جو کھولی یہ کتاب — کُھل گئی رودادِ میلادِ حضور
راہ پر آئے جو پڑھ لے ایک بار — مدعی، رودادِ میلادِ حضور

ایسی دلچسپ آج تک دیکھی نہ تھی کوئی بھی رودادِ میلادِ حضور
غنچۂ دِل کِھل گیا جب یہ سنا چھپ گئی رودادِ میلادِ حضور
بزم میں ایمان تازہ ہوگیا جب سنی رودادِ میلادِ حضور
دوہری خوبی یہ کہ تم نے خود لکھی خود پڑھی رودادِ میلادِ حضور

چھاپ دو حافظؔ کی بھی تاریخِ طبع
''اب چھپی رودادِ میلادِ حضور''

اس سے سال 1337 برآمد ہوتا ہے۔قطعاتِ تاریخ عموماً طویل نہیں ہوتے۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس کی ردیف کچھ زیادہ ہی طویل ہوگئی ہے۔راقم الحروف نے اس سے پہلے ایسی ردیف (شاید) نہیں دیکھی ہے۔اس کو یوں سمجھئے کہ اس کا مصرع تاریخ ہے۔ ے

''اب چھپی رودادِ میلادِ حضور''

اس کا وزن ہے فاعلاتن فاعلاتن فاعلات۔ ردیف ہے۔''رودادِ میلادِ حضور'' نیز قافیے کا وزن ہے''فاعلن'' مزے کی بات یہ ہے کہ مصرع میں ردیف اور قافیے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ایسے مصرع بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ یہ تاریخ حافظ خلیل الدین صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ بہادر، پیلی بھیت کی مستخرج ہے۔معلوم نہیں نذیرؔ فتح پوری صاحب کو تاریخ طباعت نہ ہونے کا سہو کیوں اور کیسے ہوا، نذیرؔ صاحب کے بیان سے مجھے غلط فہمی ہوگئی تھی کہ اُن کے پیش نظر جو ایڈیشن تھا وہ بعد کے زمانے کا ہوگا۔اس لیے کہ تاریخ طباعت عام طور سے پہلے ایڈیشن میں چھاپی جاتی ہے۔اس سے مجھ کو یہ خوش فہمی بھی ہوگئی کہ میرے پاس موجود بوسیدہ نسخہ طبع اوّل ہے۔

بازار سے مجھے میلادِ اکبر کا جدید ایڈیشن قدرے تاخیر سے دستیاب ہوا۔ یہ جسیم بک ڈپو مٹیا محل، جامع مسجد دہلی نمبر 6 کا شائع کردہ ہے۔ اس میں 102 صفحات ہیں۔ اور یہ کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ آفسیٹ پر طبع ہوا ہے۔جدید طباعت کا سال مذکور نہیں ہے، بلکہ کسی طباعت کا بھی حوالہ نہیں۔آخر میں چار دیگر شعراء کا کلام مزید ہے۔نثر میں کچھ ذکر پاک حضرت غوث اعظم علیہ الرحمہ کا زائد ہے۔

یہ عرض کر چکا ہوں کہ میلادِ اکبر پہلی بار 1337ھ میں طباعت سے آراستہ ہوا تھا، جو آج تک بھی جاری ہے۔ اس کو ایک اتفاق ہی کہا جائے گا کہ ''دبستانِ نعت'' کے جس شمارے میں یہ مضمون شائع ہوا وہ 1437ھ میں منظرِ عام پر آیا۔ اگر پہلے سے ہی اس بات پر غور کر لیا گیا ہوتا تو میلادِ اکبر وارثی پر کچھ اور مضامین لکھوا کر اس کو میلادِ اکبر وارثی کا صدی نمبر قرار دیا جا سکتا تھا اور اگر ایسا ہو جاتا تو وہ موقع محل کے عین مطابق ہوتا۔

اب سال 1437ھ تو گزر گیا۔ اس بھول چوک کی بھرپائی اس طرح ہو سکتی ہے کہ 1337ھ مطابق تھا 19-1918ء کے، لہٰذا اب میلادِ اکبر کا صدی نمبر 19-2018ء میں شائع کیا جا سکتا ہے، جو سالِ عیسوی کے حساب سے درست ہوگا۔

ڈاکٹر نذیر فتح پوری نے میلادِ اکبر کی کئی خوبیوں کا ذکر مذکورہ مضمون میں کیا ہے۔ دو چار باتیں میں بھی عرض کرنا چاہتا ہوں۔ قطعہ تاریخ طباعت کتاب کے آخر میں ہوتا ہے، لیکن اتفاق کی بات کہ اس خوبی کا ذکر آغاز میں ہی آ گیا، کچھ مزید خوبیوں یا کیفیات کا ذکر بعد میں کر رہا ہوں۔

کتاب میں تقریباً صد صفحات ہیں اور ساری کتاب ذکرِ میلاد اور فضائل سے ہی متعلق ہے۔ مصنف زوائد سے دامن کش رہے ہیں بلکہ اختصار کا بھی خیال رکھا ہے۔ اگر کسی موقع پر ذکرِ میلاد کے لیے وقت کم ہو یا بہت کم ہو تو اس کو بہت تھوڑے وقت میں بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ قدیم ایڈیشن کے صفحہ نمبر 132 اور صفحہ نمبر 33 پڑھ کر بھی کام چلایا جا سکتا ہے۔ قیام کی حالت میں پڑھا جانے والا اسلام بھی انہی دو صفحوں میں شامل ہے۔

میلادِ اکبر وارثی میں اکثر شعری کلام بھی مصنف یعنی اکبر وارثی میرٹھی کا ہی ہے، لیکن مستثنیات بھی ہیں۔ قطعہ تاریخ طباعت کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ حافظ خلیل الدین صاحب کا عطیہ ہے۔ (قطعہ تاریخ مصنف کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اکثر و بیشتر حالت میں یہ کسی دیگر شخص کا ہی ہوتا ہے)۔

علاوہ ازیں کچھ تضمینات بھی ہیں جو اکبر وارثی صاحب نے نظم کی ہیں جن غزلوں پر مصرعے لگائے ہیں وہ ان کے نہیں ہیں۔ اگرچہ وہ تعداد میں زیادہ نہیں ہے۔

صفحہ نمبر 22 پر خمسے کے چار بند ہیں مطلع یہ ہے۔

در مصطفیٰ سنگ موسیٰ نہیں ہے

یہاں عرض ہے، طورِ سینا نہیں ہے

یہ نعتیہ غزل حضرت بیآن میرٹھی کی ہے، جو شاید اکبر وارثی میرٹھی کے استاد بھی تھے۔ اکبر وارثی صاحب نے اس غزل پر مصرع لگا کر خمسے کی شکل مرحمت فرمائی ہے۔

صفحہ نمبر 59-60 پر مثنوی مولانا روم سے تین عدد معجزات سید خیرالانام کی تلخیص کی ہے۔ان اشعار کا اردو میں ترجمہ بھی نہیں کیا ہے جو آج کل کے لحاظ سے ضروری ہوتا۔اس لیے کہ اب فارسی جاننے والے بہت کم ہیں۔

صفحہ نمبر 79-80-81 پر ایک خمسہ ہے، جس کی غزل بیآن میرٹھی کی تخلیق ہے۔اُس پر مصرع لگا کر تضمین اکبر وارثی کی ہے۔صفحہ 85 پر حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی بیت۔

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدّجی بجمالہ

حسنُت جمیع خصالہ صلّوا علیہ و آلہ

پر تضمین کے چار چار مصرع لگا کر مسدس کے چھ بند تیار کر ترجیع بند بنا دیا ہے۔آخر میں فارسی شاعر حزیں کی بیت۔

دو عالم بہ کاکُل گرفتار داری

بہ ہر سو ہزاروں سیہ کار داری

پر مصرع لگا کر 8 بند تحریر کئے ہیں۔ان میں پانچ بند مطلع ہیں یعنی ہر بند کے سبھی (6) مصرعوں میں ماری، کٹاری، ساری، بھکاری، پچکاری وغیرہم قوافی رکھے ہیں۔اس سے تضمین پسندیدہ ہوگئی ہے۔اکبر وارثی میرٹھی سلجھے ہوئے نثر نگار اور خوشگو شاعر تھے۔نثر میں جہاں کہیں کچھ خامیاں نظر آتی ہیں غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ سہو کتابت کی کرشمہ سازیاں ہیں۔نثر عام طور پر رواں اور اس عہد کے چلن کے مطابق ہے، جب وہ لکھی گئی تھی۔ایک صدی بعد زبان کا معیار بدل جانے اور تبدلِ زمانہ کے باعث ذوق اور معیار تبدیل ہو جانے کی وجہ سے نامانوس سی لگتی ہے

مگر فہمائش اور تاثیر میں کچھ کمی نہیں ہے۔

اکبر وارثی کو جیسی قدرت نثر پر حاصل تھی ویسی ہی شاعری پر بھی تھی۔ میلادِ اکبر میں شامل شعری کلام میں خلوص، اثر اور جوش کی کارفرمائی آج بھی محسوس ہوتی ہے۔ بطور نمونہ تین عدد فن پارے نقل کر رہا ہوں۔

تعظیم سے لیتا ہے خدا نام محمد ﷺ — کیا نام ہے اے صلی علیٰ نام محمد ﷺ
قرآن میں، جنت میں، سرعرش، سرِ لوح — کس شان سے خالق نے لکھا نام محمد ﷺ
مزّمّل و مدّثّر کہہ کہہ کے پکارا — کس پیار سے لیتا ہے خدا نام محمد ﷺ
ڈرتا تھا گناہوں سے میں رحمت نے ندا دی — غافل! تو کہیں بھول گیا نام محمد ﷺ
ان ناموں کے انعام میں مل جاتی ہے نعمت — لو صبح و مسا نامِ خدا نام محمد ﷺ
اللہ کرے اُس پہ حرام آتش دوزخ — جس شخص کے ہو دل پہ لکھا نام محمد ﷺ
کیا ڈر ہے اگر قبر میں ہوں افعی وکژدُم — ہے امت عاصی کا عصا نام محمد ﷺ
آنکھوں میں بسے، دل میں رہے ہونٹوں پہ آئے — طیبہ کی فضا، یادِ خدا، نام محمد ﷺ

اکبر تو بچا چاہے اگر نارِ سقر سے
سینے کے نگینے پہ کُھدا نام محمد ﷺ

آمدِ مصطفیٰ ﷺ سے پھولا پھلا چمن چمن — آئی بہار ہر طرف کھلنے لگا چمن چمن
شادی ہے ہر مقام میں نخل ہیں سب قیام میں — ڈالیاں ہیں سب سلام میں، جھکنے لگا چمن چمن
کلیاں تمام کھل گئیں، شاخیں خوشی سے ہل گئیں — بلبلیں گل سے مِل گئیں ہنسنے لگا چمن چمن
چومتا ہے شجر شجر، تازہ ہوا ہے پھول پھول — سبز ہوئی روش روش، گل سے بھرا چمن چمن
ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں، کلیاں بھی مسکراتی ہیں — بلبلیں چہچہاتی ہیں، صلّ علی چمن چمن
بادِ خزاں کو چھانٹتی، خوشبو سے سب کو آنٹتی — پھرتی ہے عطر بانٹتی بادِ صبا چمن چمن

نعت میں قیل وقال ہو، مدحتِ ذوالجلال ہو
اکبر خوش مقال ہو، نغمہ سرا چمن چمن

جب کہ پیدا ہوا شاہِ زمن ہو گیا — اک جہاں غیرتِ صد چمن ہو گیا
وقتِ میلاد ہر غنچہ گلزار میں — خندہ زن خندہ زن خندہ زن ہو گیا

تخت اوندھے ہوئے اور ابلیس بھی
بے وطن، بے وطن، بے وطن ہو گیا

آپ کے فیض سے بحرِ فضلِ خدا
موجزن، موجزن، موجزن ہو گیا

چاک عشاق کا آپ کے ہجر میں
پیرہن پیرہن پیرہن ہو گیا

بت شکستہ ہوئے اور خطاب آپ کا
بت شکن، بت شکن، بت شکن ہو گیا

تم پہ قرباں ہمارا شہِ انبیا!
جان وتن، جان وتن جان وتن ہو گیا

آپ کے ہجر میں اکبر نیم جاں
خستہ تن، خستہ تن خستہ تن ہو گیا

☆☆☆

جدید اردو نعت میں روحِ عصر

ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی بھٹکل (کرناٹک)

جدید اردو ادب کا آغاز سرسید اوران کے رفقاء حالی و شبلی سے ہوتا ہے، جب انہوں نے شعروادب کو نئے اسالیب، نئی ہیئتوں اور نئے موضوعات سے ہمکنار کیا۔ شعر کا رشتہ ''فردیت'' کے بجائے ''اجتماعیت'' اور داخلیت کے بجائے ''خارجیت'' سے جوڑا تو تمام اصنافِ سخن کے ساتھ نعت کے موضوع کو بھی وسیع کینوس ملا۔ اب حالی اوران کے رفقاء کی نعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف عقیدت ومحبت کے اظہار تک محدود نہیں رہی بلکہ اسے وسیلۂ اصلاح سیرت و کردار بھی بنایا گیا۔ سیرت کے پیغام کو عام کرنے اور مقاصد نبوت کو فروغ دینے کی تحریکی ضرورت کا احساس بعد میں شدت اختیار کرتا گیا۔ گزشتہ نصف صدی میں ایسے ہم فکر شعراء کا ایک کارواں اردو ادب میں جادہ پیما ہوا، جن کا مقصد اسلامی ادب کا فروغ اور نعت میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشروط کرنے کا جذبہ ان شعراء کا رہنما رہا ہے۔

الطاف حسین حالؔی کی نعت، جس میں انہوں نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ملّتِ اسلامیہ کا حال زار بیان کیا ہے۔ اس کی ابتدا نہایت پر درد اور رقت انگیز ہے اور جس کے بعد تو اردو نعت گویا عصری مسائل اور ملّی شعور کا مرقع بن گئی۔ ملّت کے معاملات دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں استمداد و استغاثہ اور فریادوں کا نہایت پر درد بیان شروع ہوگیا۔ ؎

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقت دعا ہے	امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے	پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے
فریاد ہے اے کشتی امت کے نگہباں	بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

دور جدید نے جو روحانی اور تہذیبی کرب جنم دیئے ہیں، ان کی گونج بھی آج کی نعت

میں سنائی دے رہی ہے۔ گویا جدید اردو نعت فرد سے لے کر ملت کے اجتماعی مسائل سے پیدا ہونے والے گہرے کرب سے مرتب ہوئی ہے۔ نعت کا یہ رنگ و آہنگ اردو کی نعتیہ شاعری کا امتیاز خاص ہے۔ عصری آگہی، اجتماعی مسائل، سیاسی و تاریخی اور ملی شعور کی جھلکیاں جتنی کثرت اور جذبہ کی شدت کے ساتھ اردو زبان کی نعتیہ شاعری میں ملتی ہیں، وہ شاید ہی دوسری زبانوں میں ملیں۔ اس وقت میرے سامنے دور حاضر کے درجنوں شعراء کی نعتیہ عطائیں ہیں، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے عشق و شیفتگی کے ذکر کے ساتھ ملت کے اجتماعی احوال بھی بیان کئے گئے ہیں۔ یہ نعت گو شعراء غمِ جاناں کے ساتھ غم دوراں کی روداد بھی سناتے رہے ہیں۔

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا حالؔی نے مد و جزرِ اسلام کے نام سے ایک طویل نظم لکھی جو مسدس حالی کے نام سے مشہور ہے۔ اس نظم میں انہوں نے مسلمانوں کے دورِ عروج کی تاریخ بیان کی ہے اور اس کے بعد عہدِ زوال و انحطاط کی تصویر بھی کھینچی ہے، جس کا مقصد مسلمانوں کو بیدار کرنا اور انھیں انقلاب کیلئے تیار کرنا ہے۔ حالی کی شاعری گہرے ملی شعور کی آئینہ دار ہے۔

جب مغربی تہذیب کا ستارۂ اقبال مسلمانوں پر چمکا اور ان کے ملک کے ملک اس تہذیب کی یلغار سے پسپا ہونے لگے تو حالی کے ساتھ اکبرالہ آبادی نے بھی طنز کے تیر و نشتر لے کر مغربیت کے خلاف میدان میں آ گئے۔

پھر اقبال نے بھی مغربی تہذیب کو تنقید کا نشانہ بنایا، مگر اکبؔر کے مقابلہ میں اقبالؔ کے یہاں گہرائی زیادہ ہے۔ اس مغربی تہذیب کا ضمیر و خمیر لادینیت، مادیت، عیش کوشی اور لذت و منفعت سے بنا ہے۔ اقبال نے مغرب کے نظام فکر و تعلیم کو اپنی فلسفیانہ تنقید کا نشانہ بنایا۔ اقبال نے اپنے نعتیہ اشعار میں خصوصاً ارمغان حجاز میں عصر حاضر کے افکار کا گہرا تجزیہ کیا اور اس کے نقصانات بتائے۔ ملت کی بے بسی کا ذکر اقبال نے یوں کیا ہے۔

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر	اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روح محمد	آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

یہاں پر ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا نعتوں میں ملی مسائل، اجتماعی درد اور

استغاثہ وفریاد کی پیش کش درست ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ اردو کے مقابلہ میں عربی و فارسی کی نعتیں زیادہ موحّدانہ شان رکھتی ہیں۔ عربی وفارسی شعراء کے نزدیک قومی وملی مصائب کا بیان نعت کے دائرہ سے باہر کی چیز ہے اور آلام روزگار کی فریاد پیش کرنے کی جگہ رب ذوالجلال کی بارگاہ ہے نہ کہ مدینہ کی سرکار۔ چنانچہ اس مسئلہ پر عربی زبان وادب کے معروف اسکالر، ناقد اور محقق پروفیسر محسن عثمانی ندوی نے اپنے ایک مضمون میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، لکھتے ہیں؛

> ''قومی وملی درد وغم کے اظہار کے لئے نعت کی صنف سخن عربی اور فارسی میں کبھی نہیں رہی لیکن اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ عربی وفارسی نعتوں میں شخصی اور ذاتی غموں کا بیان موجود ہے اور نعت گوشعراء ''پئے درماں طلبی'' مدینہ تک پہنچتے اور رحم کے لئے پکارتے رہے ہیں۔ اب اگر نعت میں شخصی اور ذاتی غموں کے بیان کی گنجائش موجود ہے تو قومی اور ملی احوال کے ذکر کی گنجائش بدرجہ اولیٰ نکل سکتی ہے۔ اس کے علاوہ جدید عربی شاعری میں شوقی سے لیکر عدنان نحوی تک بعض شعراء کے نعتیہ کلام میں قومی اور ملی احوال ومصائب کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس لئے موحدانہ اور غیر موحدانہ کی اصطلاح میں توجیہ کی تلاش غلط معلوم ہوتی ہے۔''

یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ نعت گوئی کا فن گویا پل صراط کا سفر ہے۔ جس میں قدم قدم پر لغزش پا کا خطرہ ہے۔ خدا اور رسول کے مابین فرق وامتیاز کی جو فصیل ہے وہ عام طور پر اردو کی قدیم نعتیہ روایات میں ملحوظ نہیں رکھی گئی ہے۔

عام طور سے نعت کا موضوع شمائل وسراپا نگاری' یاد مدینہ میں بیقراری، اذن حضوری کا انتظار، دوری ومہجوری میں سرشاری، ساتھ ہی حیات طیبہ، اخلاق نبوی، شفاعت طلبی، اشک ندامت، حضور کے احسانات کا تذکرہ اور درود وسلام کے موضوعات ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ ان موضوعات میں اردو کی جدید نعتیہ شاعری نے عصری آگہی، ملی شعور، سوز وگداز کے ساتھ دورِ ابتلاء وآزمائش کے بیان کا اضافہ کردیا ہے۔ غم دوراں اور احوال زمانہ کے بیان کی ایک بڑی وجہ برصغیر

ہند میں مسلمانوں کو تاریخ کے جس المیہ کا سامنا کرنا پڑا وہ نہایت دلدوز اور جاں گداز ہے۔ اس تاریخ میں تین ادوار ۱۸۵۷، ۱۹۴۷ اور ۱۹۹۲ خاصی اہمیت کے حامل ہیں، جبکہ یہاں کی ملت اسلامیہ کو ابتلاء و آزمائش کے عظیم سمندر اور آگ و خون کے دریا سے گزرنا پڑا تھا، ان دلخراش واقعات کا بیان باعث طوالت بھی ہے اور حیرانی و پریشانی کا سبب بھی۔

اگر اس طویل تاریخی پس منظر کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آجائے گی اور کوئی حیرت کی بات نہیں رہ جائے گی کہ ہندوستانی شعراء نے زیادہ نعتیں کیوں کہی ہیں؟ ان نعتوں میں قومی و ملی حالات کی عکاسی کیوں کی گئی ہے اور ان میں زیادہ سوز و گداز کیوں ہے؟ دراصل یہ کارساز ازل کی حکمت کی کارفرمائی ہے۔ جب سیاسی و سماجی نظام عام ہو جاتا ہے تو سرچشمہ اسلام سے دلوں میں زبردست عشق و شیفتگی پیدا ہو جاتی ہے جو ایک حصار کا کام کرتی ہے۔ اردو کی نعتیہ شاعری اس کی بہترین مثال ہے۔

اب ایک نعتیہ نظم کے چند اشعار دیکھئے جن میں شاعر نے دورِ جدید کے فتنہ کے مقابلہ کے لئے ایک نئے مجدّد اسلام کے ظہور کی تمنّا کی ہے۔ نظم میں جوشِ عقیدت اور سوز و ساز موجود ہے۔ طویل نعتیہ نظم سے چند شعروں کا انتخاب پیش کیا جا رہا ہے۔

حضور! دشتِ بلا میں ہے شامِ غم کا ظہور
حضور! آپ کی چشمِ کرم ہے آیۂ نور

جلائے شعلہ جاں ڈھونڈتا ہے راہوں کو
گھرا ہے ظلمتِ ہجراں میں آپ کا مہجور

حضور! قرب کے لائق کہاں یہ دیوانہ
مگر اجازتِ حسرت کشی عطا ہو ضرور

گھرا ہے یورشِ تشکیک و وہم میں مومن
ہوئی ہے عام جہاں میں رسومِ فسق و فجور

حضور! کوئی مجدّد عطا ہو ملّت کو
ہو جس کے فیض سے احیائے دینِ حق کا ظہور

بہت طویل ہیں آلامِ دہر کے سائے
بہت دراز ہے اب دامنِ شبِ دیجور

(عبداللہ خاور)

ایک دوسری نعتیہ نظم میں شاعر مدینہ جانے والے کو حسرت سے دیکھتا ہے اور ان کی خاک قدم کو اپنا سرمہ بنانا چاہتا ہے اور ان سے یہ گزارش کرتا ہے کہ اس دربار میں پہنچ کر امّت کا حال زار ضرور سنانا۔

اے خوش نصیب لوگو ! یثرب کے جانے والو — عیش ابد کمالو رنج سفر اٹھا کر
آؤ ذرا کہ دے لوں تسکیں اپنے دل کو — خاکِ قدم تمہاری انکھوں سے میں لگا کر
اس بدنصیب کی ہے اک عرض سنتے جاؤ — کہتا ہے چشمِ تر سے سیروں لہو بہا کر
دیکھو یہ یاد رکھنا طیبہ میں جب پہنچنا — مجھ کو نہ بھول جانا مقصود اپنا پا کر
ہو روضۂ نبی پر جب حاضری تمہاری — کہنا بہت ادب سے جالی کے پاس جا کر
سرکار نیند کب تک للہ جلد اٹھیے — امّت کا دم رکا ہے گویا لبوں پہ آ کر
محشر بپا ہے اٹھیے اے شمع بزم محشر — امّت کے سر پہ رکھیے دست کرم اب آ کر
بگڑی ہے بات ایسی بنتی نہیں بنائے — بیٹھے ہیں آپ ہی سے سب آسرا لگائے

(تمنا عمادی پھلواروی)

فرقہ وارانہ فسادات ہندوستانی مسلمانوں کا ایک ایسا سنگین مسئلہ رہا ہے۔ جو اردو کی نعتوں میں اکثر موضوع اظہار بنا ہے۔ دیکھئے ایک شاعر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و منقبت لکھنا چاہتا ہے اسی اثنا میں جبل پور میں فساد کا آتش فشاں بھڑک اٹھتا ہے جو اُس کے خیال کو آتش بداماں کر دیتا ہے۔

اے عازمِ دربارِ شہنشاہِ مدینہ — یاد آئیں اگر تجھ کو شہیدانِ جبل پور
کہنا بصدِ آداب کہ اے مرکزِ امّید — بدلے گئے کیوں بارگہِ ناز کے دستور
یا وہ ترے الطاف وعنایات کا عالم — دشمن کا بھی دامن ترے احسان سے معمور
یا آج ہے یہ شانِ تغافل کہ غضب ہے — کیا کچھ نہ ہوا زیرِ فلک آہ! جبل پور
کہنے کے لئے چاہئے پتھر کا کلیجہ — ہم کیا کہیں کیونکر کہیں ہرگز نہیں مقدور
تھرّا اٹھے عبرت سے بیابان وجبل بھی — اغیار کے دل جس کے تصوّر سے ہوئے چور
حیرت ہے کہ یہ حادثہ امّت پہ جو گزرا — کیوں رہ گیا آقا کی نگاہوں سے یہ مستور
ایسی بھی غلاموں سے خطا کیا ہوئی سرزد — افسوس کہ ایسے ہوئے ہم راندہ ومقہور
گو بادۂ عصیاں کا نشہ ہم پہ ہے طاری — مانا کہ ہوئے ہم بہت آزادہ ومغرور
لیکن ہے خطا کاروں کا اک تو ہی سہارا — تو ہی جو خفا ہوا تو کہاں جائیں یہ مجبور
نسبت ہمیں تجھ سے ہے کچھ اس کی بھی رہے لاج — غیروں سے تو فریاد نہیں ہے ہمیں منظور

یہ خون وطن کو تری امّت نے دیا ہے　　حاضر ہیں ترے در پہ شہیدان جبل پور

(حفیظ الرحمان واصفؔ)

اب اسی طرح کی ایک دوسری نعت کے چند اشعار دیکھئے۔ مراد آباد میں جب عین عیدالفطر کے دن عیدگاہ میں قتل کا بازار گرم ہوا تو کلیم عاجز نے بادصبا کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا۔

مدینہ پہنچ کر سر عام کہیو　　صبا کملی والے سے پیغام کہیو

یہاں میکدہ کہتے ہیں قتل گہہ کو　　لہو سے بھرے جاتے ہیں جام کہیو

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے　　محرم کا اب عید ہے نام کہیو

میرٹھ میں مسلمانوں کا خون بہا کلیم عاجز بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تو اپنی فریاد اس طرح پیش کی۔

یہ سر کہ جس کا مول نہ تھا تاج قیصری　　ہوتا ہے اب فروخت بہت سستے دام پر

اور سستے دام کی بھی ضرورت نہیں رہی　　بے دام ہی تراش لئے جاتے ہیں یہ سر

گردن بریدہ پیرہن وجسم سوختہ　　یوں بھی ہم آئے کوچہ وبازار میں نظر

اب کریم آپ کا اور آپ ﷺ بھی کریم　　اب درمیاں دونوں کریموں کے ہے یہ سر

مسلمانوں کی خانماں بربادی اور حرماں نصیبی کا کچھ نہ کچھ ذکر کلیم عاجز کی ہر نعت میں ضرور ملتا ہے ایک نعت کے چند اشعار دیکھئے۔

یہ بات صبا کہیو ان سے وہ جن کی کملیا کالی ہے
اب ان کے غلاموں کے گھر کی دیوار الٹنے والی ہے
کہیو کہ انھوں نے اپنی نظر کیوں ہم سے الگ فرمالی ہے
ہم نے تو انہیں کے زلفوں کی زنجیر گلے میں ڈالی ہے
کہیو کہ دلوں پر چھائی ہوئی ہر سمت شکستہ حالی ہے
دن بھی یہاں سونا سونا اور رات بھی کالی کالی ہے
کہیو کہ یہ صورتحال ہے اب ہم منہ کو چھپائے پھرتے ہیں
گردن پہ تو چہرے ہیں لیکن چہروں پہ کہاں اب لالی ہے

کہیو کہ وہی تو ساقی ہیں کہیو کہ وہ یہ بھی جانیں ہیں
رندوں کو لگی ہے پیاس بہت اور سب کا پیالہ خالی ہے

اس دور کے دوسرے شعراء میں ماہرالقادری، نعیم صدیقی، حفیظ میرٹھی وغیرہ کے یہاں بھی نعتوں میں عصری حسیت کی مثالیں وافر تعداد میں پیش کی جاسکتی ہیں۔لیکن میں آخر میں صرف سرزمین دکن کے ایک نمائندہ شاعر شاذ تمکنت کی ایک نعتیہ نظم کے چند بند پیش کرنا چاہتا ہوں جس میں غم جاناں کے ساتھ غم دوراں بھی پوری طرح موجود ہے۔ ؎

آپ اکیلے مل جائیں تو دامن تھام کے رولوں گا

جی غم سے ہے بوجھل بوجھل رات اندھیری گھرے بادل
اپنے گناہوں کی ہے کہانی بہتے ہوئے اشکوں کی زبانی
سب کے آگے کیسے بولوں، تنہائی میں بولوں گا
آپ اکیلے مل جائیں تو دامن تھام کے رولونگا

بھیڑ بہت ہوگی تو کیا غم میرا مقدر دیدۂ پر نم
جب مہکے خوشبوئے بہاری جب اترتے جلوے کی سواری
میں تو سراپا نادم نادم پیچھے پیچھے ہولوں گا
آپ اکیلے مل جائیں تو دامن تھام کے رولونگا

شاذ وطن میں بے وطنی ہے آگے دیکھو چھاؤں گھنی ہے
ہجر کا قصہ پاک کرو بھی دامن جاں اب چاک کرو بھی
عمر کی رات آنکھوں میں کٹی ہے پل دو پل کو سولوں گا
آپ اکیلے مل جائیں تو دامن تھام کے رولونگا

دور حاضر کے بیشتر شعراء نے اپنی نعتیہ شاعری میں ملت کے غم اور اس کے مستقبل کی فکر کے جذبہ کو پوری شدت سے پیش کیا ہے۔بطور نمونہ چند شعراء کے اشعار بغیر کسی تلاش کے جو میرے سامنے آگئے انھیں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

(۱) حفیظ تائب:-

آمادہ شر پھر ہیں ستم گر میرے آقا امت کی خبر لے مرے سرور مرے آقا
افغانیوں پر کوہ الم ٹوٹ پڑا ہے خونریز ہیں کہسار کے منظر میرے آقا
فریاد کناں ہیں در و دیوار فلسطیں ہیں نوحہ طلب مسجد و منبر میرے آقا

(۲) سبطینؔ شاہجہانی:-

قصر ملت پہ عجب ضرب لگی ہے مولا کوئی پہلو بھی نہیں اس سے سلامت آقا
بھائی سے بھائی جدا خون سے خون الگ چشم مسلم میں نہیں آج مؤدت آقا
سیل آفات وبلّیات سروں سے گزرا اپنی کیا کیانہ ہوئی خواری وذلت آقا
استغاثہ مرا دربار عطا میں ہو قبول ازرہ بندہ نوازی ہو عنایت آقا
کیجئے سبطین کریمین کے حصّے میں کرم کب سے منجدھار میں ہے کشتئ امت آقا

(۳) سلیم کوثر:-

کچھ دھوپ ہے کچھ حبس کا صحرا میرے آقا ایسے میں ہوا کا کوئی جھونکا میرے آقا

(۴) عزیزاحسن:-

شہ دوسراﷺ، نگہ کرم مجھے پھر ستانے لگی الم مجھے پھر ڈرانے لگا ہے اب نئی مشکلات کا سلسلہ

(۵) صبیح رحمانی :-

میں نواح شب میں بھٹک گیا نئے سورجوں کی تلاش میں
کوئی روشنی کہ بدل سکے میری شب کا حال میرے نبی

(۶) ابوالامتیاز ع 'س' مسلم :-

لسان ونسل وقومیت کی دیواریں اٹھا کر اتارے ہم نے گھر میں امن وعافیت کے زنداں
سلام اے رہنما وہادیﷺ ومصباح ظلمت اندھیروں میں تری امت ہے پھر غلطاں وپیچاں
زمستاں کی شب تاریک نے گھیرا ہے آقا کھلے لطف تبسم سے ترے صبح درخشاں
ضرورت پھر سے تیری دست گیری کی ہے آقا کہ پھر ہے کشتی عزم ویقیں محصور طوفاں

مختصر یہ کہ ملت کی زبوں حالی کا دلدوز تذکرہ جدید اردو نعت کا ایک ایسا امتیاز خاص ہے ،جس کا مقابلہ شاید دنیا کی دوسری زبانیں نہیں کرسکتی ہیں۔ملت اسلامیہ جب بھی اور جہاں جہاں بھی جبر،ظلم وبر بریت اوراستحصال کا شکار ہوئی ہے،اس کے حساس شعراء نے رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی رحمت کے تصور کو فکری و عملی سطح پر عام کرنے کی بھرپور کدو کاوش کی ہے۔ اور یوں اس کے صلے میں وہ سکون قلب کی دولت سے مالا مال ہوئے ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جب جب غلامان رسول صلی اللہ علیہ وسلم عاجزی کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے اپنے آقا کے حضور امت کی بے چارگی اور بے کسی کا تذکرہ کرتے ہیں تو نعت روح عصر کی نمائندہ بھی ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی استغاثہ و فریاد، دعا، التجا اور عرض داشت بھی قرار پاتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جب ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق عصر حاضر کی تمام بیماریوں سے نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے اور جدید نعتیہ شاعری کا یہ نیا رخ تابناک مستقبل کا پیش خیمہ ہے۔

○○○

تذکرۂ نعت گو شاعرات

ررشید اختر خان (دھنباد ۔ جھارکھنڈ)

نعت گوئی کی تاریخ یوں تو بہت قدیم ہے مگر اصنافِ سخن میں اس کی مستقل بالذات حیثیت بہت بعد کو تسلیم کی گئی۔ نعت وہ صنف سخن ہے جہاں ادرک وشعور کے ساتھ صداقت و عینیت کی ضرورت ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ شاعری ہوتے ہوئے بھی ایک الگ چیز ہے۔

لفظ نعت کی ابتدا ورفعنا لک ذکرک سے ہوتی ہے جو فرمانِ الٰہی ہے دنیا میں نعتیہ شاعری کی ابتدعربی زبان سے ہوتی ہے اور حضرت عبدالمطلب کے وہ اشعار جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشخبری سنتے ہی انہوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گود میں اُٹھا کر خانۂ کعبہ میں لے جا کر کہے۔

ولادت کے بعد اور یہی نعتیہ اشعار تہنیت کے ہیں۔ اسی طرح حضور رحمت للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وہ نعتیہ اشعار بھی جو اس وقت کہے گئے جب حلیمہ سعدیہ حضور سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لے کر چلی تھیں جو کسی خاتون کی نعتیہ شاعری کا اوّلین نمونہ شمار کیا جاتا ہے۔

أُعیذ بالله ذالجلال　　　من شر مارئ علی الجبال
حتی اراہ حامل الحلال　　　و یفعل العرف الیٰ الموالی

بعثت کے بعد کسی خاتون کا پہلا اہم نمونہ نعت بنی زُہار کی خاتون کے درج ذیل اشعار میں ہے جو غلطی سے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب ہے۔

و اجمل منك لم ترا قط عینی　　　و احسن منك لم تلد النساء
حسنت طرفا و شهرت قدرا　　　كانك قد خلت كما تشاء

نعت کے ابتدائی نمونے اس موزوں کلام سے بھی اخذ کئے جاسکتے ہیں جو بنونجار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں نے دف بجا کران اشعار سے آپ کی مدینہ آمد پر استقبال کیا تھا۔

نحن جوار من بنی النجار　　　　یا حبذا محمد من جار

ہجرت کے فوراً بعد کی ایک عجیب وغریب روایت ملتی ہے۔ایک رات کفار مکہ نے سنا کہ کوئی شخص نہایت دل آویز اور دل نشیں آواز میں اشعار پڑھ رہا ہے لیکن وہ شخص نظر نہیں آیا اہل مکہ کی نیند اُڑ گئی۔ناقدین ادب ان اشعار کو شعرالجنی یا شعرالمجہول کہے ہیں ملاحظہ ہو۔

جز اللّٰہ رب الناس خیرا جزائہ　　　　رفیقین قالا خیمتی ام معبد

ان اشعار میں جن خاتون کا نام آتا ہے وہ امّ معبد ہیں۔ یہ وہ خوش نصیب خاتون ہیں جن کے خیمے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کے وقت کچھ دیر ٹھہرے تھے۔اس مبارک قیام کے حوالے سے امّ معبد کی ایک نثری نعت بھی بہت مشہور ہے اہل تذکرہ نے امّ معبد کا نام عاتکہ بنت خولہ بھی لکھا ہے۔

عربی میں خواتین کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے ایک اور خوبصورت واقعہ محمد رضا مصری نے اپنی کتاب ''محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' میں لکھا ہے کہ سفیان بن مجاسع التمیمی کو ایک کاہن عورت نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت مسجع ومقفع کلام میں دی اور کہا۔

نبی موید قد اتییوجدولی　　　　یبعث الاحمد و الا سود بکتاب لا ینفعو اسم محمد

''وہ نبی جس کی تائد کی جائے گی تم جلدی اس کو پاؤ گے وہ وقت قریب ہے جب اس کی ولادت ہوگی وہ اسود واحمر کی طرف ایک لافانی کتاب لیکر آئے گا اس کا نام محمد ہوگا۔''

جب سفیان نے پوچھا وہ عربی ہوگا یا عجمی؟ **بولی احاد السمأ ذات الارض و السماوات و الا فنان انہ لمن معداابن عدنان** ۔ تجھے بلندیوں والے آسمان کی قسم گھنی شاخوں والے درختوں کی قسم وہ معدابن عدنان کے قبیلے سے ہوگا۔(محمد رسول اللہ۔محمد رضا مصری مترجم محمد عادل قدسی طبع چہارم ۱۹۶۱ء مطبوعہ تاج کمپنی بمبئی صفحہ ۴۹)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت اور اعلان نبوت کے بعد جتنی صحابیات نے سید کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا میں سخن طرازی کی ہے وہ نثر ونظم کی صورت میں ہے۔ کتب سیر وسوانح میں شاعرات صحابیات کے مختلف مواقع پر کہے گئے بہت سے اشعار بکھرے پڑے ہیں۔ شامی محقق عبدالرحیم نے اپنی کتاب شاعرات ''حول الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' میں پچاس کے قریب شاعرات کا تذکرہ کیا ہے۔

شاعری کے مقابلے میں عرب عورتیں مردوں سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔ ڈاکٹر راجہ رشید محمود صاحب اپنی کتاب ''خواتین کی نعت گوئی میں'' میں تحریر کیا ہے کہ عربی میں نعتیہ مجموعے کی اشاعت بالکل نہیں کے برابر ہے۔ مگر ہاں نعت لائبریریوں میں الحاجہ صابرہ محمود العربی کا مجموعۂ کلام ''نساء السحر'' موجود ہے جو ۱۹۸۵ء میں بغداد سے شائع ہوا ہے۔ ۲۷۰ صفحات کی اس کتاب کی مختلف نظموں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک موجود ہے۔

دو نظمیں ذکر میلاد الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور فی مولد الھادی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو میلاد رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق ہیں۔ یہ شاعرہ ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئیں۔ دوسرا مجموعہ نعت نبیلہ الجوہری کا ''شوق المحبین فی حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔

فارسی نعت کے جتنے انتخاب سامنے آئے ہیں ان میں کسی بھی خاتون نعت گو کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ سید ضیاء الدین دھنیری کا انتخاب ''نعت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در شعر فارسی'' ۳۶+۸۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں کسی نعت کا تذکرہ نہیں ہے۔ اسی طرح مرزا مقبول بیگ لاختائی اور ڈاکٹر عبدالغنی کے انتخابات میں فارسی نعت گو شاعرہ کا ذکر نہیں ہے۔ جناب شمس الرحمٰن فاروقی، ڈاکٹر اسماعیل آزاد اور ڈاکٹر ریاض مجید نے بھی اپنے مقالوں میں فارسی کی کسی نعت گو شاعرہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

برصغیر ہندوستان میں فارسی میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے ایک تحقیقی مقالہ ڈاکٹر

غلام دستگیر رسید نے ۱۹۵۷ء میں حیدرآباد یونیورسٹی میں داخل کیا تھا اور پی۔ایچ۔ڈی کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ مذکورہ تحقیقی مقالے میں بھی کسی خاتون فارسی نعت گو کا ذکر نہیں ہے۔

نعتیہ شاعری کی تاریخ میں عربی اور فارسی کے بعد اردو شاعری کی ابتدا آٹھویں صدی ہجری کے آخری سالوں میں ہوئی ہے اور مُلّا داؤد نے ۷۸۱ھ میں ایک مثنوی چنداین کی تخلیق ہندکی (اردو) میں کیا، اس میں انہوں نے حمد و نعت بھی شامل کی ہے۔ اس طرح اردو نعت گوئی کی تاریخ آٹھویں صدی ہجری میں متعین ہوتی ہے۔ یہ تحقیق ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری صاحب کی ہے اس حوالے سے ان کا تحقیقی مقالہ ''دبستان نعت'' میں شامل ہے۔

اس کے تین سو برس بعد حضرت بی بی ولیہ المتوفیہ ۱۱۳۹ھ کے نعتیہ اشعار کے نمونے ملتے ہیں جو کسی خاتون کی اردو میں پہلی نعت ہے۔ اور اس کے کچھ عرصہ بعد لطف النساء امتیاز (پ ۱۱۵۵ھ) اردو کی پہلی صاحبِ دیوان شاعرہ ہیں۔ جنہوں نے اردو اور فارسی میں نعتیں کہی ہیں، جو ان کے غیر مطبوعہ مجموعے میں شامل ہیں۔ یہ مجموعۂ کلام ادارہ ادبیات شعبہ مخطوطہ آصفیہ کتب خانہ حیدرآباد، اور برٹیش انڈیا آفس لائبریری، میں ایک نسخہ موجود ہے۔

پھلواری شریف کی نعت گو شاعرہ بی بی طاہرہ المتوفیہ ۱۲۲۰ھ لطف النسأ امتیاز کی ہمعصروں میں صاحب دیوان شاعرہ مہ لقا بائی چندہ پیدائش ۱۷۶۷ء اور شرف النساء شرؔف ۱۲۰۲ھ بھی ہیں۔ ان دونوں شاعرات مہ لقا بائی چندہ اور شرف النساء شرؔف کا قلمی دیوان برٹش انڈیا آفس لائبریری ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔

حضرت بی بی ولیہ کو چھوڑ کر ان چاروں شاعرات کا ذکر کسی تذکرے میں نہیں ملتا ہے۔ حالانکہ ان کی نعت کے اشعار بھی دیوان میں شامل ہیں۔ اس طرح میں نے اپنے مقالے میں ایسی ۵۰؍ سے زائد شاعرات کا تذکرہ ان کی نعت گوئی کے حوالے سے پیش کیا ہے جو خواتین کی نعتیہ شاعری کے کسی تذکرے میں شامل نہیں ہے لیکن ان شاعرات میں کچھ نعتیہ اشعار جناب غوث میاں صاحب کی کتاب ''خواتین کی نعتیہ شاعری'' میں ملتے ہیں۔

حصہ دوم اور اس مقالہ میں تقریباً ۵۰/ایسی نعت گو شاعرات کا تذکرہ بھی شامل ہے جن کے نعتیہ دیوان ۱۹۰۵ء سے لیکر ۱۹۶۰ء کے درمیان شائع ہوئے۔ ابتداز ننت بی بی محبوب کے نعتیہ مجموعہ سے ہے اور اختتام تہنیت النسأ بیگم قادری کے مجموعہ نعت پر ہے۔ اس فہرست میں دس سے زیادہ ایسی صاحب دیوان نعتیہ شاعرہ بھی شامل ہیں جنہیں بالکل فراموش کر دیا گیا۔ بتول فاطمہ درد دیوان نعت رسول ۱۳۴۵ھ جمیلہ درویش التوفیہ ۱۹۲۱ء نعتیہ دیوان ''نغمۂ دلرش'' کا قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ کے شعبۂ مخطوطہ میں اشاعت کے لیے محفوظ ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی صاحب دیوان نعت گو شاعرہ ہیں جن کے احوال مقالہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ایک بیمار اور معذور کو اس مقالہ کی تیاری میں کافی وقت لگ گیا۔ اللہ اور اللہ کے رسول حضرت آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کرم ہے ورنہ میں اس لائق ہوں اور شکر گذار ہوں جناب فیروز احمد سیفی صاحب، جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری صاحب، جناب سید صبیح الدین صبیحؔ رحمانی صاحب اور ڈاکٹر ریاض مجید صاحب جن لوگوں نے ہر طرح سے میری ہمت افزائی کی اور یہ مختصر تذکرہ آپ کے سامنے ہے، گرچہ اس میں خامیاں ہیں یہ مقالہ موضوع کے اعتبار سے بہت مختصر بھی ہے اس تعلق سے ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری صاحب کے چند جملے ملاحظہ ہوں۔

''اب اردو ادب کی تاریخ کے اس دور میں اگر کوئی تذکرہ صرف نعت گو شاعرات کا تذکرہ مرتب کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس راہ کی مشکلات کا اندازہ کرنا کچھ دشوار نہیں۔ جو ماخذ نابود ہو گئے ان سے استفادہ کا تو سوال ہی نہیں لیکن تلاش و جستجو میں کوتاہی نہیں کی انسانی کوشش نقائص سے پاک نہیں ہوسکتی اور ایسا ہونا بھی نہیں چاہئے۔ میری طرف سے بھی یہ اعتذار قبول کیا جائے۔

عابدہ کرامت

صاحب دیوان حمد گو شاعرہ عابدہ کرامت کا مجموعہ حمد'' جبینِ ناز'' ۲۰۰۵ء میں کراچی

سے شائع ہوا۔ عابدہ کرامت کے حمد یہ اشعار کا تغزلانہ رنگ ملاحظہ ہو۔

جھکی نظر سے ترا عکس تھا بہت محفوظ — اُٹھائی آنکھ تو بے پردگی نظر آئی

یہ مہر و ماہ گل و خار سب عزیز ہوئے — کہ تیرے جلووں سے وابستگی سی رہنے لگی

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط صاحب اپنے مضمون ''اردو میں حمد یہ شاعری تاریخ وارتقاء'' میں لکھتے ہیں:

''ان (عابدہ کرامت) کی مناجاتوں میں تضرع والحاح اور عابدانہ وارفتگی پائی جاتی ہے، وہ بارگاہ خداوندی میں ہاتھ اُٹھاتی ہیں تو نہایت خضوع وخشوع کی کیفیت ان پر طاری ہوجاتی ہے اور وہ پکار اُٹھتی ہیں۔

جادۂ ہدایت میں دست و پا عنایت کر — پانی ویر عطا کر دے راہ آسمانی میں

عابدہ کرامت کے علاوہ خواتین وصاحبِ دیوان حمد گو شاعرہ میں اوّلین حمد نامہ شیبا حیدری کا ۱۹۹۸ء میں کراچی سے شائع ہوا جبکہ ۲۰۰۲ء میں ''تیری حمد وثنا'' علیم النساء ثنا کا مجموعہ حمد شائع ہوا اور نورین طلعت عروبہ کا حمد یہ دیوان ''ربّنا'' ۲۰۱۵ء میں اسلام آباد سے شائع ہوا۔ یعنی کل کائنات حمد یہ شعری دیوان بحوالہ خواتین ۴ر شائع ہوئے۔ از جناب صبیح رحمانی صاحب ''پیش لفظ'' اردو حمد کی شعری روایت'' صفحہ ۳۹ تا ۴۴

خواتین کی حمد گوئی میں چند نام انگلیوں پہ گنے جاسکتے ہیں۔ کشور ناہید، پروین شاکر، شاہین مفتی، سارہ شگفتہ اور حمدہ۔ ایک خاتون بیوی افضالہ شاہین نے پاکستان میں اردو حمد نگاری کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ۱۹۴۷ء تا ۲۰۱۱ء ایک تحقیقی مقالہ ڈاکٹر آفتاب احمد ثاقب کی نگرانی میں مکمل ہوا ہے۔ انہیں نیشنل یونیورسٹی ماڈرن لینگویز، اسلام آباد نے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری سے نوازا ہے۔ یونیورسٹی نے ۲۰۱۶ء میں اس مقالے کو شائع بھی کردیا ہے۔

دوسری طرف ہندوستان میں حمد گوئی پر لکھے گئے دو تحقیقی مقالوں پر ۲۰۰۴ء اور ۲۰۰۸ء میں حیدر آباد اور کانپور یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری سے نوازا جاچکا ہے۔ ۲۰۱۸ء میں بھی ایک اسکالر نے اردو میں حمد یہ شاعری کا ارتقاء پر ایک تحقیقی مقالہ بنارس یونیورسٹی میں داخل کیا ہے۔

حضرت بی بی ولیہ (المتوفیہ ۱۱۳۹ھ) اردو کی پہلی نعت گو شاعرہ:

اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں اردو کی پہلی شاعرہ اور نعت گو کے طور پر بی بی ولیہ (متوفیہ ۱۱۳۹ھ) کا نام آتا ہے جو حضرت شاہ عزیز الدین امجھری کی صاحبزادی اور حضرت تاج العارفین کے خانوادہ کی بہو یعنی حضرت مخدوم قادری پھلواری کی اہلیہ اور حضرت آیت اللہ جوہری (پ ۱۱۲۶ھ) ''مثنوی گوہر جوہری'' کی والدہ اور حضرت شاہ وارث رسولنما قدسسرہ کی مریدہ تھیں۔

حضرت بی بی ولیہ کو اردو کی پہلی شاعرہ ہی نہیں بلکہ اردو کی پہلی نعت گو شاعرہ کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ عام طور پر مہ لقاً بائی چندہ (۱۱۸۱ھ)، لطف النساء پیدائش ۱۱۵۴ھ کو اردو کی پہلی نعت گو شاعرہ مانا جاتا ہے۔ لیکن ان دونوں شاعرات لطف النسأ اور مہ لقاً بائی چندہ سے پہلے یعنی ۱۱۳۹ھ میں بی بی ولیہ کا انتقال ہو جاتا ہے۔ اردو میں دوہوں کے وزن پر بی بی ولیہ کے نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

کون سنی تدبیر بناویں اون اپنے گن ہمکو بُلاویں
حضرت کی ڈیوڑھی جو پاویں سیر جھکا کے آنکھ لگاویں

حضرت بی بی طاہرہ (المتوفیہ ۱۲۵۰ھ)

حضرت بی بی ولیہ کی بھتیجی حضرت تاج العارفین کی پوتی بی بی طاہرہ المتوفیہ ۱۲۵۰ھ زوجہ حضرت شاہ برکت اللہ، عالمہ، زاہدہ ہونے کے ساتھ شعر و سخن کا فطری ذوق رکھتی تھیں نعت کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

بہ شمع عشق تو پروانہ دارم ببیں یا رب کہ من چوں جاں سپارم

حضرت بی بی روشن پھلواروی (المتوفیہ ۱۲۴۸ھ)

حضرت بی بی روشن کی شخصیت کافی روشن اور ہمہ گیر تھی۔ خانقاہ مجیدیہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار) کے صاحبِ سجادہ حضرت مخدوم شاہ احمد عبدالحئی بن حضرت تاج العارفین کی صاحب زادی تھیں۔ آپ کو عربی، فارسی زبان میں اچھی لیاقت تھی، شعر و شاعری کی طرف فطری رجحان تھا

۔بی بی روشن کو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ عشق اور ہجر نبی میں دل بے چین و بے قرار رہتا تھا۔ان کی نعتیں عشق وعقیدت کے نور سے منوّر رہیں۔

بن نبی کے ایسی اندھیاری ہے دنیا آنکھ میں — کچھ آوے ہے نہیں روشن میرے لیکن
کیا کہوں فرقت میں کس کس طرح ہوئے ہیں — روز اِن اشکوں کا جاری ایک دریا ہوئے ہیں

حضرت بی بی منیر النساء (المتوفیہ ۱۳۲۲ھ)

بی بی منیر النساء شاہ حسین پھلواری کی صاحبزادی ہیں اپنے والد کے ساتھ ہمیشہ لکھنؤ میں رہیں اور وہیں تعلیم وتربیت حاصل کی۔ان کی شادی حضرت شاہ لیاقت حسین کمبل پوش حسینی کے ساتھ ہوئی تھی۔شعر وسخن سے انہیں کافی دلچسپی تھی۔اپنے والد سے ہی اصلاح لیا کرتی تھیں۔ ان کے ابتدائی کلام کا ایک مجموعہ موضع حموانواں ضلع پٹنہ میں ان کے پوتے رئیس الحق صاحب کے پاس موجود ہے (ندیم۔گیا بہار نمبر ۱۹۳۵ء) ان کا دل عشق محمدی کے جذبے سے سرشار اور اطاعت وتسلیم کے مشک سے مشکبار ہے۔

کرتی ہوں رات دن میں زیارت رسول کی — پھرتی ہے اپنی آنکھوں میں صورت رسول کی
منیؔر لونڈی ہے اپنے نبی کی ڈیوڑھی کی — کسی کے در سے ہے اس کو تو کوئی کام نہیں

☆☆

نہ رکھو ہجر میں بیمار مجھ کو — پلا دو شربت دیدار مجھ کو
رہوں کب تک جدائی میں تڑپتی — بلا لو جلد اے سرکار مجھ کو

لطف النساء امتیاؔز (پیدائش ۱۱۵۵ھ)

لطف النساء امتیاؔز شریک حیات اسد علی خاں، صاحبِ تذکرہ ''گل عجائب'' اردو کی پہلی صاحبِ دیوان شاعرہ ہیں۔ان کا دیوان ۱۲۱۲ھ ۱۷۹۷ء میں شائع ہوا۔امتیاز نے ایک سال کی اوّلیت سے مہ لقاء بائی چندا کو مات دی، مہ لقاء کا دیوان ۱۲۱۳ھ میں پہلی مرتبہ مرتب ہوا (اشرف رفیع صاحب کی تحقیق)۔مجلّہ عثمانیہ ستمبر ۱۹۶۳ء۔

واضح ہو کہ لطف النساء امتیاؔز پہلی صاحب دیوان شاعرہ ہیں پہلی نعت گو شاعرہ نہیں ہیں بلکہ بی بی ولیہ پھلواروی ۱۷۰۴ء متوفیہ ۱۱۳۹ھ پہلی نعت گو شاعرہ ہیں۔امتیاؔز کے دیوان میں تمام

اصناف شاعری غزلیات، قصائد، مخمس، رباعی، قطعہ، مثنوی مناقب اردو کے ساتھ فارسی زبان میں بھی نعتیں موجود ہیں۔ مسدّس کی ہیئت میں نعت کا ایک بند ملاحظہ فرمایئے جس میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت کا جذبہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

میں دل سے مصطفیٰ کا جاں فدائی ہوں　　محبت سید یزداں با صفا ہوں
جہاں میں بندۂ خیر النسا ہوں　　وہی ہر دم کہونگا اور کیا ہوں
محبت اہل بیت مصطفیٰ ہوں
غلام خاندان مصطفیٰ ہوں

ماہ لقابائی چندؔہ (پیدائش ۱۷۰۷ءم ۱۸۲۴ء)

ماہ لقابائی چندہ اردو شعروادب کی دوسری صاحبِ دیوان شاعرہ ہیں۔ ماہ لقا کو شعرو شاعری سے فطری لگاؤ تھا۔ ماہ لقا کے تلمیذ شیر محمد خان ایران سے تھے۔ انہوں نے ولی دکنی سراج اورنگ آبادی سے بھی استفادہ کیا۔ کامل اساتذہ نے اس کی خداداد صلاحیت کو خوب چمکایا ماہ لقا چندہ کا دیوان ۱۲۱۳ھ میں پہلی مرتبہ مرتب ہوا جو انڈیا آفس کتب خانہ، لندن میں محفوظ ہے۔ اس کا دوسرا نسخہ ۱۲۲۰ھ میں ترتیب دیا گیا یہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ ماہ لقا چندہ کے نعتیہ اشعار تلاش بسیار کے بعد بھی دستیاب نہ ہوسکے۔

شرف النساء شرفؔ (انتقال ۱۲۴۵ھ)

شرف النسأ شرف کے دیوان کا مسودہ خود ان کی تحریر میں ادارہ ادبیات اردو، حیدآباد کے شعبہ مخطوطہ میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ کے مطابق ایک ہزار اشعار ہیں۔ جس میں غزلیات اور قصائد کے علاوہ نعتیں بھی ہیں۔ نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

مظہر کبریا نہیں ملتا　　سرور انبیا نہیں ملتا
جان لب پر ہے ہجر میں جس کی　　وہ مسیحا مرا نہیں ملتا

☆☆

رب سے جو مانگا وہی تجھ سے ملا　　اور ایسا حق کا پیارا کون ہے
جان دے آخر نبی کے عشق میں　　جز شرف مشتاق انبیاء کون ہے

شرف النساء کا شمار حیدر آباد کی اوّلین شاعرہ میں ہوتا ہے۔لیکن بعد کی تحقیق سے ان کو تیسری صاحبِ دیوان شاعرہ کا درجہ ملتا ہے۔شرف النساء ٹیپو سلطان کے مشہور سپہ سالار مہراں سید اشرف کی پوتی اور مرزا غلام دستگیر کی زوجہ تھیں۔نصیر الدین ہاشمی نے شرف النساء کو ۱۳صدی ہجری کا شاعر قرار دیا ہے نیز ان کا ایک مرثیہ بھی دیا ہے۔

نوٹ: تذکرہ نعت گو شاعرات میں بحوالہ جمیل احمد بریلوی ''تذکرہ اردو شاعرات'' صفحہ ۱۷ کے حوالے سے شرف النساء ضرورت کا تذکرہ ملتا ہے جو مرزا کوچک کی اہلیہ تھیں زیادہ نعتیں کہا کرتی تھیں تذکرہ ''شمع سخن اور بہارستان'' کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔قلعہ میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔اس طرح وہ بھی ۱۳ویں صدی ہجری کی شاعرہ ہیں۔

شرف النساء (پیدائش ۱۸ویں صدی عیسوی)

بنگال کی اردو شاعرہ مثنوی نگار ۱۵۸/صفحات کی مثنوی خدا بخش لائبریری، پٹنہ میں ہے۔(شانتی رنجن بھٹاچاریہ) ''ہرمزنانہ'' مثنوی کا ایک قلمی نسخہ ایک ذاتی کتب خانہ میں ہے جس میں ۴۰۰۰ اشعار ہیں ۳۱۶/صفحات ہیں۔شرف النساء سے منسوب کوئی نعت تو نہیں ملی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں ایک شعر ملا ہے ۔

خدا کے ہیں پیارے محمد کے یار علی مرتضیٰ شاہ دلدل سوار

الف انصاری نے اپنی کتاب ''اردو شاعرات بنگالہ'' میں لکھتے ہیں اٹھارہویں صدی کی چوتھی دہائی میں بنگال کی اردو شاعرہ شرف النساء کا انکشاف ہوتا ہے۔جو مرشد آباد کے نوابوں سے وابستہ تھیں۔وہی مرشد آباد مشرقی ہند کا دار الخلافہ اردو زبان و ادب کا گہوارہ رہا ہے۔انشاء تپش، مرزا یوسف خواجہ میر درد وغیرہ کا بھی مسکن مرشد آباد ہے۔افسوس ہے کہ دور اوّل کی ایک بڑی شاعرہ کے نعت کا کوئی شعر نہیں ملا گو کہ وہ اثنا عشری شیعہ تھیں۔

انوری بیگم حجاب (پیدائش ۱۸۶۵ء وفات ۱۹۳۷ء)

انوری بیگم حجاب کی پیدائش ۱۸۶۵ء اور وفات ۱۹۳۷ء) ہے۔لیکن اس سے پہلے بھی کہا گیا ہے کہ مخطوطہ مجموعہ نعت کی وہ بیاض سندیلہ کے مشاعرہ (۱۹۰۹ء) میں چوری ہوگئی۔نعت

کے چند اشعار تبرکاً جو زمانے کے دست و برد سے محفوظ ہیں۔ **انّا له لحافظون ۔**

محیطِ رحمت ہے جوش افزا ہوئی ہے ابر سخا کی آمد
خدا کی ہر چیز کہہ رہی ہے کہ اب ہے نور خدا کی آمد
فلک کو ہے آرزو کہ جھک کر میں اپنے تارے کروں نچھاور
ہوئی ہے مکہ سر زمیں پر یہ آج کس ماہ لقا کی آمد
ہر اک محبّ پر یہ فضل رب ہے اثر کو نالوں کی خود طلب ہے
مگر اس الطاف کا سبب ہے حبیب رب العلا کی آمد
حجابؔ پیہم یہ کہہ رہا ہے گنہگاروں سے جوشِ رحمت
مبارک اے عاصیو مبارک شفیع روزِ جزا کی آمد

انوری بیگم حجابؔ نو برس کی عمر تک سکندر نامہ اور فارسی کی دوسری کتابیں پڑھ چکی تھیں کہ چیچک کا حملہ ہوا اور بصارت کھوگئی۔ کچھ عرصہ بعد خوشا کہ انوری کی قسمت جاگ اُٹھی خواب میں دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا ''انوری تو سو رہی ہے اور سمجھتی ہے کہ تیری بصارت جاچکی ہے اُٹھ تیرا دل روشن ہوگیا''۔ آنکھ کھلی تو ہر طرف نور ہی نور ہے اور سارا کمرہ خوشبوؤں سے معطر و معنبر ہے۔ بس اس کے بعد نعت کہنا شروع کردیا اس وقت جو نعتیہ اشعار زباں پر آئے دوسروں نے سرقہ کرلیا لیکن اصل سکہ کھوٹے لوگوں میں کھپ نہ سکا۔ بحوالہ ''پٹھان شاعرات کی گلکاریاں''۔ ڈاکٹر خان محمد عاطف، لکھنؤ

حجابؔ کا تعلق شاہ جہاں پور کے علم و فضل سے معمور گھرانے سے تھا۔ حجابؔ حضرت رستم شاہ کی نواسی تھیں جو مشہور عالمِ دین اور ولی کامل تھے۔ ان کے والد عنایت اللہ خاں گوشہ نشین قسم کے زمیندار تھے۔ انوری بیگم حجابؔ کو جلالؔ لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ فن شاعری میں خود آپ کے تلامذہ کی خاصی تعداد ہے۔ حجابؔ نے سندیلہ کے مشاعروں میں کئی بار شرکت کی۔ سندیلہ کے مشاعرے سید الطاف رسول صاحب کے یہاں منعقد ہوتے تھے جن میں مرزا داغؔ دہلوی بھی شریک ہوتے تھے۔ اور حجابؔ کی بہت قدر کرتے تھے۔

حجابؔ اپنے تخلص کے ساتھ پردہ نشینی کا اضافہ ضرور کرتیں تھیں جس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت کی مشہور طوائف منّی بائی کا تخلص بھی حجاب تھا۔ بحوالہ '' تذکرہ شاعرات روہیل کھنڈ'' مولف۔ شاداب ذکی بدایونی۔

افسوس کہ ان کا نعتیہ شعری سرمایہ چوری ہونے کے بعد مجموعہ نعتیہ کلام نہیں ملتا۔ انوری جہاں بیگم حجابؔ کتنی خوش بخت ہیں کہ ان کو حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا، اور اس وقت کی نورانی سماجی اور معطر فضاؤں میں گم ہوگئیں اور اس غیر معمولی اعجاز نے نعت کہنے کا فطری رجحان پیدا کیا۔ اس سے پہلے اردو کی نعت گو شاعرہ بی بی ولیہ پھلواروی متوفی ۱۳۹۱ھ کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے براہِ راست مکاشفات کا اعجاز حاصل تھا۔ بحوالہ '' سیرت پیر مجیب'' ؔ مولفہ شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی''۔

نواب بیگم امۃ الحی مبشر النساء حیاؔ (ولادت ۱۸۸۶ء وفات ۱۹۶۱ء)

نعتوں اور منقبتوں کا مجموعہ ''خم خانہ محامد'' ۱۹۰۷ء میں مدینہ پریس، مدراس سے شائع ہوا۔ ''خم خانۂ محامد'' میں حمد و نعتیں اور منقبتیں شامل ہیں۔ اس مجموعہ میں تضمین بر شعر مرشد و مولانا شیخ عبدالقادر جیلانی کے اشارے سے ایک طویل مناجاتی نظم قابل تحسین ہے۔ اور ایک معراج نامہ شامل ہے۔ دوسری اہم تخلیق مثنوی حلیۂ مبارک ۱۹۴۰ء میں مدینہ پریس، مدراس سے شائع ہوئی۔

امۃ الحی مبشر النسائ حیاؔ کی نعتیہ شاعری میں عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لہریں دلوں میں اضطراب پیدا کرتی ہیں۔ ان کی نعتیں نہ صرف دل کو چھوتی ہیں بلکہ روح تک میں سرایت کر کے ایک طرح کی روحانی فرحت اور تسکین پیدا کرتی ہیں، ایک نعت ملاحظہ ہو۔

خالق اکبر نے کیسا ہم پہ احساں کر دیا　　شمع عشق ِ احمدی دل میں فروزاں کر دیا
کوثر و تسنیم و جوے سلسبیل و خلد کا　　حق تعالیٰ نے تمہیں کو میر ساماں کر دیا
علم غیبی کی تمہارے ہو سکے کس سے ثنا　　تم کو حق نے واقفِ اسرارِ پنہا کر دیا
تم کو اعجاز شفاعت نے کیا ہے سرفراز　　مجھ کو شرم جرم نے سر در گریباں کر دیا

کیسے کیسے آپ نے اعجاز دکھلائے نئے　　حبذا، آپ دہاں کو آبِ حیواں کر دیا
دل مرا کر دیں منور یہ ذرا سی بات ہے　　آپ نے ذرے کو بھی مہر درخشاں کر دیا
کرکے جان زار اپنی پائے احمد پر نثار　　تسمۂ نعلین شہ نار رگ جاں کر دیا

نوٹ: امۃ الحی مبشر النسأ بیگم حضرت مولانا ایمان گوپاموی کی دختر ہیں جو نواب سر غلام علی خان پرنس آف آرکاٹس سے رشتۂ ازدواج میں بندھی تھیں۔ اس خاندان میں شاہی شان وشوکت سے زیادہ دینی، مذہبی اور تہذیبی اقدار کی پاسداری کی جاتی رہی۔ بیگم حجابؔ ایک بزرگ فاضل و عالم کی نورنظر جن کو آبائی علمیت ورثہ میں ملی تھی۔ بحوالہ ''ٹمل ناڈو میں نعت گوئی'' مولف۔ علیم صبا نویدی پروفیسر عبدالوہاب صاحب بخاری پروفیسر انچارج نیو کالج، مدراس لکھتے ہیں ''بیگم صاحبہ ایک بڑے باپ کی بیٹی اور بڑے نواب کی اہلیہ تھیں، انہوں نے اپنی پوری زندگی مصلّے پر گذاردی۔ عبادت وریاضت سے جو وقت بچتا تھا وہ تصنیف و تالف میں بسر کر دیتی تھیں۔ عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کو پاک عقیدوں کی بنیاد پر نصیب ہوا۔

روز و شب نظارۂ گنبد کروں　　جھوم کر اطراف روضے کے پھروں
گریہ و زاری کروں آہیں بھروں　　آپ کے در پر ہی میں پڑ کر مروں

یا رسول اللہ اسمع حالنا
یا حبیب اللہ انظر حالنا

اثیمہ آرکائی (پ ۱۸۲۶ء و ۱۸۷۳ء)

مثنوی گلبن حدر خان ۱۲۶۸ھ، مثنوی گلشنِ شاہداں اور مثنوی گلشن مہوستاں ۱۲۷۷ھ اور نسب نامہ قلمی۔ اثیمہ محمد عبدالرحمٰن شاطر مدراسی مصنف اعجاز عشق کی دادی تھیں۔ انہوں نے نعتیں کہی ہیں۔ مولوی عبدالغنی خاں بہادر ولادت ۱۸۳۲ء ان کے بڑے بیٹے تھے۔ ایک نعت اور ایک سلام ''ٹمل ناڈو میں نعت گوئی'' میں شامل ہے جو پروفیسر محبوب ہلتا کے بیاض سے نقل شدہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ادھر مصطفیٰ ہیں ادھر مصطفیٰ ہیں　　دو عالم کے نور نظر مصطفیٰ
میں اک کالی کملی کے سائے میں ہوں　　کسی کا مجھے کیا ہے ڈر مصطفیٰ

پتہ تھا کسے اتنی بے چینی سے مدینے کا ہوگا سفر مصطفیٰ
تمہارا ہی فیضان ہے ہر گھڑی معطر ہوا میرا گھر مصطفیٰ
اُٹھے ہاتھ ہیں رب عالم کے سو دعاؤں میں دینا اثر مصطفیٰ

سلام

عاشقِ کبریا پہ ہمارا سلام سید اولیاء پہ ہمارا سلام
جلوہ گاہِ خدا پہ ہمارا سلام فخر ہر دوسرا پہ ہمارا سلام
دین و دنیا میں جن کی حکومت ہے یاں ہے اسی مصطفیٰ پہ ہمارا سلام
سر جھکائے ہوے سب یہ کہنے لگے سرور انبیاء پہ ہمارا سلام

بی بی عاجزہ ترچناپلوی (پ ۱۸۴۵ء و ۱۸۹۶ء)

بی بی عاجزہ ترچناپلوی کے حوالے سے کوئی تفصیل دستیاب نہیں۔ ان کا نعتیہ مجموعہ ’’تحفۂ قبول‘‘ نام سے ہے جو ۱۸۸۷ء کا مطبوعہ ہے۔ ’’ٹمل ناڈو میں نعت گوئی‘‘۔ علیم صبا نویدی صفحہ ۱۴۸/۱۴۹ پر ایک ایک نعت اور نعت کے چند اشعار ’’تحفۂ قبول‘‘ سے مندرج ہیں۔

وصف دل بر سے دل کو تھی راحت مدحت سرور سے جاں کو تھی راحت
یاد محبوب جب کہ ہوتی تھی مَل زمیں پر جبیں کو روتی تھی
اور کہتی تھی اے میرے حضرت تم کہاں اور کہاں یہ بد قسمت
ہائے وہ دن کہاں سے لاوں میں سنگ زینہ پہ سر جھکاؤں میں
رنج ہجراں میں یاد وصل نبی باعث زندگی رہی میری

☆

جب پیمبر شافع محشر ہمارا ہو گیا حشر کا کیا غم، شفاعت کا سہارا ہو گیا
تشنگی حشر کا کیا خوف ہم کو عاجزہؔ جب کہ حامی ساقی کوثر ہمارا ہو گیا

قادر النساء بیگم شوکت (ولادت ۱۸۷۸ء)

قادر النساء بیگم شوکت خاں پُر نورؔ کی بہن تھیں نعت کے چند شعر ’’ٹمل نادو میں نعت گوئی‘‘، صفحہ ۱۶۷ پر مندرج (بحوالہ خواتین ناڈو کی دینی علمی وادبی خدمات۔ ۲۰۰۱)۔ نعتیہ اشعار

ملاحظہ فرمائیں۔

مری زندگی محمد مری آرزو محمد　　مری بندگی محمد مری جستجو محمد
مجھے اور چاہئے کیا میں ہوں خوش نصیب شوکتؔ　　میں جدھر بھی دیکھتی ہوں رہے رو برو محمد

امۃ الرحمٰن الفت النساء الفت (ولادت ۱۸۷۰ء وفات ۱۹۳۰ء)

اہلیہ نواب عبدالرؤف خان پرتو، اس کے علاوہ کوئی تفصیل دستیاب نہ ہوسکی۔ ''ٹمل ناڈو میں نعت گوئی''، صفحہ ۱۶۶ پر اس نعت کے دو شعر شعر مندرج ہیں، ملاحظہ ہوں۔

محمد محمد ہمارے محمد　　بہت سوں کی بگڑی سنوارے محمد
ہر اک سمت ان کا ہی جلوہ ہے الفت　　نگاہوں میں دل میں ہیں پیارے محمد

رضیہ خاتون جمیلہ درویشؔ (ولادت ۱۸۶۱ء وفات ۱۹۲۱ء)

''نغمہ دل ریش'' ۱۹۳۸ء)۳۰۶ رغزلوں پہ مشتمل مجموعہ میں بیشتر حصے نعت کے ہیں اور حمد، منقبت مرتب شمع مشہدی ۲۰۰۸ میں خدا بخش لائبریری، پٹنہ سے شائع ہوا۔ جمیلہ رضیہ خاتون اردو کی نعت گو شاعرات میں بلند و بالا مقام کی حامل ہیں عشق رسول کی حقیقی شمع ان کے دل میں روشن تھی جس کا عکس ان کے نعتیہ اشعار میں نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی، آجکل اردو، ستمبر ۲۰۱۱ء

حد عالی ہے شہنشاہ مدینہ کس کا　　پایۂ عرش معلیٰ ہوا زینہ کس کا
کس کو یٰسین و طٰہٰ کا لقب حق نے دیا　　آب رحمت سے ملک دھو گئے سینہ کس کا
دیکھ بخشائش امت کو لگے کہنے خضر　　پار دریا سے ہوا آج سفینہ کس کا
صاحبو !روضۂ محبوب الٰہی کے سوا　　سجدہ گاہ ملک و جن ہو ا زینہ کس کا
طور ایمن کی تجلی ہے ہمارے دل میں　　اے در بیش بہا تو ہے نگینہ کس کا
فخر کس طرح سے خاتون کو نہیں ہو صاحب　　ہے نبی نام خدا شاہ مدینہ کس کا

رضیہ خاتون جمیلہ خدا بخش بہا کی پہلی صاحب دیوان نعت گو شاعرہ ہیں۔ ان کی پیدائش کلکتہ میں ہوئی۔ والد کا نام مولوی کبیر الدین احمد تھا، ان کی شادی مؤسس خدا بخش لائبریری سے ہوئی تھی۔ جمیلہ خدا بخش کی تیسری بیوی تھیں۔ ان کے اکلوتے بیٹے ولی الدین خدا بخش تھے۔ رضیہ خدا بخش کا انتقال ۱۹۹۲ء میں پٹنہ میں ہوا۔ اور وہیں دفن بھی ہوئیں۔ رضیہ خدا

بخش خدا داد صلاحیت کی مالک تھیں۔ ان کو شعر وشاعری سے دلی لگاؤ تھا۔ ان کے استاذ شاؔد عظیم آبادی تھے اور انہوں نے داؔغ دہلوی سے بھی اصلاح لی تھی۔ فصیح الدین بلخی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے ''ان میں ملکۂ شاعری فطری تھا۔ جمیلہ درویش نے ۸؍دیوان قلمی صورت میں چھوڑا ہے۔ ان میں پانچ ہزار اشعار ہیں۔ ان کے کلام میں عشق الٰہی، حب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جذبۂ ایمانی بھرا ہے۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقیدت ہر جگہ نمایاں ہے۔ حمد و نعت اور منقبت کی صورت پذیری میں ایک شعر ملاحظہ ہو۔

رب کو کہیں گے نعبد تم کو کہں گے نستعیں ۔۔۔ نام تمہارا غوث ہے جو ہے شفیع المذنبیں

"قال اللّٰه تعالیٰ ورفعنا لك ذكرك"

سپاس بقیاس یزدانی کہ ایک مجموعۂ کلام لاثانی المسوم بہ

دایون بتول درنعت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

دیوان بتول یگانۂ روزگار بکونین مقبول ۱۳۴۵ھ

المطبعۃ المصطفویہ، بمبئی میں چھپا۔

نذر حقیر بہ بارگاہِ رسالت پناہ سردار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بتول فاطمہ کے اس نعتیہ مجموعہ کلام میں دوسو نعتیہ غزلیں ہیں جن کی ابتدا ۳۱؍حمدیہ غزلوں سے ہوئی ہے۔ درمیانی حصے میں حمدیہ و نعتیہ نظمیں شامل ہیں ان کے علاوہ قطعات نعتیہ اور رباعیات اور مثنوی کے رنگ میں لکھی گئی طویل نظمیں ہیں۔

چھپا خوب دیوان نعت مکرم ۔۔۔ بتوفیق و فضل خدا وند عالم
مضامین اس کے نہایت معظم ۔۔۔ ثنائے محمد ﷺ ہے موضوع اس کا
ہے گل دستہ نعت سلطان عالم ۔۔۔ کہا میں نے آخر بہ سال اشاعت

۱۳۴۵ھ

''قاموس الکتب'' اردو جلد اوّل میں دیوان بتول درنعت مقبول رسول کے حوالے سے صرف اتنا لکھا گیا ہے کہ ۱۹۶؍صفحے کا یہ دیوان مطبع الکبیر سے شائع ہوا حالانکہ ۱۳۴۵ھ میں دیوان بتول درنعت رسول مقبول المطبعۃ المصطفویہ، بمبئی سے شائع ہوا۔ اس کے بعد کوئی دوسرا ایڈیشن

شائع نہیں ہوا اور ۹۰ ر برسوں کے بعد ۲۰۰۶ء میں جناب شاکر کنڈان صاحب نے اس دیوان کی بازیافت کی کراچی یا لاہور کے کسی کباڑ سے کیا، بتول فاطمہ کے اس دیوان سے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

یہ عرض کر قبول مری اے کریم تو — حب نبی ﷺ کا قبر بتولؔ میں ہو چراغ
شادی مرگ بطحا کی پھپن دیکھ مجھے — ملک الموت کے آنے کا بہانہ ہو جائے

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر ۹۲ ر پشتوں کا نسب نامہ شیوخ انصاریان قصبہ شاہجہاں پور کی ایک محترم خاتون خانہ بتولؔ فاطمہ کو قدرت نے جو جوہر شاعری عطا کی تھی وہ مدح و ثنائے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر منتج ہوتی ہے نیز دیوان بتول واقعی عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمدہ اظہار ہے۔

نازش برجیس جود (للّی عرف نازش (ولادت ۱۹۲۶ء وفات ۱۹۴۴ء)

جواں سال مرحومہ نازشؔ نے اپنی موت سے چندروز پہلے اسکول کی کاپی پر پنسل سے لکھے ہوئے اپنے کلام حمد، نعت و منقبت، غزل نظم اور رباعی کو تلف کر دیا تھا۔ فاتحہ چہارم کے بعد جب ان کے کمرے کی صفائی ہوئی اس وقت تلف شدہ آخری کلام حمد، نعت، اور ایک منقبت کے اشعار ملے جس کو ان کے والد ڈاکٹر سید ریاض حسن صاحب نے اپنے تذکرے میں محفوظ کر لیا۔ مذکورہ قیمتی سرمایہ ہدیۂ قارئین ہے۔

نبی ہو مصطفیٰ صلی علیٰ نور خدا تم ہو — تمہیں یٰسین تمہیں طٰہٰ تمہیں ناصر مذمل ہو
یہاں زمزم وہاں کوثر پلاؤ جس کو تم چاہو — کہ جانِ میکدہ تم ہو تم ہی مختار و عامل ہو
جمال ہم نشیں نور ہدایت بن کے جب چمکا — پکار اُٹھے ملائک مرحبا نور مجمل ہو
نہیں کچھ خوف اے نازشؔ اگر کرب و مصیبت میں — پکارو اپنے آقا کو، پڑے کیوں نیم بسمل ہو

نواب امراؤ بیگم عابدہؔ (پیدائش ۱۸۳۸ھ = ۱۲۵۶ء وفات ۱۸۶۸ء = ۱۲۸۶ھ)

راجستھان میں اردو فارسی کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ عابدہؔ صاحبہ نے اشاعت کے لیے دو دیوان مرتب کئے تھے ایک فارسی ایک اردو۔ لیکن دونون دیوان چھپ نہ سکے عین عالم

شباب میں ۳۰ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہو گیا۔ ڈاکٹر شاہد احمد جمالی صاحب ان دونوں دواوین کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ راجستھان میں موجودگی کا سرغ سید محمد علی جویا نائب کوتوال شہر جے پور کے اس خط سے ہوتا ہے جو ۱۸؍اپریل کو منشی درگا پرشاد نادر صاحب تذکرہ ''تذکرۃ النساء'' کو تحریر کیا گیا تھا اور وہ خط تذکرہ میں شامل ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر شاہد احمد جمالی صاحب لکھتے ہیں۔

''کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ میرے تایا حضور رضی الدین رضا نے فرمایا تھا کہ بیگم عابدہ کی دو نعتیں ان کے پاس موجود ہیں میں نے بہت کوشش کی لیکن ہنوز دستیاب نہ ہو سکیں اگر یہ نعتیں دستیاب ہو جاتیں تو اردو کی تیسری نعت گو شاعرہ بیگم عابدہ ہوتیں۔''

حمد کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

یہ کرامت اس کی ہے جویا کہ خود فرمادیا تا قیامت رحمت خلاق باری قبر کو

نواب امراؤ بیگم عابدہ نواب محمد یوسف علی خاں والی رام پور کی صاحبزادی تھیں۔ جے پور کے نواب زین العابدین جو شہر جے پور کے فوجدار تھے ان سے ان کی شادی ہوئی تھی۔ عابدہ عالم، فاضل نہایت زکی خاتون تھیں۔ فارسی میں نہایت عمدہ شعر کہتی تھیں۔ ز۔ح شروانیہ (۱۸ سال) اور لِلی جوڈلیس (عمر ۱۸ سال) نعت گوئی کے اعلیٰ مرتبت شاعرات کی طرح اردو کی پہلی صاحب دیوان (راجستھان) شاعرہ عین عالم شباب یعنی ۳۰؍سال کی عمر میں انتقال کر گئیں۔ آپ کی قابلیت اور لیاقت وشرافت دیکھ کر مہاراجہ رام سنگھ جی نے ان کو اپنی دھرم بہن قرار دیا تھا۔ سید محمد علی جویا صاحب کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے بیگم عابدہ کو اصلاح دی تھی۔ جویا صاحب بارہا ان کے اردو، فارسی دیوان کا ذکر کرتے رہے تھے اور کہتے تھے کہ ان کے دواوین کسی سے مخفی نہیں۔ ؎

کہ باقی رہ گئی ہے عمر بھی اے یار تھوڑی سی

شیریں وحید لکھنوی (انتقال ۱۲۹۳ھ = ۱۸۷۹ء)

وحید نام شیریںؔ تخلص لکھنؤ کی رہنے والی تھیں۔ رسالہ ''سیاح'' میں لکھا گیا ہے کہ محترمہ گانے کے فن میں انتہائی کمال رکھتی تھیں۔ غزل بھی کہتی تھیں اس میں انہیں اک گونہ کمال حاصل تھا۔ نمونہ کلام عرفان حمد و نعت کی صورت میں ملاحظہ ہو۔

تیری صورت پہ نظر ہو قدموں پہ سر ہو — تیری الفت میں مروں یہ مرا ایمان رہے
خانۂ جسم سے یہ کہہ کے سدھاری مری روح — اپنے گھر جاتے ہیں تھوڑے یہاں مہمان رہے
اب یہ خالق سے شب و روز دعا ہے شیریںؔ — کہ سدا دین محمد میرا ایمان رہے

سردار بیگم

بیگم سردار لکھنؤ کے شریف خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ غدر کے بعد شہر شہر بھٹکتی رہیں۔ غربت میں اپنی مسماۃ بیٹی کاظمی بیگم کو غلط پیشہ میں اتار دیا۔ اس غلط حرکت نے حساس، ذہنی و خدا ترس خاتون کو احساس ندامت میں مبتلا کر دیا۔ آخرت کا خوف اور شفاعت کی امید میں روتی تھیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کان پور، قنوج پھرا ٹاوہ گئیں اور وہیں رہ گئیں۔ اشعار نعت و حمد کا نذرانہ لیکر در اقدس تک رسائی حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ گرچہ بالکل ناخواندہ تھیں مگر اپنے کہے ہوئے شعر دوسروں سے لکھوا لیتی تھیں، ملاحظہ ہو اشعار حمد و نعت۔

ہے خوف مجھے کو اکلے گھر کا ہوگا واں پر گذارا کیونکر
اندھیری گور ہوئے گی نہ کوئی دوسرا ہوگا
مدد کو میری جو لطف یزداں ندیم و ہمدم وہاں نہ ہوگا
ملے گا وہ صنم کیونکر مجھے اب انتظاری ہے
یہ کیا ہے سردارؔ تجھ کو وحشت شفیع ہونگے رسول داور
فرشتے آکے پوچھیں گے کہو سردار سوتی ہو
جو زلزلہ ہے ہے بروز محشر زمیں نہ ہوگی زماں نہ ہوگا
پڑھو کلمہ محمد کا چلو اب فضل باری ہے

صالحہ بیگم پروینؔ (پیدائش ۱۸۶۶ء وصال ۱۹۴۴ء)

صالحہ بیگم کا حمد ونعت اور غزلوں کا دیوان دوسری بار ۱۹۰۹ء میں عزیزی پریس، آگرہ سے طبع ہوا تھا۔ دیوان کی پہلی اشاعت کا پہلا نسخہ حیدرآباد نظام میر محبوب علی خاں کو نذر کیا گیا تو انہوں نے نذرانے میں پانچ سو روپے انعام دیا۔ حمد ونعت کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

ہزار بار کیا قصد توبہ ہر بار خیال رحمت رب غفور آنے لگا

☆

آپ کی آل آپ کی اولاد اور ادنیٰ کنیز مفت کیوں پروینؔ حزیں ہو یا محمد مصطفیٰ

غیر منقوط اشعار سے ایک شعر ملاحظہ ہو۔

گر ہو کرم عطا وہ ایک لمحہ کاسئہ ہر گدا ہو مالا مال

مالک املک کر عطا اس کو گوہر ولعل اور مالک حال

صالحہ بیگم پروینؔ کا تعلق دہلی سے تھا والد کا نام مولوی غضنفر علی تھا۔ جے پور کے ولی کامل حضرت میر قربان علی صاحب کی دوسری اہلیہ تھیں۔ بیگم پروینؔ کے پہلے شوہر داغِ مفارقت دے گئے۔ اس طرح جے پور میں دونوں کا نکاح مثالی بن گیا۔ تعلیم یافتہ گھرانہ تھا۔

بہت جلد قرآن کی تعلیم کے ساتھ فارسی اور اردو میں مہارت حاصل کر لی، شعر گوئی کا شوق بچپن سے ہی تھا۔ بیگم پروین کے دو بھائی مولانا سخاؔ اور مولانا سہاؔ مشہور شاعر تھے اور دونوں برادران سے اصلاح لیا کرتی تھیں۔ آپ نے تاریخ گوئی، قطعات اور رباعیاں کہیں۔ ۱۹۰۹ء میں فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد آپ کی شاعری کا محور حمد ونعت پر منتج ہو گیا، ایک نعت ملاحظہ فرمائیں۔

مالک دنیا و دیں ہو یا محمد مصطفیٰ پیشوائے مرسلیں ہو یا محمد مصطفیٰ

انبیا میں منتقل ہوتا چلا آیا جو نور وہ حقیقت میں تمہیں ہو یا محمد مصطفیٰ

فخر آدم فخر موسیٰ فخر عیسیٰ فخر نوح فخر مأ وفخر طیں ہو یا محمد مصطفیٰ

حور غلماں باغ وایواں جس کو چاہو بخش دو مالک خلد بریں ہو یا محمد مصطفیٰ

خرمن عقل ارسطو کو بھی وہ سمجھے حقیر آپ کا جو خوشہ چیں ہو یا محمد مصطفیٰ

آپ کا حسن و جمال ظاہری و باطنی	سب سے بہتر ہے کہیں ہو یا محمد مصطفیٰ
آپ کے ارشاد آساں آپ کے احکام نرم	بات وہ جو دلنشیں ہو یا محمد مصطفیٰ
سب سے بہتر علم سب سے اعلیٰ تریقیں	چشمۂ علم ویقیں ہو یا محمد یا محمد مصطفیٰ
شرق سے تا غرب ہیں کل اہل عالم مستفیض	اس سے کیا کوئی کہیں ہو یا محمد مصطفیٰ
قیصر و خاقان و کسریٰ آپ کے خدمت گزار	صاحب تاج و نگیں ہو یا محمد مصطفیٰ
آپ کیونکر خشمگیں ہو یا محمد مصطفیٰ	رحمۃ للعالمیں ہو یا محمد مصطفیٰ
مرکز احکام دیں ہو یا محمد مصطفیٰ	مہبط روح الامیں ہو یا محمد مصطفیٰ
آپ کی آل آپ کی اولاد اور ادنیٰ کنیز	مفت کیوں پروینؔ حزیں ہو یا محمد مصطفیٰ

بسم اللہ بیگم عصمت (پیدائش ۱۳۱۲ھ)

بسم اللہ بیگم عصمتؔ دورِ محبوبیہ کی شاعرہ ہیں۔ والد ترک علی شاہ ترکی تھے۔ عصمت کے ماموں غلام قادر گرامی مشہور شاعر تھے۔ تعلیم و تربیت گھر پر پائی، شاعری کا شوق اوئل عمر سے ہی ہو گیا تھا، علم عروض میں مہارت تھی۔ اپنے دادا سے اصلاح لیتی تھیں۔ کئی خواتین شاعرہ ان سے اصلاح لیتی تھیں۔ نعت کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

عصمتؔ یہ عزم خاص مجھے اب کے سال ہے　　ہے آرزو کہ روضہ اقدس ہوں نثار

سعیدہ عروج مظہرؔ (پیدائش یکم جنوری ۱۹۲۲ء وفات ۲۸/ مارچ ۱۹۸۷ء = ۱۳۹۸ھ)

سعیدہ عروج مظہرؔ یکم جنوری ۱۹۲۲ء کو حیدر آباد میں پیدا ہوئیں۔ والد کا نام سید مرتضیٰ حسین نہاں تھا۔ ان کی شادی حسین محمود صاحب کے ساتھ ہوئی تھی۔ اردو فارسی میں اعلیٰ صلاحیت کی مالک تھیں۔ انگریزی پر بھی عبور تھا، فارسی کے مشہور شاعر نظیرؔ نیشاپوری کی شاعری پر تحقیقی مقالہ لکھا۔ گھر میں شعر و شاعری کا ماحول ملا۔ چنانچہ بچپن سے شعر و ادب کا شوق تھا، ان کی شاعری کی ابتدا غزل سے ہوئی۔

غزل کے علاوہ نعتیہ کلام بھی پیش کیا۔ سعیدہ عروج مظہرؔ کا انتقال ۲۸/ مارچ ۱۹۸۷ء کو کراچی میں ہوا۔ ان کا مجموعہ کلام ”ضمیر لالہ“ مرتب شدہ زوال حیدر آباد کی نذر ہو گیا، نعت کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

گھپ اندھیرے چھنٹے چاندنی ہوگئی　　مصطفیٰ آگئے روشنی ہو گئی

صحیفہ بانو

حمد و نعت پر مشتمل آپ کا مجموعۂ کلام ''یادگار صحیفہ'' ۱۳۳۳ھ میں رزاقیہ پریس، مدراس سے شائع ہوا ۔ڈاکٹر شانتی رنجن بھٹاچاریہ نے اپنی کتاب ''بنگال میں اردو زبان و ادب'' میں لکھا ہے کہ ''آپ (صحیفہ بانو) متقی و پرہیزگار، صوم و صلوٰۃ کی پابند اور بلند نفس خواتین تھیں۔ آپ کا مجموع کلام ''یادگار صحیفہ ۱۳۳۳ھ'' میں رزاقیہ پریس، مدراس سے شائع ہوا تھا۔ یہ صحیفہ اب دستیاب نہیں ہے۔'' عندلیب شادانی لکھتے ہیں ''تمام کلام نعت پر مشتمل ہے بعض نعتیں ایسی بھی ہیں جو نعتیہ سے زیادہ عاشقانہ ہیں ایک ایسا ہی شعر یادگار ہے لیکن نعت نہیں ہے۔

سیدۃ النساء (پیدائش ۱۸۷۸ء وفات ۱۹۳۱ء)

ان کے مجموعہ کلام کے مسودات ضائع ہوگئے ایک قطعہ تاریخ میں نعت کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

زائر بطحا و یثرب نیک سیرت پاک خو　　ہائے حاجی نبی احمد صاحب سیرت با صفا

سیدۃ النساء ضلع سیوان بہار میں پیدا ہوئیں ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، قرآن شریف اور اردو پڑھنے کے بعد اپنے خالو لطف احمد صاحب سے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کیں۔ شاعری کا ذوق فطری تھا ۔تاریخ گوئی میں غیر معمولی صلاحیت اور ممتاز حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کے احوال کچھ تو حکیم لطف احمد صاحب اور ان کے اعزہ سے معلوم ہوئے۔ ''تذکرۂ ھند'' میں بلخی صاحب کا کہنا ہے ''ان کے مسودات یا تو ضائع ہوگئے یا کسی گوشے میں پڑے ہیں۔

بیگم شہاب قمر لکھنوی، کلکتوی، کراچی (پیدائش ۱۹/اپریل ۱۹۴۳ء)

ایک رسالے سے دستیاب قمر صاحبہ کے چند نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

دکھا دے مولا مدینہ جس پر ازل سے رحمت برس رہی ہے
نگاہ مدّت سے جن کے نظارۂ حسیں کو ترس رہی ہے
شراب عرفاں کی ہے یہ مستی کہ گم ہے ہوش خرد کی ہستی
اک آرزو کی حسین بستی مرے تصور میں بس رہی ہے
وطن ہے پردیش سے بھی بدتر سوز فرقت سے حال ابتر
کہ جیسے اپنے چمن کے اندر قمرؔ اسیرِ قفس رہی ہے

قمر صاحبہ مع اہل و عیال ہجرت کرگئی تھیں اب کوئی احوال نہیں ملتے۔ غوث میاں

صاحب کی کتاب میں بھی کوئی نعت تحریر نہیں ہے۔

بیگم شہاب قمرؔ ناخور

بیگم شہاب قمر ناخور شاعر شہاب قمرؔ لکھنوی کی اہلیہ ہیں۔ بقول الف انصاری مولف ''بنگال میں خواتین کی اردو شاعری'' قمر صاحبہ کا شمار بنگال کی چند اچھی شاعرات میں ہوتا ہے۔ کبھی کبھی مشاعرے میں بھی شریک ہوتی ہیں۔ قمرؔ صاحبہ کو حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کی عطر بیز خوشبو ہر سو ملتی ہے۔ قمرؔ صاحبہ مع اہل وعیال کراچی ہجرت کر گئی تھیں۔ اب کوئی احوال نہیں ملتے۔ غوث میاں صاحب کی کتاب ''خواتین کی نعتیہ شاعری'' میں بھی ان کی کسی نعت کا ذکر نہیں ہے۔

مظہر سعید عروج (مظہر النساء) (پ یکم جنوری ۱۹۲۲ء وفات ۱۳۹۸ھ = ۱۹۷۸ء)

مرتبہ شدہ مجموعۂ کلام ''ضمیر لالہ'' زوال حیدر آباد کی نذر ہو گیا۔ باقیات میں ۱۸؍اشعار کی ایک نعت بصورت مثنوی ہے۔

کس نے کھولی ہے زباں کون ہوا دل کے قریں ۔۔۔ کیسی آواز ہے؟ کیوں بھیگ رہی ہے جبیں
کس نے چھیڑی ہے یہ لحن عرب میں یارب ۔۔۔ جھنجھنا کر جو اٹھی روح مری بہر ادب
کوئی یوں بول رہا ہے رگِ جاں کے اندر ۔۔۔ جیسے الفاظ ہوں بوسیدہ زباں کے اندر
دست بستہ ہیں جھکائے ہوئے سر محفل ۔۔۔ چیخ بن جائے گرے سوئی اگر محفل میں

نثار فاطمہ کبریٰ

بہار کی پہلی صاحبِ دیوان شاعرہ۔ ''خیالات کبریٰ'' ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔ ۱۹۳۵ء میں حج کے لیے تشریف لے گئیں۔ زیارت مکہ مدینہ کے بعد ان کی شاعری میں جلا آ گئی۔ ان کی نعت کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

مدینہ کے حد میں ہوا جب گذر ۔۔۔ تڑپنے لگا سب کا دل بے گماں
جھکی سب ک نظریں یہی جان کر ۔۔۔ رسول خدا کا حرم ہے یہاں
در پاک پر جب رسائی ہوئی ۔۔۔ درودِ مقدس تھا وردِ زباں

نثار کبریٰ عظیم آبادی رشیدۃ النساء (اوّلین خاتون ناول نگار اصلاح النساء) کی صاحبزادی تھیں۔ مشہور قانون داں مولوی یحییٰ ان کے والد تھے۔ چیف جسٹس شمس العلماء خان بہادر سید وحید الدین کی نواسی اور امداد امام اثر کی بھانجی تھیں۔ اپنے عہد کی عظیم شاعرہ نثار کبریٰ کو ادب نوازی اور شعر و شاعری وراثت میں ملی تھی۔ ان کے شوہر سید رضا کریم کے والد سید علی کریم ڈمروی شاہ آباد کے کئی علاقوں کے رئیس تھے۔

نثار کبریٰ ابتدا سے ذہین اور علم دوست تھیں۔ مسدس حالی کے مطالعہ سے شاعری کا ذوق پیدا ہوا لیکن اس زمانے کی رسومات کی پابندیوں کے سبب شاعرانہ ذوق کا اظہار نہ کرسکیں۔ آہستہ آہستہ زمانہ بدلا علم و ادب سے دلچسپی کا دور شروع ہوا۔ زیارت مکہ مدینہ کے بعد ان کی شاعری میں جلا آ گئی۔ اطہر سلیمان کا کہنا ہے:

’’عروض وزن اور فن شاعری کے قدیم اصولوں کو نظر انداز کر کے آپ کا کلام دیکھا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ یہ وہ کلام ہے جو نہ صرف نسوانی زندگی کو بالاترین کرتا ہے بلکہ صاحب اہل ایمان مردوں کے جوش و جذبات کو ابھارنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ جو غزل ہے دل میں اتار لینے کے لائق ہے اور جائز ہوتا تو راقم الحروف یہ بھی یقینی کہہ دیتا یہ کسی خاتون کا کلام نہیں بلکہ فرشتوں کا گایا ہوا کلام ہے جو لطف اندوز ہونے کو نہیں بلکہ عبادت کرنے کو میسر آتا ہے۔

عمارت حرم کی بہت خوب ہے ’’ہر اک دل نبی پر فدا ہو رہا ہے‘‘

از نتیجۂ فکر جنابہ مسرت جہاں بیگم صاحبہ نسیمہ مرحوم بنت خانصاحب حکیم محمد علی خاں صاحب ماہرا کبرآبادی

کشش پررخ پر ضیا ہو رہا ہے ہر اک دل نبی پر فدا ہو رہا ہے
کوئی تو بتا دو یہ آمد ہے کس کی کوئی تو بتا دو یہ کیا ہو رہا ہے
ندا آرہی ہے زمیں پر فلک سے ظہور حبیب خدا ہو رہا ہے
مبارک مبارک کہ سرکار آئے یہی شور ہر سو بپا ہو رہا ہے
کچھ اس طرح تاباں ہے مہر رسالت کہ ہر ذرہ مشعل نما ہو رہا ہے
نسیمہؔ کو پیارے نبی اب دوا دو کچھ اب درد دل سوا ہو رہا ہے

"ہمیں جان و دل سے ہے پیارا محمدؐ"

از جنابہ سلطان جلیسؔ صاحبہ اکبر آبادی

محمدؐ کے ہم ہیں ہمارا محمدؐ ہمیں جان و دل سے ہے پیارا محمدؐ
نہیں جز تمہارے ہمارا محمدؐ بہر حال تم ہو سہارا محمدؐ
سبھوں کو بتایا ہے ارض مدینہ مجھے بھی بتا دو خدارا محمدؐ
مدینہ کو جائیں تو یہ کہتے جائیں کہاں ہے کہاں ہمارا محمدؐ
جنون محبت کا ہے یہ تقاضہ نہ چھوڑونگا دامن تمہارا محمدؐ
جلیسؔ حزیں کی بھنور میں ہے کشتی بچا لیجئے اب خدارا محمدؐ

"خدا کا بشر مدعا بن کے آیا"

(از جنابہ حسینہ بیگم صاحبہ، حیدرآباد)

جب آنکھوں میں نور ضیا بن کے آیا دلوں میں وہ جلوہ نما بن کے آیا
وہی سب سے اوّل وہی سب سے آخر جو تھا مبتدی منتہا بن کے آیا
مٹاتا ہوا ظلمت کفر عالم وہ دنیا میں بدر الدجی بن کے آیا
پلاتا ہوا جام وحدت جہاں کو وہ مست ازل ساقیا بن کے آیا
ذرا دیکھ حسینہؔ وہ کیا بن کے آیا خدا کا بشر مدعا بن کے آیا

(بحوالہ۔ رسول نمبر رسالہ پیشوا، دہلی تذکرۂ جمیل ماہ صفر و ربیع الاوّل ۱۳۵۷ھ)

کندن نزاکت

کندن نزاکت ۱۲۹۰ھ کے بعد انتقال ہوا۔ جے پور کی ایک مشہور طوائف اور شاعر میر واجد علی شگفتہ جے پوری کی شاگردہ تھی۔ شاعری کا ملکہ حاصل تھا اکثر محفلوں میں اپنا ہی شعر پڑھا کرتی تھیں زیادہ تر کلام عارفانہ ہے۔

بلبل زار ہوں تو ترا ہوں میں گرفتار ہوں تو ترا ہوں
خواہش دیں نہ کام دنیا سے میں طلبگار ہوں تو تیرا ہوں
ان فرشتوں کو واسطہ مجھ سے میں گنہگار ہوں تو تیرا ہوں

بشیر النساء بیگم بحوالہ خان محمد عاطف "گل کدۂ نعت" مرتب میر احدی ۱۹۳۲ء آگرہ،

بھارت۔ صفحہ ۳۱، ۳۲ پر شامل دو نعتیں۔

یہ رحمت ہے خدا کی رحمۃ للعالمیں آیا
فلاح اہل دنیا کے لیے سردار دیں آیا
رسول ہاشمی شمس الضحیٰ بدرالدجیٰ یعنی
خدا کا را ز داں اور رمز قدرت کا امیں آیا
جہاں میں قلب زنگ آلود انساں پاک کرنے کو
رسول پاک سیرت اک باطن پاک میں آیا
فضائے دہر تھی تاریک بدعت سے جہالت سے
جہاں میں نور ایماں لے کے شمس العارفیں آیا
رسول اللہ بلوا لو بشیرؔ غم رسیدہ کو
کہ اب تو تنگ دنیا سے دل اندوہ گیں آیا

رضیہ سلطان بیگم (بیگم حلیم جنگ) (پیدائش ۱۹۲۲ء) عمر ۹۵ رسال۔

نعتیہ مجموعہ۔ ''صدائے دل'' ۲۰۰۸ء اور ''میں غریب تو غریب نواز'' مکتبہ جامعہ لیمیٹیڈ، نئی دہلی، بھارت۔

رضیہ سلطانہ بیگم جنگ حیدر آباد دکن اور دہلی کے ایک ممتاز گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی شادی دہلی کے ایک معروف و مشہور شخصیت جناب حلیم جنگ سے ہوئی۔ ان کے شوہر کا سلسلہ حضرت مولانا کرم اللہ وجیہ سے ملتا ہے۔ یہ خاندان خلیفۂ چہارم کی ۳۵ ویں پشت سے ہے۔ ان کے دادا سردار ملک بہادر نظام الملک میر محبوب علی خاں کے اتالیق اور قریبی دوست تھے۔ حیدر آباد کی تاریخ ان کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوگی ڈاکٹر عبد الرحمٰن بجنوری رضیہ کے ماموں اور نجیب جنگ ان کے بیٹے ہیں۔

رضیہ سلطانہ بیگم کے بڑے بیٹے ظفر حمید جنگ لکھتے ہیں ''ادبی مشاغل سے بیگم صاحبہ کا ذوق سفر مکہ مکرمہ کے دوران پروان چڑھا جہاں ان کے ذہن پر اتنی نورانی کیفیت طاری ہوئی کہ نعت شریف بے ساختہ ان کے لبوں پر جاری ہوگئی۔ ان کی اس تخلیقی کاوش سے اسلامی ثقافت عموماً اور اردو بطور خاص مستفید ہوگی۔ اردو کی نیرنگی اور ثروت مندی کے پیش نظر میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ تخلیق کے الفاظ کی مکمل ترجمانی تو شاید مشکل ہے مگر ان کا نعتیہ کلام اسلام کے بقا کو وسعت دے گا جو امن کا آئینہ ہے۔''

اے زائر مدینہ عزم سفر مبارک
تکمیل آرزو پے پیش نظر مبارک

☆

یثرب کو جانے والے حالت تمام کہنا | خیر البشر کے در پر میرا سلام کہنا
بعد از سلام میرا ان سے پیام کہنا | کٹتے نہیں ہیں اب آقا یہ صبح و شام کہنا

☆☆

واپس ہوئی ہوں آقا جب سے تمہارے در سے | دنیا اتر گئی ہے جیسے میری نظر سے
رہتی ہوں مضطرب میں ہر شام ہر سحر سے | شائد بلاوا آئے طیبہ کی رہگذر سے

''شعرائے میرٹھ''۔ازنور محمد میرٹھی۔نعت رنگ شمارہ نمبر ۶

پروفیسر شائستہ زیدی (وفات ۱۹۳۹ء)

ہو مسیحا تم بیمار میں ہوں | چارہ گر! ہیں بھی تو بیچاروں میں ہوں
آپ کا در ہی مری پہچان ہے | آپ کی ہوں، گو خطا کاروں میں ہوں

(صفحہ ۱۱۴)

سعدیہ نسیم ڈاکٹر نسیم آرا سعید (خواب اور آئینہ)

حضور آپ کے در پہ کھڑی ہوں نم دیدہ | نہیں حال مرا آپ سے تو پوشیدہ
حبیب کبریا مجھ کو یہیں بسا لیجئے | ہیں میرے دیدہ و دل آپ ہی کے گرویدہ
نزول رحمت پروردگار ہو ہر دم | میں آپ ہی کو فقط دیکھتی ہوں زدیدہ
خدا کے سامنے رکھ لیجے گا شرم میری | نہ روز حشر کھڑی ہوں کہیں میں ترسیدہ

(صفحہ ۱۱۴/۱۱۵)

ثروت مشرف جہاں (گلستان ثروت ۱۸۹۹)

ہے دو عالم سے ہر انداز نرالا تیرا | میری آنکھوں کے دیکھے تماشا تیرا
خود ثنا خواں ہے خدائے شہ والا تیرا | جا بجا وصف ہے آیا قرآن میں تیرا
ورق دل سے نہیں کوئی ہے کاغذ بہتر | جی نہیں ہے اس پہ لکھونگا نغمہ تیرا
سر ثروتؔ کو جس بنائی کا سودا اچھلا | یاد اسے آ گیا جب نقش کفِ پا تیرا

(صفحہ ۱۱۲)

سیدہ مضطر

سیدہ مضطر کی بیٹی جو شاعرہ تھیں۔نام اور تخلص سیدہ تھا۔سیدؔہ کی دادی سفیر النسا حرماںؔ

خیر آبادی مضطؔر خیر آبادی کی والدہ تھیں ۔سید النساء حرماںؔ ذکاوت و فطانت کا مرقع تھیں اور اچھی شاعرہ بھی ،صرف ایک شعر یادگار رہے۔

درد دل درد جگر کاوش دل کاہش جاں اتنے آزار ہیں اور ایک کلیجہ میرا

شاعری کے حوالے سے سید النساء حرماںؔ اور سیدہ میں عموماً غلط فہمی ہے۔نعت گوئی کے حوالے سے ڈاکٹر ریاض مجید صاحب نے سیدہ حرماں کا حوالہ دیا ہے۔لیکن مضطؔر کے گھر کا ہر فرد شعر کہنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ان کی بیٹی سیدہ بھی شاعرہ تھیں۔سیدہ کے دل میں قوم کا درد تھا جس کے باعث کلام میں قومی رنگ نمایاں ہے ایک نظم کا مقطع ہے۔

خدا یہ دن بھی گذار دئے گا وہ سیدہؔ پھر قرار دئے گا
ہماری حالت سنوار دے گا کہ کس کی بگڑی سدھاری ہے

قوم مسلم کا درد اور التجا سیدہ کے نعتیہ اشعار میں ملاحظہ ہو:۔

التجائے سیدہ سن لے برائے مصطفیٰ قوم مسلم کو بہار عالم تقدیر دے
وہ طرز احمدی بھی و رسم آداب ہاشمی بھی وہ شاہی ہم سے مٹ گئی ہے ہماری حالت بتا رہی ہے

جمیل احمد بریلوی ''تذکرہ شاعرات اردو'' میں صفحہ ۱۲۵ پر لکھتے ہیں۔

'دور حاضر کی شاعرات نے حمد،نعت و منقبت کے مضامین پر قلم اُٹھایا ہے انہوں نے محترمہ آمنہ خاتون عفتؔ کی ایک روح پرور نعت کے دو شعر پیش کئے ہیں۔

مری روح و جان نذر چشم کرم خدارا نظر اک اٹھا دو محمد
گناہوں سے مردہ ہوئی روح عفتؔ شفاعت سے اپنی جلا دو محمد

شمیمہ بیگم (پیدائش ۱۹۲۴ء)

علامہ سید سلیمان صاحب کی صاحبزادی شمیمہ بیگم کو نعت گوئی کا شعری جذبہ قدرت کی طرف سے الہامی طور پر عطا ہوا تھا۔'' خاتون پاکستان'' کے حوالے سے شمیمہ بیگم کی ایک نعت ملاحظہ ہو۔

پوچھتا کیا ہے کہ پیغام میں کیا لائی ہوں اپنی آنکھوں میں مدینہ کی فضا لائی ہوں
مطلع نور سے انوار و ضیا لائی ہوں زلف محبوب کی نکہت بھی اڑا لائی ہوں

تو جو مجبور ہے ، معذور ہے بیمار بھی ہے	باب رحمت سے تری خاک شفا لائی ہوں
ابر رحمت سے گذر کر یونہی کیوں کر آتی	تجھ سے بیماروں کی حضرت سے دوا لائی ہوں
عشق احمد میں جو مضطر ہیں ان سے پوچھو	لمس کی سوئی ہوئی تقدیر جگا لائی ہوں

(تذکرۂ مسلم شعرائے بہار حصہ دوم مولفہ سید احمد اللہ ندوی، مطبوعہ کراچی)

سؔرور سورج کلا سہائے علیگ (پیدائش ۱۹۱۷ء)

شعری مجموعہ ''حریم ناز'' طبع ۱۹۵۱ء اردو کی پہلی ہندو خاتون صاحب دیوان شاعرہ، نعت کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

حجازی رنگ میں جو رنگ عرفاں دیکھ لیتے ہیں	وہ اپنے کفر میں بھی نور ایماں دیکھ لیتے ہیں
چھپے جا تو نظر سے لاکھ دل سے چھپ نہیں سکتا	تیری تنویر زدیک رگ جاں دیکھ لیتے ہیں

وزیر اعظم ریاست بھوپال راجہ اودھ نرائن بسیریا کی صاحبزادی سورج کلا سہائے تعریف کی محتاج نہیں۔ آپ نے ایسے خاندان میں پرورش پائی جو زبان و ادب کا شیدائی تھا۔ سؔرور کی شادی با گیشوری سہائے وکیل کے ساتھ ہوئی تھی جو الہ آباد میں وکالت کرتے تھے۔ سؔرور ان کے ساتھ الہ آباد میں رہتی تھیں۔ الہ آباد میں اردو کی دو انجمنیں قائم تھیں بزم ریاض ادب کی آپ (سرور) روح رواں تھیں۔ یہ بزم بڑے بڑے مشاعرے منعقد کراتی تھی ۔مشاعروں کی صدارت اکثر سؔرور صاحبہ کے ذمہ ہوتی تھی۔

آپ کے شعری مجموعہ ''حریم ناز'' (اشاعت ۱۹۵۱ء) کے تعارف میں فراؔق گورکھپوری نے لکھا ہے۔

> ''سؔرور کے اشعار میں وہی بول ملیں گے جو ہمارے دلوں میں، ہمارے گھروں میں ہمارے کوچہ و بازار میں گونجتے ہیں۔''

سؔرور کا مجموعہ ''حریم ناز'' نایاب ہے کسی بڑی لائبریری میں ''پلیز اس کو ہاتھ میں نہ لیں'' کے اسٹیکر کے ساتھ سلف میں مل جائے گا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی لائبریری اور خدا بخش لائبریر، پٹنہ میں موجود نہیں ہے۔ اگر مجموعۂ کلام دستیاب ہو جائے تو اس میں شامل اور بھی نعتیں محفوظ کی جا سکتی ہیں۔

نسیم فاطمہ بریلوی (پیدائش ۸/اپریل ۱۹۳۳ء)

ان کا کوئی مجموعۂ کلام حمد و نعت و غزل کا شائع نہیں ہوا لیکن ان کو نعتیں کہنے کا شوق

جنون کی حد تک تھا۔سلطان مہرؔ کو نسیم فاطمہ کا جو کلام نعت کے عنوان سے ملا ہے وہ پیش خدمت ہے

لٹ رہا ہے کارواں، منزل ہے آنکھوں سے نہاں — اے امیر کارواں اب رہبری فرمایئے
اٹھ گئی انسانیت دنیا سے انساں مٹ چکا — کچھ سہارا دیجیے راہ عمل پر لایئے

☆☆

نسیمؔ حزیں کو مدینہ بلا لو — نبی ﷺ جی تمہارا میں در چوم لونگی

فاطمہ بیگم کلیم

فاطمہ بیگم کلیم سیوہارہ ضلع بجنور کی رہنے والی تھیں۔شاعری کا ذوق بہت عمدہ تھا رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی اس کا اظہار ان کی نعت میں ملاحظہ ہو۔

رخ انور سے پردے کو ہٹا دو — ہٹا دو یا رسول اللہ ہٹا دو
جمال حق نما اپنا دکھا دو — دکھا دو یا رسول اللہ دکھا دو
پڑی سوتی ہے غفلت میں یہ امت — اور اس پر چھا رہا ہے ابر نکہت
خدا کے واسطے اس کو جگا دو — جگا دو یارسول اللہ جگا دو
بہت میں رو چکی اب تو ہنسا دو — ہنسا دو یا رسول اللہ ہنسا دو

فاطمہ رداؔ (پیدائش ۱۹۳۲ء)

شعری مجموعہ ''رداشبنم'' ۲۰۰۴ء میں کرناٹک اردو اکیڈمی نے شائع کیا۔

ہوگا نہ خدا کیسے نگہبان مدینہ — ہے گلشن فردوس خیابان مدینہ
وہ تیری خدائی ہے کہ یا شان نبی ہے — دشمن بھی ہوا جب کہ ثنا خوانِ مدینہ
باطل کی گھٹاوں کا تنزل ہوا آخر — قائم جو ابد تک ہے وہ ہے شان مدینہ
اک نظر عنایت ہو رداؔ پر مرے آقا — ہوں زمزمہ پرواز گلستان مدینہ

سیدہ فاطمہ بانو اردو فارسی اور عربی زبانوں سے واقف شعروشاعری سے خصوصی دلچسپی رکھنے والی شاعرہ کو نعت کہنے کا عمدہ سلیقہ ہے۔اپنے شعری مجموعہ ''ردائے شبنم'' میں چند نعتوں کو شامل کیا ہے۔میسور، کرناٹک کی شاعرہ سیدہ فاطمہ کی ادبی خدمات کے اعتراف میں کرناٹک اردو

اکیڈمی کی جانب سے ۲۰۰۸ء میں ریاستی ایوارڈ دیا گیا۔

ڈاکٹر فاطمہ زہرہ (پیدائش ۱۹۵۷ء)

دو شعری مجموعے ''سادہ کاغذ پہ عکس خواب'' اور ''خواب و خیال گل''، جس میں حمد و نعت وغزلیں شامل ہیں۔ نعت کا مجموعہ زیر اشاعت ہے۔

مسخر ہیں زمین و آسماں حیراں و ششدر ہیں — حبیب کبریا عرشِ معلیٰ کے سفر پر ہیں
یہیں سے آپ فرماتے ہیں دنیا کی نگہبانی — مدینے کے گلی کوچے منور ہیں معطر ہیں
شہنشاہ دو عالم نے شکم پر جن کو باندھا تھا — ہمیں ہے رشک ان پر کتنے خوش قسمت وہ پتھر ہیں
میں گھر میں نعت کہنے کا ارادہ کر کے بیٹھی ہوں — بفضل رب معطر گھر کے سب دیوار و در ہیں
محمد مصطفیٰ کے امتی خوش بخت ہیں بے شک — شرف حاصل یہ کرنے کو دعا گو سب پیمبر ہیں
عنایت ہے حبیب کبریا کی آپ پر زہرہ — ہر اک نعت نبی کے شعر کتنے روح پرور ہیں

فاطمہ زہرہ صاحبہ کا نسبی تعلق خانوادہ سادات سے ہے۔ آپ کے دادا اللہ بخش مرحوم ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ کی فوج میں ایک دستہ کے کمانڈر تھے۔ زہراہ صاحبہ کی شادی ڈاکٹر محمد احمد اللہ صاحب سے ہوئی۔ آپ اکلوتے بیٹے ڈاکٹر احمد معین فاروقی انڈین سول سروسز میں ہیں۔

درس و تدریس کا سلسلہ رٹائرمنٹ کے بعد بھی جاری ہے کہ آپ غیر اردو داں طبقے کا کلاس لیتی ہیں۔ اردو شعر و ادب سے دلچسپی جنون کی حد تک ہے۔ ۳ر شعری مجموعوں کے علاوہ ۳ر نثری کتابیں تحقیق و تنقید میں بھی ہیں اردو ادب کی ان مجموعی خدمات پر ان کو کئی ایوارڈ بھی مل چکے ہیں۔ اب آپ کا شعری رجحان حمد و نعت پر مرکوز ہے۔ نعت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کافی حساس واقع ہوئی ہیں اور فن نعت کی پر خار راہوں سے بخوبی گذرنے کا عزم مصمم ہے۔

زہرہ کا کچھ کمال نہیں اس کار دہر میں — کار قلم دوات حضور آپ ہی سے ہے

زاہدہ بیگم بنگلوری

میرے لیے جہان میں چین ہے، نہ قرار ہے — وقت کہے مدینے چل، صرف یہ انتظار ہے
بات مدینے کی ہے کیا، رشک حرم ہے وہ زمیں — ذرہ جہاں کا مہر ہے، پھول جہاں کا خار ہے
دونوں جہاں کا بادشہ، پیارے رسول دوسرا — کیا کہے حال زاہدہ، آپ پہ آشکار ہے

بیگم ڈاکٹر محمد افضال حسین۔ نعتیہ مجموعہ ’’تعمیر حرم مثنوی کی ہیئت میں‘‘

اٹھائی جارہی تھیں جب خدا کے گھر کی دیواریں
تو معماران بیت اللہ نے سوچا کہ کیا مانگیں

معاً آئی لبوں پر یہ دعا اے خالق اکبر
تری رحمت ہو اس گھر پر، یہاں کے رہنے والوں پر

کرم سے تیرے اس صحرا میں ایسا شخص پیدا ہو
کہ جس کی ذات الطاف خداوندی کا چشمہ ہو

جو بیت اللہ کے آداب انسانوں کو سکھلائے
طریقے جو عبادات خداوندی کے بتلائے

جو قلب و ذہن انسانی کو اک تابندگی بخشے
جہان کن فکاں کی روح کو اک زندگی بخشے

وہ امّی جو کتاب زندگی پڑھتا ہوا آئے
خدائی علم و حکمت کی یہاں تعلیم فرمائے

ہوئی مقبول معمار حرم کی یہ دعا ساری
کہ بطحا سے ہوا وہ چشمۂ لطف خدا جاری

جو ساری نوع انساں کا رہبر اور ہادی ہے
وہ جس کے فیض سے شاداب ہر صحرا و وادی ہے

جو حامل ہے کتاب اللہ و قانون الٰہی کا
وہی ہے رہنمائے آخری ساری خدائی کا

منیر مختار عباسی۔ اجمیر

جناب ڈاکٹر شاہد احمد جمالی نے اپنی کتاب ’’ راجپوتانہ کے اردو ادب میں خواتین کا حصہ‘‘ میں منیر مختار عباسی کی دو نظمیں اور ایک نعت بحوالہ ’’محفل خواتین‘‘ مرتبہ فاروق محشر بدایونی۔ ناشر عبداللہ فاروقی، دہلی ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۱۴/۲۱۵ شامل کیا ہے۔ لیکن شاعرہ منیر عباسی مرحومہ کا کوئی تذکرہ نہیں لکھا۔ دریافت کرنے پر صرف اتنا کہا کہ تلاش بسیار کے بعد بھی کوئی احوال نہیں ملتا صرف اتنا کہ ۱۹۴۷ء کے پہلے منیر مختار عباسی کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کی ایک عمدہ نعت جو عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ڈوب کر کہی گئی ہے، ملاحظہ ہو۔

سخت نزع کا ہنگامہ مدینے والے
خیر پر ہو مرا انجام مدینے والے

کاش یوں زیست کی ہو شام مدینے والے
آئے جب موت کا پیغام مدینے والے

میرے لب پر ہو تیرا نام مدینے والے

ایک مدت سے مرا دل ہے خواہ عرب
کاش جلوہ ہو ترا راہبر راہ عرب

نظر آجا کسی منزل مجھے ماہ عرب
زندگی ہجر میں دشوار ہے اے شاہ عرب

آ کہ تجھ بن نہیں آرام مدینے والے

دور ہے ساقی کوثر ترے پیمانوں کا
رعب چھایا ہے جہاں پر ترے دیوانوں کا

شاہ کونین محافظ ہے تو ایمانوں کا تو ہی والی، تو ہی وارث ہے مسلمانوں کا

ہے تو ہی بانی اسلام مدینے والے

اپنا غمخوار مصیبت میں بناؤں کس کو داغ دل میں جو پنہاں ہے دکھاؤں کس کو

میں مدد کے لیے مشکل میں بلاؤں کس کو اپنی فریاد بجز تیرے سناؤں کس کو

مجھ پہ رحمت و اکرام مدینے والے

امۃ الفاطمہ بیگم منعمؔ (پیدائش ۱۲۸۲ھ)

امۃ الفاطمہ بیگم منعمؔ عہد محبوبیہ کی شاعرہ ہیں شادی عبدالسلام تحصیل دار سے ہوئی۔ منعمؔ حضرت داغؔ دہلوی کی شاگردہ تھیں تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی کوئی مجموعۂ کلام نہیں ملتا لیکن مختلف رسائل میں ان کا کلام شائع ہوا، لیکن نعت کے اشعار نہیں ملے، حمد کا ایک مصرع ملاحظہ ہو۔

''خدا کی رحمتوں کے شادماں ہر اک مسلمان رہے''

نورالنساء بیگم نورؔ

نورالنساء بیگم نورؔ کا شمار عہد عثمانی کی شاعرہ میں ہوتا ہے۔ یہ صرف نعتیہ کلام کہتی تھیں۔ نورؔ کے کلامِ نعتیہ میں والہانہ عقیدت پائی جاتی ہے۔ نورؔ کا یہ قطعہ بہت مشہور ہے۔

عجب آرزو ہے عجب جستجو ہے اسے یاد کرنے کی اس دل کو خو ہے

فرشتو ہٹو گفتگو رب سے ہوگی کوئی باوضو ہو کہ اب قبلہ رو ہے

زبیدہ تحسینؔ

زبیدہ تحسینؔ حیدرآباد کی مشہور و معروف شاعرہ ہیں ان کے والد مولوی عبدالکریم محکمۂ تعلیمات سے وابستہ تھے۔ زبیدہ تحسینؔ نے نعت، منقبت نظم، غزل وغیرہ میں طبع آزمائی کی ہے نعت کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

کی پیروی تو احمد مرسل کی سراسر پھر دیکھ کہ کیوں تجھ کو ابھرنا نہیں آتا

امۃ الخلیق حفصہ رشید

مجموعۂ نعتیہ کلام دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۸ء میں حیدرآباد سے شائع ہوا۔ نعت کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

بسی ہے دل میں محبت ان کی کرم ہے ان کا نوازش ان کی
یہی تو وہ شمع ہے جس سے یارب اہل دل لو لگا رہے ہیں

میں جیتی ہوں نبی سے دل لگاکر مجھے آداب غم یا رب عطا کر

امۃ الخلیق حفصہ رشید غیر نعت گو شاعرہ تھیں۔ حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ شیخ الاسلام حضرت محمد بادشاہ حسینیؒ کی صاحبزادی اور مولانا سید احمد قادری صاحب بانی صدر مرکزی انجمن قادریہ کی اہلیہ تھیں۔ مذہبی گھرانے کی چشم و چراغ ہونے کی وجہ سے مذہبی شعور وادراک ہونا ایک فطری بات تھی۔ شاعری کا ذوق ورثہ میں ملا تھا حفصہ رشید کو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت تھی اور حضرت مولائے کائنات وشہزادی کونین سے بھی اپنی بے پناہ وابستگی کا اظہار اپنے کلام میں کیا ہے۔

صغریٰ بیگم حیاؔ (صغریٰ ہمایوں مرزا پیدائش ۱۸۸۴ء)

صغریٰ بیگم حیاؔ عہد محبوبیہ کی شاعرہ ہیں ان کے والد مشہور ڈاکٹر علی مرزا تھے۔ صغریٰ بیگم حیاؔ کی شادی ہمایوں مرزا سے ہوئی تھی۔ حیاؔ کو شاعری کا شوق ابتدائے عمر سے تھا اپنے کلام پر فصاحت جنگ جلیل سے اصلاح لیتی تھیں، نعت کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

آنکھ میں نور ہو دل میرا منور ہو جائے جز تجلی کے ترے اور نظر کچھ بھی نہ آئے

رابعہ بیگم رابعہؔ (تاریخ پیدائش ۱۹۳۸ء)

رابعہ بیگم رابعہؔ دور عثمانی کی شاعرہ ہیں مولانا احمد مدنی اور رابعہ بیگم کمترؔ کی دوسری بیٹی ہیں ان کی شاعری میں صفائی وسادگی ایک جوہر ہے ان کی نظم گلاب سے نعت کا ایک شعر پیش ہے

نسیم روح پرور مست، مثل سے گسار آئی شام جاں معطر ہے ہوا لئے مشکبار آئی

صالحہ بیگم مخفیؔ (پیدائش ۱۹۱۵ء وفات ۱۹۶۱ء)

شعری مجمعہ ''نمود مخفی'' اشاعت ۱۹۹۳ء دی آرٹ پریس، سلطان گنج، پٹنہ۔ مخفیؔ کے مجموعۂ کلام میں بہ اہتمام کوئی نعت شامل نہیں صرف چند اشعار ہیں ملاحظہ ہوں۔

دیکھو تو اٹھا کر ذرا قرآن محمد اللہ کا فرمان ہے فرمان محمد
بخشے گا مرے سارے گنہ داور محشر جب ہاتھ میں آجائے گا دامان محمد

صالحہ بیگم نام مخفی تخلص اہلیہ سید ذکی حسن مرحوم سکنہ دیوان روڈ، مظفر پور، بہار کہنہ مشق شاعرہ انکی بیٹی سمعیہ نسیم بھی شاعرہ ہیں۔

ساجدہ خاتون تشنہ (پیدائش ۱۹۲۶ء)

ساجدہ تشنہ کا مجموعۂ کلام ''آبشار'' میں غزلیں، نظمیں، مناجات اور حمد شامل ہیں۔

ساجدہ صاحبہ کی نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

اے صبا جاکے مری بات تو کہنا پیغام محبت ہے مرا جاکے تو رکھنا
دیدار کی تشنہ ہے اسے جا کے سنانا سب لوگ محو عبادت ہیں بتانا

بندوں کی دعاؤں سے جدا رہتا ہے کب تو آقا ہیں گنہ گر بخش دے اب تو ساجدہ خاتون تشنہ شاعروں کے قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں، ان کے والد ڈاکٹر تھے دادا بیرشٹران کے خسر حکیم نصیر حسین فارسی کے اچھے شاعران کی مثنوی مناظر ہاز جزئی بانفس کلی ۔۔۔۔اپنے والد کے ساتھ افغانستان میں رہ چکی ہیں۔ اُسی زمانہ میں علامہ اقبال افغانستان تشریف لئے گئے تھے، ساجدہ خاتون کو شاعری سے دلچسپی ہے اور وہ اچھا شعر کہتی ہیں۔

رابعہ سلطانہ ناشاد عظیم آبادی (پیدائش ۱۹۲۱ء)

شعری مجموعہ ''سوز دل''، ''صلیب'' (طوفان غم) ''ناسور'' ان تینوں مجموعۂ کلام میں نعتیں شامل ہیں تعداد کے لحاظ سے نعتوں کا ایک مجموعہ شائع ہوسکتا ہے۔ رابعہ سلطانہ ناشاد نے بارگاہِ نبوی میں باد صبا کی وساطت سے ایک انمول تحفۂ نعت پیش کیا ہے۔ کس قدر خلوص و محبت، عاجزی و انکساری کے ساتھ پیش کیا ہے جس میں آپ کے شکستہ دل کی فریاد بھی شامل ہے۔ غم و فرقت، زندگی کی عکاسی اور جستجو آرزو کس جاں گدازی کے ساتھ کی گئی ہے ملاحظہ ہو۔

جوگذر بادِ صبا مدینہ میں ہو رسولِ پاک سے میرا سلام کہ دینا
وہی نبی مدینہ میں جن کا مرقد ہے وہ پاک مرمریں جالی پہ سبزِ گنبد ہے

وہ سب رسولوں کے سردار نام احمد ہے وہ نور آمنہ جن کا لقب محمد ہے

ڈاکٹر فرحانہ شاہین، ناشاؔد کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے لکھتی ہیں۔

’’فکر و تخیل کے اعتبار سے آپ کا نعتیہ کلام بلند و بالا ہے۔لیکن جذبات کی گہرائی اور احساس کی شدت کے اعتبار سے آپ کا نعتیہ کلام کافی اہمیت اور عظمت کا حامل ہے۔‘‘

رابعہ سلطانہ ناشاؔد عظیم آبادی کے والد ماجد کا اسم گرامی سید محمد اشرف اور شوہر کا نام صفدر امام ہے۔ان کا تعلق ایک معزز خانوادے سے ہے۔رواج کے مطابق گھریلو تعلیم ہے لیکن اپنے ذوق وشوق سے اردو زبان میں اچھی صلاحیت پیدا کیں۔شعروشاعری کا آغاز ابتدائی عمر سے شروع ہو گیا تھا۔پروفیسر عباس علی خاں بیخوؔد سے شرف تلمذ حاصل کیا۔رسالہ ’’معمار‘‘ کی ایڈیٹر کی حیثیت سے بھی مشہور ہیں ان کی شاعری کا تمام حصہ ان کے اپنے تجربات ومشاہدات پر مشتمل ہے۔’’احوالِ واقعی‘‘ میں ناشاؔد کے تاثرات۔

’’میں نے اپنی شاعری کو واردات اور واقعات سے سنوارا ہے میری زندگی میں سنگی مشاہدات نے مجھے شاعرہ بنا دیا۔مثلاً سفر نبی میں میری شفیق والدہ کی اچانک موت، میرے اکلوتے بھائی داور میرے بچے کی موت ان اموات نے الف لیلیٰ اور طلسم ہوش ربا جیسی کتابوں سے میرے دل میں نفرت پیدا کر دی اور میں بالکل ایک نئی دنیا میں آ گئی ایسے ہی حادثات میری شاعری کی جان ہیں۔‘‘

مولا تیرے دربار سے امید بڑی ہے کیا دید مدینہ کی سزاوار نہیں ہوں

ملکہ آفاق زمانی بیگم

ملکہ آفاق زمانی بیگم تقریباً ۹۰ر سال کی عمر میں وفات پائیں۔شعری مجموعہ ’’تخیل آفاق‘‘ ’’الموسوم بہ باغ دلکشا ۱۳۸۵ھ=۱۹۴۰ء میں شائع ہوا۔

ملکہ آفاؔق زمانی بیگم عرف منجھولی کے والد ماجد صابر علی خانصاحب ریاست ٹونک کے فرد ہونے کے ساتھ ان کی رام پور کے نواب خاندان سے بھی قریبی رشتہ داری تھی۔آفاق زمانی بیگم کی پیدائش انیسویں صدی کی نویں دہائی میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم گھر پر دستور کے مطابق ہوئی۔

ذوق کے مطابق مکالمہ کر کے عربی، فارسی میں دسترس حاصل کی۔ گھر کے شاعرانہ ماحول نے آفاق صاحبہ کے اندر بھی شاعری کا فطری جذبہ پیدا کیا۔ ان کے والد صابر علی صاحب دیوان شاعر تھے ان کا دیوان ''شاخِ نبات'' ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔ جبکہ ان کی بیٹی آفاق زمانی بیگم کا شعری مجموعہ ''تخیل آفاق''، الموسوم بہ باغ دلکشا ۱۹۴۰ء میں منظر عام پر آیا۔

امیر الشعرا سید منظر حسین امروہوی کی شاگردی نے آفاق کی شاعری کو جلا بخشی بقول ڈاکٹر سعادت علی ''آفاق کا کلام حسن بیان اور اسلوب کا مرقع بن گیا۔ ناکام ازدواجی زندگی نے آفاق کو لاولد رکھا اور پہلے مجموعہ کلام کی اشاعت کے بعد ۴۰ برسوں تک حزن و ملال کے دور میں کہے گئے کلام کی اشاعت نہ ہونا ایک المیہ ہے۔ جبکہ ان کی شاعری میں پختگی کے ساتھ سلاست زبان اور تخیل کی بلندی و آفاقیت نے ایک امتیازی شناخت قائم کر لی افسوس کے وہ سارے کلام بھی محفوظ نہ رہ سکے شائد کہ کسی عزیز کے پاس مل جائیں۔ اسی گم شدہ اثاثہ شعر میں نعت کے ایسے اشعار بھی ہیں جو ''تذکرہ شاعرات روہیل کھنڈ'' مولف شاداب ذکی بدایونی کی کتاب کے صفحہ ۴۰ پر مندرج ہیں، ملاحظہ ہوں۔

غم فرقت میں اس امید پر رہتی ہیں بند آنکھیں
نظر آجائے شاید چہرۂ زیبا محمد کا

نہ جانے کیوں قرار آتا نہ تھا عرش الٰہی کو
ہوا قائم قلم نے نام جب لکھا محمد کا

عابدہ بیگم شبنم (پیدائش ۱۹۰۳ء)

عابدہ بیگم کے والد کا نام فدا علی خاں تھا جو رام پور میں بہ عہدۂ تحصیل دار معمور تھے۔ ۱۹۱۸ء میں آپ کی شادی خان زادہ احمد نبی رام پوری سے ہوئی۔ شاعری کی جملہ اصناف سلام، مرثیہ، منقبت وغیرہ میں خوب طبع زمائی کی۔ محمد علی آثر رام پوری سے شرف تلمذ حاصل تھا، ایک سلام کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

سلام میرا اس ذی وقار ہستی کو
جس نے دیکھ لیا ہے عروج و پستی کو

سلام میرا ہے ان کی حیات والا میں
مثال حق کی نہیں ہے ملأ اعلیٰ میں

(بحوالہ ''تذکرہ شاعرات روہیل کھنڈ'' مولف شاداب ذکی بدایونی)

فیاض بانو

فیاض بانو بریلی کی باشندہ تھیں، آپ کی غزل میں تغزل ہے اور نعت میں عقیدت کا اظہار بھی سلیقے سے کرتی ہیں، نعت کے دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

تم مالک کونین ہو مختار دو عالم — تم چاہو تو بگڑی ہوئی قسمت کو بنا دو
فیاضؔ پہ اک بار تو واللہ کرم ہو — ہاں خواب ہی میں روضۂ پر انوار دکھا دو

(بحوالہ ''تذکرہ شاعرات روہیل کھنڈ'' مولف شاداب ذکی بدایونی)

مخفی

مخفیؔ تخلص امروہہ ضلع مراد آباد کی رہنے والی تھیں۔ اپنے شوہر ریاض الدین کے ساتھ دہلی میں رہتی تھیں۔ شعروشاعری سے فطری ذوق تھا، کلام صاف ستھرا سلجھا ہوا ہے۔ نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ ہو۔

تمہارا نام ہے وردِ زباں اے رحمت عالم — مگر پھر بھی مرے دل کی پریشانی نہیں جاتی
محمد مصطفیٰ معراج کی شب تم وہاں پہنچے — کسی صورت جہاں تک عقل انسانی نہیں جاتی

(بحوالہ ''تذکرہ شاعرات روہیل کھنڈ'' مولف شاداب ذکی بدایونی)

نورالصباح بیگم نورؔ (پیدائش ۱۹۰۸ء)

نورالصباح بیگم نور کے والد ماجد کا نام نامی تجمل شاہ خاں عرفیت نواب دولہا خاں تھی۔ خان بہادر ظہیرالدین خاں والئی شیر پور ضلع پیلی بھیت سے شادی ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ شادی کے بعد ان کے شوہر اور وہ تحصیل علم کی طرف راغب ہوئے اور دولت خانہ پر ایک کتب خانہ قائم کیا۔ نورؔ صاحبہ کے شوہر چونکہ تحریک خلافت سے وابستہ تھے اس لئے اُن کو سیاسی جذبہ کی امان اور علی برادران سے ملا تھا۔

۱۹۴۵ء میں آپ مسلم لیگ خواتین کی پہلی مرکزی سیکرٹری ہوئیں، انہوں نے یورپ کا سفر کیا اور ایک دلچسپ سفر نامہ لکھا۔ ابتداً نوعمری سے سہیلیوں کے ساتھ شاعری شروع کی کچھ اشعار کہنے لگیں خود لکھتی ہیں ''اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میں شاعرہ ہوں اور خوشی بھی بے انتہا

درجے کی ہوئی اس کے بعد نعت، غزل میں طبع آزمائی کرنے لگیں۔منوؔر شاہ جہاں پوری سے اصلاح لیتی تھیں،نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

اے کہ تیرا وجود ہے سرّ جمال کائنات — تیرے ہی نور کی جھلک روح میں جلوۂ ثبات
تیری عطا سے آج ہم دین میں ہیں ہوشمند — تیرے کرم سے آج ہم خاک پر سر بلند ہیں
آپ ہیں فخر انبیاء آپ ہیں ختم المرسلیں — میری امید بھی ہیں آپ، آپ ہی رہنمائے دیں
حکم خدا ہو گر مجھے پہنچوں میں سر کے بل وہاں — میری جبیں بھی ہو وہیں جھکتے ہیں مہر و مہ جہاں
تجھ پر درود اور سلام گنبد سبز کے مکیں — تجھ پہ درود اور سلام نوؔر کے دل اے مکیں

(بحوالہ ''تذکرہ شاعرات روہیل کھنڈ'' مولف شاداب ذکی بدایونی)

قمر، قمر النساء

قمؔر اشرف علی مرحوم کی اہلیہ تھیں۔میاں بیوی دونوں شعر کہتے تھے۔''تذکرۃ الخواتین'' میں صرف پانچ اشعار مل سکے ہیں اس میں سے ایک شعر ملاحظہ ہو۔

ہوئی ہوں تشنۂ جام شراب نزع کے وقت — اٹھونگی حشر میں ساقی سبو سبو کرتی

(بحوالہ خان محمد عاطف)

زاہدہ کمال

زاہدہ کمالؔ کے والد کا نام محمد اکرام خاں قصبہ شاہ آباد ضلع کرنال میں پیدا ہوئیں، دینی تعلیم گھر پہ حاصل کی اس کے بعد مدراۃ البنات، جہلم میں داخلہ لیا۔پھر گورنمنٹ کالج جہلم سے میٹرک اور لاہور سے انٹر پاس کیا آنرز کی تیاری کی، شعر و ادب سے فطری لگاؤ تھا نعت کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

شامل نہ ہوتے حسن کے جلوے اگر کمالؔ — ہوتا کہاں یہ نور شب ماہتاب میں
جب تک تمہارا حسن نمایاں نہ ہوسکا — روشن چراغ عالم امکاں نہ ہو سکا

لطیف، لطیف النساء

لطیف النساء پٹنہ، بہار کے ایک پٹھان شمشیر خاں کی بیوی اردو، فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھیں۔(بحوالہ خان محمد عاطف۔مشاہیر نسواں)

اردو میں نعت کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

یقیں نہ وا لیل پر کریں گے جو تیرے گیسو نہ دیکھ لیں گے
رہی کے مصحف سے بلکہ منکر جو ترے رو کو نہ دیکھ لیں گے

محمودہ محمودہ اختر

ڈاکٹر رضا خان کی صاحزادی، شعر خوب کہتی ہیں۔ سفینۂ نسواں میں محمودہ کے مضامین اوراشعار شائع ہوئے۔ (بحوالہ سخنوران دکن) نعت کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

میلاد شہ کا دن ہے کہ یہ روز عید ہے — اک بادہ خوار کا سا صبا میں خمار ہے
بلبل چہک کے کہتی ہے موت کے بعد پھر — گلشن میں آج آمد فصل بہار ہے

OOO

نعتیہ شاعری کے آداب: پر تنقیدی نظر

ڈاکٹر مفتی محمد امجد رضا امجدؔ (پٹنہ، بہار)

''نعتیہ شاعری اور اس کے آداب'' اردو کے معروف نثر نگار، عروض داں اور رباعی گو شاعر جناب ناوک حمزہ پوری کے تین مقالات اور کچھ منتخب کلام مجموعہ ہے۔ مقالات کے عناوین ہیں: ''نعتیہ شاعری'' - ''غیر مسلم شعرا اور ان کی نعتیہ شاعری'' - ''نعتیہ شاعری کے آداب''

اس تیسرے مقالہ کو ہی مصنف نے کتاب کا نام دیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ مصنف کے نزدیک یہ مقالہ سب سے زیادہ وقیع اور معیاری ہے۔ مقالات میں مصنف کے علم، تجربے، اخلاص اور جذبے کی جھلک صاف طور پر نمایاں ہے۔ ناوک صاحب نے نعتیہ شاعری کے حوالہ سے جو معلومات جمع کردی ہیں اسے قابل قدر محنت شمار کرنے کے ساتھ ساتھ ادبی حلقے میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اردو ادب کے کچھ نامور افراد مثلاً اقبال انصاری دہلی، قمر سنبھلی، ڈاکٹر رشاد عثمانی اور معظم الدین دہلی نے اس کتاب پر مختصر مختصر تاثرات قلم بند فرمائے ہیں اور مصنف کی محنت کو داد تحسین سے نوازا ہے۔ جناب اقبال انصاری کے نزدیک یہ کتاب نعت گوئی کے موضوع پر ''ایک رہنما، دستاویز اور قابلِ قدر ریفرنس بک'' کا درجہ رکھتی ہے اور قمر سنبھلی صاحب کے نزدیک اس کتاب کا اسلوب ''بڑا متین اور نرم ہے'' ظاہر ہے یہ دونوں چیزیں کتاب کی معنوی قدر و قیمت کو متعین کرتی ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب بہت سی معلومات کا گلدستہ ہونے کے باوجود کم از کم ناوک صاحب کی علمی شہرت کے معیار پر کھری نہیں اترتی، اس میں پھولوں کے ساتھ کانٹوں کی ایسی باڑ

ھ ہے کہ قاری اس کی چبھن محسوس کئے بغیر نہیں رہ پاتا اور وہ غیر محسوس طور پر ذہن وفکر پر ایک بوجھ محسوس کرنے لگتا ہے۔ کتاب کا لہجہ بھی متین اور نرم نہیں، بلکہ سخت اور کرخت ہے جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مصنف ابلاغ و ترسیل کے معاملہ میں شدت پسند واقع ہوئے ہیں۔ ان کی کتاب کے یہ جملے ہمارے دعوے کی تائید کے لئے کافی ہیں:

☆ ان کج فہموں (ناقدین ادب) کو اتنی بات سمجھ میں نہیں آتی: ص 10

☆ کوتاہ نظر ناقدین: ص 10

☆ اکثر ناواقف مقررین: ص 33

☆ ایسی ضلات و گمراہی کی باتیں نام نہاد علماء، پیشہ ور جاہل مولویوں: ص 66

نعتیہ شاعری پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کتاب کے صفحہ 10 پر یہ سوال اٹھایا ہے کہ نعت کو اب تک صنف سخن کا درجہ کیوں نہیں دیا گیا۔ مگر جواب میں ''مکررات'' سے کام لیتے ہوئے صرف اتنا کہہ کر ہاتھ کھینچ لیا ہے کہ:

صنفی شناخت کے لئے صرف ہیئت واحد معیار نہیں بلکہ موضوع بھی بہت اہم رول ادا کرتا ہے اور موضوعی اہمیت کے لحاظ سے نعت وہ مہتم بالشان صنف ہے کہ دوسری کوئی صنف اس کی پاسنگ کے برابر نہیں اتنی عام بات اور اتنے سادہ انداز میں کہنے کے لئے انہوں نے جس طرح کی تمہید (ان کج فہموں کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی) باندھی ہے اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ''ناقدین ادب'' ان کے نزدیک ان پڑھ اور بودے لوگوں کی جماعت کا نام ہے، جنہیں ہیئت ،مواد، موضوع، صنف وغیرہ جیسے ادبی الفاظ سے کوئی شناسائی نہیں۔

ناوک صاحب کو چاہئے تھا کہ وہ نعت کا صنفی اعتبار سے درجہ متعین کرنے کے لئے ''صنف، ہیئت'' اور ''موضوع'' پر علمی اور فنی گفتگو کرتے، اور نعت کو صنف کا درجہ نہیں دینے والے ناقدین کے سوالات کا علمی اور مدلل جواب دیتے تاکہ ''ناقدین'' ان کی مدلل گفتگو کے بعد اپنے نظریے پر نظر ثانی کے لئے مجبور ہوتے۔

کتاب کے صفحہ 14 پر حضرت کعب بن زہیر کا اک شعر اس طرح نقل فرمایا ہے:

ان الرسول لنور یستضاء بہ وصارم من سیوف الهند مسلول

اور ترجمہ کیا ہے ''بلا شبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک نور ہیں جن سے اس طرح اجالا پھیلتا ہے جس طرح فولادی تلوار کے نیام سے نکلتے ہی آنکھوں کے سامنے چمک پیدا ہوتی ہے'' پتہ نہیں ناوک صاحب کے نزدیک اس شعر اور اس کے ترجمہ کا ماخذ کون سی کتاب ہے، کہ نہ شعر اصل حالت میں ہے نہ ترجمہ ہی شعر کے مطابق۔ حضرت کعب بن زہیر کا یہ شعر ''عالم علم دو عالم'' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلاح فرمودہ ہے اصلاح سے قبل یہ شعر اس طرح تھا:

ان الرسول لنار یستضاء بہ وصارم من سیوف الهند مسلول

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''نار'' کی جگہ ''نور'' اور ''سیوف الہند'' کی جگہ ''سیوف اللہ'' کہنے کا حکم صادر فرمایا: یہ اصلاح فنی اور معنوی اعتبار سے کتنی جامع ہے اہل علم وفن محسوس کر سکتے ہیں۔ اس شعر میں حضرت کعب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صفتیں بیان کی ہیں پہلے مصرع میں ''نور'' جس کی وضاحت یستضاء بہ سے کی ہے اور دوسرے مصرع میں ''صارم'' جس کی توضیح سیوف اللہ مسلول سے کی ہے۔

اب اس شعر کا سلیس ترجمہ ہوگا ''رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم وہ نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور اللہ جل مجدہ کی تلواروں میں سے ایک چمکتی ہوئی تلوار ہیں'' ناوک صاحب کے نقل کردہ ترجمہ میں ''بلا شبہہ رسول ایک نور ہیں'' کے علاوہ اور کوئی لفظ ایسا نہیں جو شعر کے الفاظ کے مطابق ہو۔ ترجمہ نگار نے صرف لفظ ''سیف'' کو سامنے رکھ کر پورا ترجمہ گڑھ لیا ہے۔

کتاب کے صفحہ 20 پر نعت کے فن لطیف اور نازک ترین ہونے پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ تو صحیح فرمایا کہ ''معمولی سے معمولی بے احتیاطی بھی شاعر کو لے ڈوبتی ہے، نعت گو شعراء کو توحید و رسالت، الوہیت و نبوت میں جو فرق ہے اس کا لحاظ بہر حال لازم ہے، شرک اسلام میں ناقابل معافی گناہ ہے'' مگر اس کے بعد حوالہ دئے بغیر اپنے لفظوں میں ایک روایت نقل فرمائی:

روایت ہے کہ کسی شخص نے حضور اکرم سے کہا **ماشاء اللہ وشئت** (جو اللہ چاہے اور

آپ چاہیں) حضور نے فوراً ٹوکا **اجعلتنی للّٰہ نداً** (تم مجھے اللہ کے برابر کرتے ہو) کہو **ماشاء اللّٰہ وحدہٗ** (جو اللہ واحد چاہے)

اس روایت کو ان لفظوں ہی کے ساتھ تسلیم کر لیا جائے پھر اس کے مفہوم کو ناوک صاحب کے نقل کردہ فرمان ''شرک اسلام میں ناقابل معافی گناہ ہے'' کے تناظر میں سمجھا جائے، جیسا کہ سیاق وسباق کا تقاضہ ہے تو ماننا پڑے گا کہ **ماشاء اللّٰہ وشئت** کہنے والے صحابی رسول نے معاذ اللہ شرک کیا، اور جب ''شرک ناقابل معافی گناہ ہے'' تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو بغیر توبہ وتجدید ایمان کرائے صرف یہ فرما کر کیسے معاف کر دیا **ماشاء اللّٰہ وشئت** کے بجائے **ماشاء اللّٰہ وحدہ** کہو۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث پاک مختلف روایتوں سے مختلف الفاظ کے ساتھ مشکوٰۃ شریف، ابن ماجہ، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، مسند احمد، طبقات ابن سعد اور معجم کبیر طبرانی میں موجود ہے، مگر اس کا وہ مفہوم نہیں جو ناوک صاحب لے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ کسی بھی شارح حدیث نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ کہنے والے نے شرک کا ارتکاب کیا تھا اس لئے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ٹوکا۔ مسند امام احمد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ **انکم تجعلون للّٰہ نداً** کے الفاظ ایک یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہے تھے، حدیث پاک کے الفاظ ہیں۔

"اتیٰ حبر من الاحبار رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال یا محمد نعم القوم انتم لولا انکم تجعلون للّٰہ ندا قال سبحانک وما ذاک قال تقولون ماشاء اللّٰہ وشئت قالت فامھل رسول اللّٰہ شیئاً قال انہ قد قال ماشاء اللہ فلیفصل بینھما ثم شئت"

یہود کے ایک عالم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ بہت عمدہ لوگ ہیں اگر اللہ کا برابر والا نہ ٹھرائیے، یہ سن کر آپ نے تعجب کر تے ہوئے فرمایا ''سبحان اللہ یہ کیا''؟ اس نے کہا آپ لوگ کہتے ہیں ''جو چاہے اللہ اور جو چاہو تم''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہلت تک کچھ نہ فرمایا، بعد میں ارشاد فرمایا ’’اس یہودی نے ایسا ایسا کہا ہے لہٰذا اب تم لوگ اپنی بات اس طرح کہا کرو ’جو چاہے اللہ تعالی پھر جو چاہو تم‘۔‘‘

یعنی آپ نے اپنی مشیت کی بات تو باقی رکھی، ہاں! اس سے پہلے اللہ کی مشیت کا تذکرہ فرمایا۔ حدیث پاک میں تقولون کا لفظ آیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام اس جملہ (**ماشاء اللّٰہ وشئت**) کو عام طور پر کہا کرتے تھے، اب اگر یہودی کی بات، اس کے عقیدے کے مطابق تسلیم کر لی جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ معاذ اللہ صحابہ کرام شرک کرتے تھے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اسے گوارہ کرتے تھے اور یہ بھی کہ معاذ اللہ ایک یہودی کے بتانے سے اس قول کے شرکیہ ہونے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا۔

پھر اصلاح کے وقت آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اب صرف ماشاء اللہ وحدہ کہو بلکہ فرمایا **ماشاء اللہ ثم شئت** کہو۔ اگر اللہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاہنے کی بات کہنا شرک ہوتا تو آپ یقیناً ایسا نہیں فرماتے، جب کہ ایک جگہ نہیں احادیث کی مختلف کتابوں میں آپ کا یہی ارشاد موجود ہے

چنانچہ ابن ماجہ میں ہے **قولوا ماشاء اللہ ثم ماشاء محمد** (کہو جو چاہے اللہ اور جو چاہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اسی ابن ماجہ میں دوسری جگہ ہے **ولٰکن یقل ماشاء اللہ ثم شئت** (لیکن یہ کہو جو چاہے اللہ پھر جو چاہیں آپ) معلوم ہوا کہ از روئے حدیث ایسا کہنا شرک نہیں، ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خیال فرما کر کہ نا اہل افراد اس سے برابری کا معنیٰ نہ لے لیں (جیسا کہ اس یہودی نے لیا) آپ نے احتیاطاً صرف ایک لفظ (ثم) کا اضافہ فرمادیا۔

کتاب کے صفحہ 33 پر غالب کے مشہور زمانہ شعر:

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا　　　کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کیلئے

لکھ کر یہ تبصرہ فرمایا ہے ’’اکثر ناواقف مقررین اور دیگر حضرات غالب کے اس شعر کو نعتیہ شعر جانتے ہیں‘‘ یہاں ناوک صاحب بدگمانی کے شکار ہو گئے ہیں۔ کوئی مقرر اسے اصلاً

نعت کا شعر نہیں سمجھتا، ہاں موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے اپنے جذبے کی ترجمانی کے طور پہ اس شعر کو اس مفہوم ضرور استعمال کر لیتا ہے اور یہ کوئی بدعت ہے، نہ ہی اس میں کوئی شرعی وادبی قباحت......عربی، فارسی اردو تینوں زبانوں کے اشعار مختلف مواقع پر مختلف معانی ومفاہیم میں صدیوں سے استعمال ہو رہے ہیں، کون اس کو برا سمجھتا ہے۔

پھر یہ کہ نعت میں غزل کا رنگ اور غزل میں نعت کا پہلو تلاش کرنے کی روایت بھی ہمارے یہاں برقرار ہے، واقعہ یہ ہے کہ قاری وسامع ہر شعر کو اپنی فہم اور اپنے مزاج کے اعتبار سے سمجھتا ہے اور وہ اس کا حق ہے اگر ایسا نہیں ہوتا تو آج غالب کے دیوان کی اتنی شرحیں سامنے نہیں آتیں اور نہ ذخیرۂ اردو کا یہ گلستاں ہمارے سامنے ہوتا۔ اس لئے غالب کے اس شعر پر ناوک صاحب کا اس شدت (اکثر ناواقف مقررین) سے برہم ہونا قرین انصاف نہیں۔

ناوک صاحب نے کتاب کے صفحہ 40 پر اقبال کی نظم ''ذوق وشوق'' کو نعت سمجھتے ہوئے اس کے یہ اشعار قلم بند فرمائے ہیں:

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب گنبدا بگینہ ہے تیرے محیط میں حباب
عالم آب وخواب میں تیرے ظہور سے فروغ ذرہ ریگ کو دیا تونے طلوعِ آفتاب

اور یہ تبصرہ فرمایا ہے کہ ''اقبال کا خطابیہ انداز دل کو چھوتا ہے''۔ جبکہ ڈاکٹر عبدالمغنی نے اقبال کے اس نظم کو حمد یہ قرار دیا ہے چنانچہ وہ اس نظم کو نعتیہ نظم سمجھنے والے پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بعض شارحین نے پوری نظم کو نعت رسول کی شکل دے دی ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ پہلے ہی بند میں شاعر حسن ازل کی بات کرتا ہے، جو ذات باری تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا... یہ صریحاً نعت کی بجائے حمد کا موضوع ہے۔ (اقبال کا ذہنی وفنی ارتقاء، صفحہ:66)

اس خیال کو انہوں نے اپنی کتاب ''اقبال اور عالمی ادب'' (صفحہ 285) اور ''اقبال کا نظام فن'' (صفحہ 352، 356، 364) دونوں میں دہرایا ہے۔ اب ناوک صاحب ہی ارشاد فرمائیں کہ اقبال کے اشعار بقول عبدالمغنی حمد ہیں تو انہوں نے نعت سمجھ کر ''ناواقف مقررین'' کی

صف میں اپنی جگہ بنائی یا نہیں۔ اوران کے بقول یہ نعت کے اشعار ہیں تو عبدالمغنی صاحب، اسے حمد جان کر ''ناواقفوں کے زمرے میں آتے ہیں یا نہیں۔

نعت میں تو،تم، تیرا،تمہارا وغیرہ کے استعمال کے تعلق سے بھی ناوک صاحب نے اس کتاب میں سوالات اٹھائے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

نعت گوئی میں ایک روش عام جو مجھے نہیں بھاتی وہ یہ ہے کہ نعت شریف میں ''آپ '' کے لئے تو،تم، تیرا،تمہارا وغیرہ کو لوگاں نے روا رکھا ہوا ہے۔ شرم آنی چاہئے کہ ہم اپنے باہ چچا کو لے کر تھانہ کے ادنیٰ سپاہی کو تو ''تو اور تم'' کہنے کی جرأت نہیں رکھتے لیکن خیر البشر، امام الانبیاء، ختم المرسلین، محبوب رب العٰلمین کو ''تو اور تم'' کہنے میں عار نہیں سمجھتے۔

محترم ناوک صاحب کے اس جذبۂ ادب کو ہزاروں سلام کہ وہ نعت پاک میں آپ اور تم کے تعلق سے اتنا پاک اور حساس جذبہ رکھتے ہیں۔ مگر مجھے یہاں ترمذی شریف کی حدیث پاک یاد آ رہی ہے کہ ایک بار کوفہ کے عبدالرحمٰن نامی شخص نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مچھر کے خون کے بارے میں مسئلہ پوچھا، تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ ''کبھی حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے خون کے بارے میں بھی مسئلہ پوچھنے کی توفیق ہوئی؟

ہمارے محترم ناوک صاحب کا بھی معاملہ کچھ ایسا ہی ہے وہ اپنی کتاب میں جا بجا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قاصد، ایلچی، غیر مختار، بیکس و ناچار، مجبور اور عامی کہتے ہوئے نہیں تھکتے، مگر لسانی اور قواعدی اعتبار سے جائز الفاظ کو بے ادبی پر محمول کرتے ہیں ان کی فکر کا دونوں پہلو انتہا پسندانہ ہے جس میں ممکن ہے اخلاص کارفرما ہو مگر حقیقت سے کوسوں دور ہے۔

رہی بات نعت پاک میں تو اور تم وغیرہ کے استعمال کی، تو یہ بات اہل زبان وفن سے مخفی نہیں کہ یہ اسماء ضمائر وضع لغت کے اعتبار سے ادنیٰ درجہ کے مخاطب کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ سبھی درجہ کے مخاطبین کے لئے ہے اسی لئے اردو کے بڑے بڑے اور محترم نعت گو شعراء نے اپنی نعتوں میں ''تو، تم تیرا، تمہارا، تجھے، تم کو، تمہیں تو ہو' وغیرہ الفاظ استعمال فرمائے

ہیں۔اس تعلق سے محقق عصر حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی کی محققانہ تحریر ہمارے سامنے ہے آپ اپنی کتاب ''تصغیر کی حقیقت''میں لکھتے ہیں:

اردو میں لفظ''تو'' کی وضع عربی میں لفظ''انت''اور فارسی میں لفظ''تو''ہی کی طرح محض ضمیر واحد مخاطب کے لئے ہوئی ہے،جس میں ادنیٰ ،اوسط ،اعلیٰ سبھی درجوں کے مخاطب شامل ہیں چنانچہ جن لغتوں میں یہ منقول ہے کہ ادنیٰ درجہ کی نسبت بولا جاتا ہے انہی لغتوں میں یہ بھی ہے کہ''پیار و بے تکلفی سے بھی استعمال کرتے ہیں خدائے تعالیٰ کو بھی''تو''سے خطاب کرتے ہیں ''قاموس،مصباح الغات،بیان اللسان،عربی سے اردو لغت کی تمام کتابوں میں لفظ''انت''کا ترجمہ''تو''ہی کیا ہے۔'تو،تم آپ''نہیں کیا ہے۔اگر لفظ''تو'' کی وضع واحد کم تر کے لئے،لفظ ''تم'' کی وضع واحد کم درجہ کے لئے اور لفظ''آپ'' کی وضع واحد برتر کے لئے ہوتی،تو عربی لفظ'' انت''کا ترجمہ''تو،تم،آپ''تینوں ہی کیا جانا چاہئے تھا۔

علاوہ ازیں لفظ''تم'' کی وضع تو لفظ''تو''کے جمع کے طور پر ہے۔البتہ جس طرح عربی وفارسی میں صیغہ جمع کا اطلاق تعظیماً واحد کے لئے بھی کر دیتے ہیں۔اسی طرح اردو میں بھی مخاطب واحد کے لئے تعظیماً لفظ''تم'' کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔''فیروز اللغات جدید'' میں ہے۔''تم ''(ہندی) تو کی جمع۔تعظیماً واحد کو بھی کہتے ہیں۔(ص212)ہاں غیر خدا کے لئے کلام منثور میں مستعمل ہو،تو جب تک کوئی واضح قرینہ نہ ہو،عرفاً تحقیر متبادر ہوتی ہے۔مگر کلام منظوم میں ایسا نہیں۔''تحریر سنبٹ(ص365)اور حاشیہ شرح جامی(339)میں ہے۔

ان قیاس غیرالشعرعلی الشعرضعیف لانه یجوز فیه مالا یجوز فی غیره یعنی نظم پر نثر کا قیاس ضعیف ہے کیوں کہ کلام منظوم میں بہت سی وہ باتیں روا ہیں جو کلام منثور میں روا نہیں۔

قواعد اردو،مرتبہ مولوی عبدالحق میں ہے

نظم اکثر مخاطب کے لئے''تو'' لکھتے ہیں یہاں تک کہ بڑے بڑے لوگوں اور بادشاہو

ں کو بھی اسی طرح خطاب کیا جاتا ہے (جیسے)

بعد شاہان سلف کے تجھے یوں ہے تفضیل جیسے قرآن پسِ توریت و زبور و انجیل
(ذوق)

دعا پر کروں ختم اب یہ قصیدہ کہاں تک کہوں تو چنیں پے چناں ہے
(میر)

اس لئے نعت پاک میں اس لفظ کے استعمال کو ممنوع نہیں کہا جاسکتا۔ جب لفظ ''تو'' کے اطلاق کا حکم معلوم ہو گیا تو لفظ ''تیرا'' کے اطلاق کا حکم بھی واضح ہے کہ ''تیرا'' لفظ ''تو'' ہی کی اضافی صورت ہے۔''

دوسری بات یہ کہ ناوک ،،،اگر لفظ ''آپ'' کو مستقل طور پر ضمیر مخاطب کا بدل تسلیم کرتے ہیں تو یہ بات بجائے خود حیرت انگیز ہے کیوں کہ لفظ ''آپ''، ضمیر مشترک ہے، وہ صرف مخاطب کے لئے مخصوص نہیں بلکہ غائب اور اپنی ذات کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے ،اس کی وضاحت فارسی قواعد سے بخوبی ہو جاتی ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں اور اردو نے بہر حال اسی کا اثر قبول کیا ہے۔ لفظ ''آپ'' کا مخاطب کے لئے ہونا تو بدیہی ہے، ذات کے لئے استعمال کی مثال میں امام احمد رضا کا یہ شعر ملاحظہ کریں:

دیر سے آپ میں آنا نہیں ملتا ہے ہمیں کیا ہی خود رفتہ کیا جلوۂ جاناں ہم کو

اور غائب کے لئے استعمال کی مثال میں غالب کی مشکل پسندی کے خلاف کہا گیا یہ شعر دیکھیں:

کلام میر سمجھا اور کلام میرزا سمجھے مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

اتنی وضاحت کے بعد اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہ گئی کہ نعت پاک میں ناوک صاحب کا ''تو، تم''، ضمیر مخاطب کے استعمال کو معیوب سمجھنا گویا بلا جواز ایک قسم کی قواعدی اختراع ہے۔

ناوک صاحب نے اپنی کتاب میں جا بجا ایسے مباحث بھی چھیڑے ہیں جو ان کے مخصوص علمی و ادبی دائرے سے باہر کی چیزیں ہیں، اس لئے پر خلوص جذبے کے باوجود تفہیم، اظہار اور اخذ نتائج میں سخت چوک ہو گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اس مقالہ میں بار بار تضاد

بیانی کے شکار ہوئے ہیں اور ''آداب نعت'' کا مقرر کردہ، ان کا پیمانہ خود ان کے سنگ فکر سے چور چور ہو گیا ہے انہوں آداب نعت کے ضمن میں شعرا کو جن باتوں کا لحاظ رکھنے کی ھدایات دی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

(1) نبی کو اپنی ذات کے لئے بھی نفع ونقصان کا اختیار نہیں

(2) نبی کو شفاعت کا اختیار نہیں

(3) نبی غیر مختار ہوتے ہیں

(4) نبی کو غیب کی خبر نہیں ہوتی

(5) نبی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا

(6) نبی کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے، وغیرہ

سمجھ میں نہیں آتا کہ ناوک صاحب یہاں شعراء کو نعت گوئی کے آداب بتا رہے ہیں یا معاذ اللہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بے کس و مجبور اور بے علم و بے خبر بتا کر ان کی عظمت ورفعت سے کھلواڑ کر رہے ہیں، ان کے زعم میں اگر انبیاء اتنے ہی مجبور اور بے بس ہوتے ہیں تو ان کی بعثت کا فائدہ ہی کیا ہے؟ اور اگر وہ اتنے ہے مجبور تھے تو خلق خدا ان سے فیضیاب کیسے ہوئی۔ ناوک صاحب نے اسی جذبے سے متاثر ہو کر دوسری جگہ پھر اسی دلخراش لہجے میں لکھا ہے:

> ''رسول کا کام کیا ہے وہ پیغام مات ربی، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس بذریعہ وحی بھیجے اسے من وعن اس کے۔ گویا رسول کا کام تو بس قاصد کا ہے، ایلچی کا ہے۔'' ص63

ناوک صاحب اس طرز تحریر پر غور کریں، کیا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے آداب یہی ہیں؟ کیا ان کا مقام ومرتبہ ایک قاصد اور ایلچی کا ہے؟ کیا انہیں خدائے پاک نے قدرت و اختیار عطا نہیں کیا؟ انہیں شفیع نہیں بنایا، انہیں اپنا محبوب نہیں بنایا؟ کیا یہی قرآنی تعلیمات اور صحابہ کرام کے عقائد ہیں کہ انہیں محبوب خدا کی بجائے معاذ اللہ ''ایلچی'' سمجھا جائے:

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

ناوک صاحب نے صحابہ کرام کی نعتوں کو نعتیہ شاعری کا نمونہ قرار دیتے ہوئے دفتر کا دفتر دیکھنے کی بات کی ہے۔ پتہ نہیں عربی ماخذ تک کتنی ان کی رسائی ہے اور انہوں نے اصل مآخذ کے ساتھ کتنے صحابہ کی نعتیں ملاحظہ کی ہیں۔ ہمارے سامنے تو صحابہ کرام کے آثار و اقوال کے علاوہ وہ اشعار بھی ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب، قدرت وملکیت، ہدایت وحکمت، شفاعت و استعانت اور قبضہ واختیار کے اوصاف سے متصف جانتے تھے۔ یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں جن سے ہمارے دعوے کی تائید ہوتی ہے۔

☆ حضرت مالک بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نعتیہ قصیدے کا ایک شعر ہے، جس میں حضور علیہ السلام کو عالم غیب کہا ہے:

او فی و اعطیٰ للجز یل لمجتد　　　و متیٰ تشاء یخبر ك عما فی غد

حضور علیہ السلام سب سے زیادہ وفا اور سائل نفع کو کثرت سے عطا فرمانے والے ہیں اور تم جب چاہو حضور علیہ السلام تمہیں غیب کی خبر دے دیں۔ کتاب الجلیس والانیس میں ہے، کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصیدہ سماعت فرما کر حضرت مالک بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعائے خیر اور خلعت سے نوازا، کتاب کے الفاظ ہیں۔ **فقا له خیر او کساه حله۔**

☆ حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ خیبر کو جاتے ہوئے یہ رجزیہ اشعار پڑھتے چلے، جس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہادی ہونے کا اقرار، سکینہ اتارنے کی درخواست، مغفرت کی تمنا اور ثابت قدم رکھنے کی آرزو کا بیان ہے:

اللھم لولا انت مااھتدیتنا　　　ولا تصدقنا ولا صلینا
فاغفر فداءً لك ابقینا　　　والقین سکینة علینا
وثبت الاقدام ان لاقینا　　　ونحن عن فضلك مااستغیثنا

لفظ **اللھم** یہاں تخاطب کے لئے نہیں بلکہ بسم اللہ کے طور پر ابتدائے کلام کے لئے ہے جیسا کہ بخاری شریف کے شارح امام احمد قسطلانی ''ارشاد الباری'' میں فرماتے ہیں **وقولہ اللٰھم لم یقصد بھا الدعاوانما افتتح بھاالکلام** اسی طرح فاغفر فدا کے تحت فرماتے

ہیں **المخاطب بذالك النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ای اغفرتقصیرنا فی حقك** (یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کی ہدایت نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہیں پاتے صدقہ وخیرات کی سعادت سے محروم ہوتے نمازیں نہیں پڑھتے ، یارسول اللہ! ہماری وہ خطائیں معاف فرمائیں جو مجھ سے سرزد ہوئیں، آپ کے صدقے ہمیں یقین کی دولت ملی) وضاحت کے طور پر یہ بھی عرض کر دوں کہ ان اشعار کو سن کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے ناراضگی کے حضرت عامر کے لئے یرحمہ اللہ فرمایا تھا۔

☆ حضرت جہیش بن اویس نخعی رضی اللہ عنہ اپنے ایک قصیدہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی ومہدی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

الا یا رسول اللّٰه انت مصدق فبورکت مهدیا و بورکت هادیا

☆ حضرت زہیر بن صرد جشمی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ واستعانت کر تے ہوئے فرماتے ہیں:

امنن علینا رسول اللّٰه فی کرم فانك المرء تر جوه و تدخر

ان لم تدارکهم نعماءٌ تنشرها یا ارجع الناس حلماحین یختبر

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر اپنے کرم سے احسان فرمایئے۔حضور ہی وہ مرد کامل ہیں ہم جن سے امیدیں باندھیں اور مصیبت کے وقت اپنا ذخیرہ بنائیں، اگر حضور کی نعمتیں جو سب کو عام ہیں، ان کو نہ پہنچیں تو ان کا کہیں ٹھکانہ نہ ہوگا، اے آزمائش کے وقت سارے جہاں سے زیادہ عقل والے۔

صحابی رسول حضرت نابغہ کا مشہور شعر ہے:

فیا قبا النبی وصاحبیه الا یا غوثنا لا تسمعونا

صحابہ کرام کے علاوہ تابعین، تبع تابعین، فقہاء، محدثین اور علماء اولیاء نیز عربی فارسی اردو تینوں زبانوں کے ثقہ نعت گو شعراء کے کلام میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے ایسے عقائد موجود ہیں میں سبھوں کے کلام سے نمونے کے اشعار لکھ کر مقالہ کو طول دینا نہیں چاہتا،

اس لئے صرف امام اعظم، امام شافعی ،محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے کلام کے نمونہ ملاحظہ کریں۔

امام اعظم اپنے ''قصیدۂ نعمانیہ'' میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا شافع ،غنی ،مخلوق کا خزانہ فرما تے ہوئے ان سے استعانت کرتے ہیں:

یا مالکی کن شافعی فی فاقتی	انی فقیر فی الوریٰ لغناك
یا اکرم الثقلین یاکنز الوریٰ	جد لی بجودك وارضنی برضاك
انا طامع بالجودمنك ولم یکن	لابی حیفة فی الانام سواك

حضرت امام شافعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولا د امجاد کو اپنا وسیلہ سمجھتے ہیں اور قیامت میں کامیابی کی امید رکھتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

یا آل النبی ذریعتی	و هم الیه وسیلتی
یا اکرم الثقلین یاکنز الوریٰ	جد لی بجودك وارضنی برضاك
انا طامع بالجودمنك ولم یکن	لابی حیفة فی الانام سواك
ابا رجو هم اعطیٰ غداً	بیدی الیمین صحیفتی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلی اپنے قصیدہ ''اطیب الغنم فی مدح سید العرب والعجم'' میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ماویٰ، ملجا، جائے پناہ اور فریادرس سمجھتے ہوئے فریاد کرتے ہیں

ویاخیر من یر جیٰ لکشف رزیة	ومن جوده قدفاق جود السحاب
وانت مجیری من هجوم ملمة	اذاانشبت فی القلب شرا لمخالب

یہی شاہ صاحب قصیدۂ ہمزیہ میں رورو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عریضہ پیش کرتے ہیں کہ حضور! میدان محشر میں، میں آپ کی نگاہ کرم کامحتاج ہوں سوائے آپ کے اور کوئی نہیں جو وہاں ہماری پشت پناہی کر سکے۔ آپ کے اشعار ہیں:

ینادی ضارعابخضوع قلب	وذلٍ وابتهالٍ والتجاء
رسول اللّٰہ ویا خیر البرایا	نوالك ابتغی یوم القضاء
اذا ماحل ما خطب مد لهم	فانت الحصن من کل البلاء

اليك توجهى وبك استنادى وفيك مطامعى وبك ارتجالى

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اشعار علمائے دیوبند واہل حدیث کے بھی نقل کردیا جائے تاکہ ناوک صاحب کے جذبے کی اور بھی تسکین ہو جائے۔ چنانچہ مشہور وہابی عالم نواب صدیق حسن بھوپالی کے اشعار دیکھیں:

يا سيدى ياعروتى ووسيلتى يا عدتى فى شدة ور خائى

قد جئت بابك ضارعاً متضرعا متأوهاً نتنفس صعداء

مالى ورائك مستغاثفارحمن يارضمةً للعٰلمين بكائى

یعنی اے میرے آقا اے میرے سہارے، میرے وسیلے۔سختی اور نرمی میں میرے کام آنے والے۔ میں آپ کے دروازے پر اس حال میں حاضر ہوا ہوں کہ میں ذلیل ہوں اور میری سانس پھولی ہوئی ہے، آپ کے سوا میرا کوئی نہیں ہے جس مدد مانگی جائے۔**ایرحمة اللعٰلمین!** میری آہ وبکا پر رحم فرمایئے۔(ندائے یارسول اللہ)

اب ناوک صاحب ہی ارشاد فرمائیں کہ صحابہ کرام او فقہ واحادیث کے ان ائمہ کے نعتیہ دواوین سے ان کے مقرر کردہ آداب نعت کی تائید ہوتی ہے یا تنسیخ۔اور جب انہیں کی الفاظ میں ''نعت گوئی کے سلسلے میں بہترین نعتیں جو نمونے کے طور پر کام آسکتی ہیں اصحاب کرام کی نعتیں ہیں۔''، تو نعت گوئی کیلئے صحابہ کرام کی نعتوں کو نمونہ بنایا جائے یا ان کے مقرر کردہ فرسودہ ''آداب نعت''، کو۔

نعتیہ شاعری کے آداب کا دوسرا مضمون ''غیر مسلم شعرا اور ان کی نعتیہ شاعری'' ہے اس میں محترم ناوک صاحب نے یہ سوالات اٹھائے ہیں:

(1) کیا غیر مسلم شعراء کی نعتیہ شاعری منافقانہ بازی گری ہے؟

(2) کیا اس قبیلے کے شعراء منافق تھے؟

(3) کیا ان کی کہی ہوئی نعتیں، نعت کے زمرے میں شامل نہیں؟

ناوک صاحب کے یہ سوالات یقیناً اہمیت کے حامل ہیں اور اس پہ گفتگو ہوسکتی ہے۔مگر

موصوف نے جس لہجہ میں اپنی بات پیش کی ہے وہ محل نظر بلکہ جرأت بیجا ہے: وہ لکھتے ہیں ''کیا فرماتے ہیں علمائے زبان وفن ومفتیان شعر وسخن بیچ اس مسئلہ میں کہ'' کیا اس جملہ سے استفتاء کا تمسخر اور مفتیوں کی تضحیک کا پہلو نہیں نکلتا ہے؟ کسے نہیں معلوم کہ مفتی کا منصب شرعی احکام ومسائل سے وابستہ ہے اور اس کا تقدس آج بھی محفوظ ہے، محترم ناوک صاحب غالباً پہلے شخص ہیں جنہوں نے ''مفتی'' کی اضافت اس طرف کی ہے جسے قرآن مقدس نے **وما ینبغی**۔ اور **والشعراء یتبعهم الغاؤن** سے تعبیر کیا ہے۔

جہاں تک بات غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کی ہے تو اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ صنف نعت کی تعریف کے اعتبار سے یقیناً وہ نعتیں ہیں اور انہیں نعتیہ ادب کی تاریخ میں جگہ دی گئی ہے۔ مگر یہ کہ وہ نعتیں اخلاص وصداقت کے معیار پر بھی کھری اترتی ہیں، اسے قبول کرنے میں یقیناً صنف نعت کے محققین کو تأمل ہوگا۔ دراصل غیر مسلموں کی کہی ہوئی نعتیں مضامین کے اعتبار سے دو طرح کی ہیں:

(1) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف، اخلاق اور معجزات کا تذکرہ

(2) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کا اظہار اور فراق وہجر میں اضطرابی کیفیت کا بیان

پہلی قسم کے مضامین پر مشتمل اشعار کے تعلق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں تاریخی عکاسی کی حد تک گویا اخلاص وصداقت ہے۔ کفار مکہ کے اعترافات اور خصائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے بھی اسی زمرے میں شامل ہیں۔ ہری چند اختر کے یہ اشعار اس ضمن میں پیش کئے جا سکتے ہیں:

آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا — اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دریتیم — اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا
زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر — اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

مگر ان کے وہ اشعار جن میں عشق ومحبت اور فراق وہجر کا اظہار ہیں یا بایں حال

کفر جنت میں جانے کا ادعاوہ زبانی جمع خرچ ،لفظوں کی فنکاری اور منافقانہ بازی گری کے سوا کچھ نہیں ۔ ناوک صاحب ان اشعار کو دیکھیں اور فیصلہ کریں کیا ان اشعار میں صداقت ہے، اخلاص ہے یا واقعی یہ اشعار منافقت کا آئینہ دار ہیں:

لے کے دلّو را م کو حضرت گئے جنت میں جب ۔۔۔ غل ہوا ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے

☆

محشر میں دی فرشتوں نے داور کو یہ خبر ۔۔۔ ہندو ہے ایک احمد مرسل کا مدح گر
ہے بت پرست گرچہ لیکن ہے نعت گو ۔۔۔ احمد کی نعت لکھتا ہے دنیا میں بیشتر
ہے نام د لورام تخلص ہے کوثری ۔۔۔ لے جائیں اس کو خلد میں یا جانب سقر
سنتے ہی یہ ملٰئکہ سے یہ انوکھی بات ۔۔۔ فرمایا ذوالجلال نے جنت اس کا گھر

(دلورام کوثری)

محمد مصطفیٰ نے مجھ کو دیوانہ بنایا ہے ۔۔۔ مئے توحید سے مخمور مستانہ بنایا ہے

(سمن سرحدی رام چندر)

ہجر احمد میں ہواہوں اس قدر گریہ کناں ۔۔۔ نوح کے طوفاں کا عالم ہر اک آنسو میں ہے
پرسش روزجزا کی فکر پھر کیوں ہو ہمیں ۔۔۔ بخشوانا جب ہمارا آپ کے قابو میں ہے

(لالہ چھنومل نافذ دہلوی)

کیوں دل خستہ مرا ہجر میں بیتا ب نہ ہو ۔۔۔ ہوگئے ان کی زیارت کو مہینے مجھ کو

(گوری پرساد ہمدم)

اتنی وضاحت کے بعد ناوک صاحب کو اب یہ حقیقت تسلیم کر لینا چاہئے کہ غیر مسلموں کی نعت گوئی یک گونہ زمانے کے ماحول اور منفعت وخوشامد پسندی کی ایک شکل تھی ، یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانے کے برخلاف ،موجودہ دور میں جب کہ مسلمانوں کو عروج واقتدار اور منفعت کی وسیع توقع نہیں تو پھر نئی نسل کے نوجوان غیر مسلم شعراء کیا اردو اور کیا ہندی کسی زبان میں نعت گوئی کی طرف متوجہ نہیں ہیں الاّ یہ کہ بعض شعراء محض اس لئے لکھ رہے ہیں کہ انہیں کسی بھی شکل میں اس سے ''اسٹیج'' کی آمدنی کا یقین ہے ۔ چاہے وہ مشاعرے کی صورت میں ہو یا ریڈیائی پروگرام کی

صورت میں۔

ناوک صاحب کے مقرر کردہ آداب نعت کا دوسرا عجیب وغریب پہلو یہ ہے کہ خود ناوک صاحب نے اپنی نعتیہ شاعری میں اس کا پاس ولحاظ نہیں رکھا ہے۔ شعر گوئی کے وقت وہ بھول گئے ہیں کہ الوہیت ورسالت کے درمیان امتیاز باقی رہنا چاہئے۔ اس لیے خود ان کی شاعری کے تعلق سے ان ہی کے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے ''...از خود رفتگی کی وجہ سے حمد ونعت کے مابین کا فرق کبھی کبھار ان کی تخلیقات میں برقرار نہیں رہا ہے'' دعویٰ تشنۂ شہادت نہ رہ جائے اس لیے خود ان کے مقرر کردہ آداب کی روشنی میں ان کے چند اشعار کا جائزہ لے لیا جائے۔ وہ اپنی کتاب کے صفحہ 66 پر لکھتے ہیں:

''گذشتہ دنوں ایک رسالہ نظر سے گزرا۔ رسالے کا نام تو ''توحید اور شرک'' ہے۔ لیکن اندرون صفحات جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا لب ولباب یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور سے بھی مدد مانگنا اور فریاد کرنا شرک نہیں ہے۔ مزاروں پر دعائیں مانگنی جائز ہے... وغیرہ۔ تو سر پیٹ لینے کو جی چاہا''۔ ص 67

اب اسی عقیدے کی روشنی میں اسی کتاب میں شامل ان کے یہ اشعار دیکھیں:

دل و نگاہ ہیں بیمار یا رسول اللہ　　عطا ہو خاطرِ بیدار یا رسول اللہ
امید وار کرم ہے یہ بندۂ عاصی　　نگاہِ لطف ہو اک بار یا رسول اللہ

☆

یا ختم رسل بخش ایں تشنہ لبے　　یک جرعۂ معرفت زمیخانۂ خویش

ناوک عاصی شرمندہ ہے بن کے سوالی در پہ کھڑا ہے
بہر کرم فرمائیں شفاعت صلی اللہ علیہ وسلم

تڑپاتی ہے رہ رہ کے پھر دوری
بلوایئے للہ اک بار حضور

کتاب کے صفحہ 63 پر ناوک صاحب فرماتے ہیں:

''ان کی ذمہ داری یہ نہیں کہ وہ مخلوق کی ہدایت کا ذمہ اپنے اوپر لیں بلکہ یہ کام

اللہ نے اپنے ہی ذمہ رکھا کہ وہ جسے چاہے ہدایت دے، جسے چاہے نہ دے، گویا رسول کا کام تو صرف قاصد کا ہے، ایلچی کا ہے۔''

اب ذیل کے اشعار میں (انہیں کی زبان میں) معاذ اللہ ایک ''ایلچی'' کی شان وشوکت، قدرت واختیار اور مقام ہدایت ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ کس طرح ان اشعار میں ناوک صاحب کا عقیدۂ توحید مجروح ہوگیا ہے:

واللہ کہ محی بھی ہیں ماحی بھی آپ — اللہ کی رحمتوں کا سایہ بھی آپ
اک قعر مذلت سے زمانے کو نکالا — بھولے گی نہ دنیا کبھی احسان محمد

☆

جہل کی ظلمتیں مٹیں کفر کی بدلیاں چھٹیں — شمع ہدیٰ سے آپ کی بقعہ نور شش جہات

☆

وہ جن کی ذات نے لادینیت کی ظلمت میں — جلائی راہ نمائی کو دین کے مشعل
وہ جن کے دم سے ہوئی ختم وقعت عزیٰ — وہ جن کی ذات سے مٹ کر رہا وقار ہبل

آخرت میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور شفاعت سے انکار کرتے ہوئے کتاب کے صفحہ 67 پر ناوک صاحب فرماتے ہیں:

''میاں! ہمیں آپ کو تو صرف آپ کی امت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آنحضرت نے اپنی بیٹی، اپنی پھوپھی تک کو تقویٰ شعاری اور عمل صالح کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ کل آخرت میں میری قرابت مندی کچھ کام نہ آئے گی وہاں اعمال صالحہ ہی کام آئیں گے۔''

مگر جب اپنی مغفرت اور آخرت میں سہارے کی ضرورت محسوس ہوئی تو یہ عقیدۂ توحید کہاں اور کیسے فراموش کر دیا گیا ملاحظہ کریں:

گرچہ گناہگار ہے ناوک امیدوار ہے — روز شفاعت اس پہ بھی ایک نگاہ التفات

☆

ہے بزم آخرت میں شفیع آپ ہی کی ذات — دنیامیں ہر فلاح کا امکان آپ ہیں

☆

محبوب خدا ساقی کوثر ہیں حضور — بے ریب وگماں شافع محشر ہیں حضور
قرآں میں ہے آپ کی مدحت صلی اللہ علیہ وسلم — آپ ہیں شافع روز قیامت صلی اللہ علیہ وسلم

نثر و نظم میں یہ تضاد بیانی اور فکری تصادم اس لیے سامنے آیا کہ ناوک صاحب نے قرآن پاک کی جن آیات کو آدابِ نعت کے طور پر پیش کیا ہے انہیں براہ راست قرآن اور معتبر تفاسیر کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے متنازع کتاب ''تقویۃ الایمان'' کی روشنی میں سمجھنا چاہا ہے جس کے ایمان شکن مندرجات نے ہندوستان میں روز اول سے ہی ''افتراق بین المسلمین'' کی فضا پیدا کردی ہے۔

1857ء سے اس صدی تک علمائے حق اس کتاب کی تردید کرتے رہے ہیں۔ خود شاہ اسماعیل دہلوی کے چچا حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی اس کا جواب لکھنا چاہا مگر عمر نے وفا نہیں کی۔

یہی وہ کتاب ہے جسے انگریزوں نے مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لئے لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے مفت تقسیم کرایا تھا۔

ظاہر ہے ایسی کتاب کو پیش نظر رکھ کر جو بات بھی کی جائے گی اس کا نتیجہ شانِ رسالت کی تنقیص، تعلیمات صحابہ وصوفیہ سے محرومی، حقائق سے دوری کی اور افتراق بین المسلمین کی شکل میں سامنے آئے گا۔ ناوک صاحب کو چاہئے کہ وہ ان تشریحات اور اپنی نعت کی روشنی میں اپنے مقرر کردہ ''آدابِ نعت'' پر نظر ثانی فرمالیں تاکہ ان کی فکر قرآنی تعلیمات اور صحابہ کرام کے نظریات کے مطابق ہو جائے اور انہیں بھی:

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

کہنے کا جواز مل جائے۔

○○○

ہندوستان میں
امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری پر
تحریر کیے گئے تحقیقی مقالوں کا ایک تعارفی جائزہ

ڈاکٹر سراج احمد قادری (مدیر مجلّہ)

تحقیق وتنقید کا موضوع فن کی تخلیق سے ہم رشتہ ہے، علوم وفنون کی ارتقاء کے ساتھ تحقیقی وتنقیدی مدارج بھی ہمیشہ ارتقاء پذیر رہے اور صورتِ حال یہ ہے کہ ماہرین علوم فنون کی توجہات اور ان کی علمی بصیرت کے سبب اس میدان میں روز بروز نئے زاویے اور گوشے وجود میں آرہے ہیں اور مستقبل میں بھی آتے رہیں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

ماہرین فن نے تحقیق وتنقید کے فن پر باقاعدہ کتابیں تصنیف کر اس کے اصول وضوابط بھی متعین کیے ہیں جو ہمارے لیے مشعلِ راہ کا درجہ رکھتے ہیں، مگر عصر حاضر میں یونیورسٹی لیول پر قلم بند کیے جانے والے کچھ تحقیقی وتنقیدی مقالے اعتراضات کی زد میں ہیں اس کی وجہ معیار کا فرو تر ہونا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب ایسے ہی غیر معیاری تحقیقی وتنقیدی مقالوں کا ذکر اپنے ایک تحقیقی مقالہ ''تحقیقِ نعت: صورتِ حال اور تقاضے'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

''اب تک دو سو سے زیادہ مقالات پی ایچ ڈی اور ایم فل دونوں سطحوں پر، ادبی شخصیات کے احوال وآثار پر لکھے جا چکے ہیں، لیکن کتنے ہیں جنہیں'' مولوی نذیر احمد'' (از افتخار امام صدیقی)، ''رجب علی بیگ سرور'' (از: نیر مسعود) اور ''امین الدین علی اعلیٰ'' (از حسینی شاہد) کے معیار کا کہا جا سکے۔ یہ شخصیات بھی اپنے زمرے میں تاریخ ادب میں ہمیشہ زندہ رہنے والی ہیں اور حسنِ اتفاق سے انہیں محققین اور مصنّفین بھی ایسے ملے جنہوں نے اس قدر محنت، تلاش وجستجو اور سلیقے کا ثبوت دیا کہ ایک نظیر پیش کردی کہ شخصیات پر اگر کام کیے جائیں تو وہ ایسے ہوں۔ (ورنہ کراچی یونیورسٹی میں ۲۰۰۳ء میں تو ایک

کام زندہ شاعر، کالم نویس اور ایک ادبی ادارے کے ایک عالی مقام منصب دار پر، جن کا ذکر معاصر ادب پر لکھی جانے والی کسی معیاری تاریخ ادب میں شاید کبھی نہ آسکے گا۔ لیکن ان پر ان کی زندگی ہی میں ان کی خواہش اور ان کے سماجی اثرات کے نتیجے میں، پی ایچ ڈی کا مقالہ ایک ''فاضل'' نگران نے صرف دو ماہ کے عرصے میں لکھوا دیا اور ایسے ناجائز طریقے بھی اختیار کیے کہ تمام ضوابط پس انداز کر کے سند بھی دلوادی جس کے صلے میں اسی بااثر شخصیت کے زیر اثر ''فاضل'' نگران صاحب موضوعِ مذکور کی زیر اثر ایک یونیورسٹی میں ایک اعلیٰ عہدے پر ''سرفراز'' بھی ہو گئے! شخصیات پر ''تحقیقی'' کاموں کی ایسی داستانیں مزید بھی ہیں۔''[۱]

ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب نے تحقیق وتنقید کے موضوع پر ایک کتاب ''اردو تحقیق: صورتِ حال اور تقاضے'' تحریر کی ہے۔ ان کی یہ کتاب ان کے تحقیقی وتنقیدی مقالات ومضامین اور تبصروں پر مشتمل ہے جو اوّلاً ۲۰۰۸ء میں مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد اور دوسری بار مزید اضافے کے ساتھ القمر انٹر پرائزز، لاہور، پاکستان سے ۲۰۱۴ء میں شائع ہو چکی ہے۔ چونکہ اس کتاب میں تحقیقی امور سے بحث کی گئی ہے لہٰذا اُس کی اہمیت کے پیش نظر اس کتاب کو پاکستان کی بعض یونیورسٹیز نے اسے ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے نصاب میں بھی شامل کیا ہے۔

لیکن تحقیق وتنقید کے میدان میں کوئی بھی تحریر حرف آخر قرار نہیں پاسکتی اس لیے کہ ''علم'' کی صفت اللہ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات میں سے ایک ہے اور '' علم '' کا اللہ اور اس کے رسول عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت ہو جانا اس کے بے کراں ہونے کے لیے کافی ہے۔

محترم جناب ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب کی مذکورہ کتاب کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے چنانچہ ڈاکٹر جابر حسین، لیکچرار اردو، اسلام آباد ماڈل کالج برائے طلبہ، ایف ٹین فور، اس کی فروگزاشتوں کے حوالے سے اپنے مضمون 'اردو تحقیق: صورتِ حال؛ اور تقاضے'' کی بعض فرو گزاشتیں'' میں تحریر فرماتے ہیں:-

'' کتاب بنیادی طور پر اپنے تحقیقی موضوعات اور واجب الاحترام ڈاکٹر

صاحب کی تحقیقی کد و کاوش کے اعتبار سے بلا شبہ لائق ستائش و قابلِ قدر ہے لیکن بعض سہویات اور کچھ ایسے فنی مسائل کتاب میں راہ پا گئے ہیں جن کے باعث اس وقیع کاوش کی Orignality اور اس کی ''اردو تحقیق کی رہنما کتاب'' ہونے کی حیثیت کو ٹھیس پہنچی ہے۔

زیرِ نظر مضمون کو تحریر کرتے وقت کتاب کا پہلا ایڈیشن پیشِ نظر رہا۔ امید و توقع تھی کہ کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں ڈاکٹر صاحب متذکرہ مسائل اور سہویات کی جانب خود ہی متوجہ ہو جائیں گے یا ان کا کوئی فاضل دوست ان کی توجہ اس طرف مبذول کرائے گا اور کتاب کا دوسرا ایڈیشن ان کی سہویات سے مبرا ہو کر سامنے آئے گا لیکن ایسا نہیں ہوا اور کتاب کا دوسرا ایڈیشن (۲۰۱۴ء) بھی پہلے ایڈیاشن (۲۰۰۸ء) میں موجود سہویات و مسائل سمیت سامنے آیا۔ زیرِ نظر مضمون محض انہی مسائل و فروگزاشتوں کی جانب واجب الاحترام ڈاکٹر صاحب کی توجہ دلانے کی خاطر خالصتاً نیک نیتی کی بنیاد پر تحریر کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر مسائل و فروگزاشتوں کی نوعیت چار طرح کی ہے۔

ان فروگزاشتوں اور سہویات کا تعلق زیرِ نظر کتاب میں ذکر کردہ کتابوں کے ناموں اور ان کے سنین کے اندراج، مواد کی تکرار اور پہلے بیان کردہ کسی مدعا کی دوسری جگہ تردید جیسے امور سے ہے۔ اس مضمون میں انہی امور کا تفصیل سے جائزہ پیش کیا گیا ہے نیز درست سنین کے اندراج اور تکراری مواد و صفحات کی کمیت و کیفیت کی نشان دہی کی گئی ہے۔''[۲]

مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علمی و ادبی نقوش پر اب تک ملک و بیرون ملک کی یونیورسٹیز میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے تقریباً ۳۵ مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ خود ہندوستان کی چار یونیورسٹیز (۱) بہار یونیورسٹی، مظفر پور، بہار (۲) ہری سنگھ گور یونیورسٹی، ساگر، مدھیہ پردیش (۳) روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی (۴) کان پور یونیورسٹی، کان پور سے چار پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے قلم بند کئے جا چکے ہیں۔ اُن مقالوں میں جن گوشوں کو موضوع بحث بنایا گیا اُن کو یہاں پیش کیا جا رہا ہے جس سے کہ مستقبل میں اگر کوئی ریسرچ اسکالر ان کی نعت گوئی پر

کسی یونیورسٹی سے تحقیقی وتنقیدی مقالہ قلم بند کرنا چاہے تو یہ ساری تفصیلات اس کے پیشِ نظر رہیں اور موضوعات یا عناوین کی تکرار نہ ہو اس لیے کہ موضوعات یا عناوین کی تکرار سے تحقیقی وتنقیدی مقالوں کا کمزور ہونا یقینی ہے یا جن موضوعات یا گوشوں پر تحقیق کی جا چکی ہے اُن گوشوں کو اگر تحقیق کا موضوع بنانا ہی ہے تو اس سے آگے تحقیقی وتنقیدی کام کو انجام دیا جانا چاہیے جس سے کہ کسی نئی سمت و جہت کا انکشاف ہو سکے اگر ایسا کرنے میں ریسرچ اسکالر کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کی تحقیق معیاری اور اعلیٰ قرار پائے گی ورنہ تحصیل حاصل بن کر رہ جائے گی۔

حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعرنعت۔ڈاکٹر جوہر شفیع آبادی:

ڈاکٹر جوہر شفیع آبادی صاحب کی شخصیت اور مقالے کا تعارف پیش کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری تحریر فرماتے ہیں۔

''زیر نظر مقالہ'' حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعر نعت'' حضرت مولانا جوہر میاں شفیع آبادی کا تحقیقی مقالہ ہے جس پر انہیں بہار یونیورسٹی (بھارت) نے ۱۹۹۲ء میں ڈاکٹریٹ (Ph.d) کی ڈگری (سند) تفویض کی ہے۔

> ''یہ مقالہ اس لحاظ سے منفرد و واحد ہے کہ حضرت علامہ جوہر میاں صاحب خطۂ ہند کے اوّلین باسی ہیں جنھوں نے امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر اوّلین تحقیقی مقالہ لکھنے کی سعادت حاصل کی ہے اور ادارہ ہٰذہ کو یہ اعزاز حاصل ہو رہا ہے کہ وہ اس مقالہ کی طباعت و اشاعت کی ذمہ داری بطور احسن نباہ رہا ہے اور عنقریب عوام الناس کے علمی ذخیرے میں ایک نایاب کتاب کا اضافہ ہونے والا ہے۔'' ۳۳

ڈاکٹر جوہر شفیع آبادی نے اپنا یہ مقالہ پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی سابق صدر شعبۂ اُردو بہار یونیورسٹی، مظفر پور، بہار کی زیرِ نگرانی قلم بند کیا ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری کے لیے لکھا گیا ہے جو اس وقت میرے پیشِ نظر ہے جسے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی نے جنوری ۲۰۰۶ء میں شائع کیا تھا۔ یہ مقالہ چھ ابواب پر مشتمل ہے جس کی تفصیل اس

طرح ہے۔

۱- پہلا باب: نعت کی صنفی حیثیت۔

۲- دوسرا باب: اردو میں نعتیہ شاعری کی روایت۔

۳- تیسرا باب: امام احمد رضا کی شخصیت۔

۴- چوتھا باب: حضرت رضا کے چند معاصر شعرأ۔

۵- پانچوں اور چھٹا باب: حضرت رضؔا کی نعتیہ شاعری کا تفصیلی مطالعہ اور اس کے ادبی وفنی محاسن۔

اس مطبوعہ مقالے کی کل ضخامت ۱۲۴ر صفحات کی ہے اور سب سے خاص بات یہ ہے کہ اس میں کتابیات کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی حوالے دیے گئے ہیں جبکہ حوالے کے لیے نمبرنگ کی گئی ہے مگر حوالے نہیں دیے گئے ہیں، ایسا کیوں کیا گیا اس کی کوئی وجہ بھی نہیں بتائی گئی ہے جبکہ تحقیقی مقالوں میں حوالوں کو اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔نہایت ہی ادب کے ساتھ عرض گزار ہوں کہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تحقیق کی دنیا میں اب تک پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری کے لیے لکھے جانے والے مقالوں میں یہ مختصر ترین مقالہ ہے اس سے جامع تو ایم۔فل کے مقالے ہوا کرتے ہیں۔

۲۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی اور انکی نعت گوئی

ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیؔل راٹھوی:

ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیؔل راٹھوی نے اپنا یہ پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ ڈاکٹر ہری سنگھ گور یونیورسٹی، ساگر، مدھیہ پردیش سے ڈاکٹر محمد شفیع (مرحوم) سابق صدر شعبہ اردو، فارسی، سیوا سدن ڈگری کالج برہان پور کی زیرِ نگرانی قلم بند کیا ہے انہیں بھی ۱۹۹۲ء میں ہی ڈاکٹریٹ کی ڈگری ایوارڈ ہوئی ہے۔

ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیؔل راٹھوی ایک صاحب اسلوب شاعر اور انشأ پرداز ہیں انہوں نے صنف

شاعری میں اپنے فکر وفن کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک نئی صنف (ابر حروف) کو بھی ایجاد کیا ہے ۔شعروشاعری کا شغف ہونے کے سبب وہ اکثر و بیشتر مشاعروں کا بھی اہتمام کیا کرتے ہیں۔ان کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے راٹھ کے ایک مشاعرے میں جناب پروفیسر وسیم بریلوی صاحب سے ملاقات ہوئی اوران سے امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے موضوع پر تحقیقی کام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا جس کی انہوں نے تائید کرتے ہوئے پزیرائی کی اوراس طرح یہ تحقیقی مقالہ معرض وجود میں آیا۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ ایک طویل وقفے کے بعد یعنی ۲۰۱۸ء میں طبع ہوکر منظر عام پر آیا ہے، یہ مقالہ ۴۴۰ صفحات کی ضخامت پر مشتمل ہے۔اس مقالے میں کل چھ ابواب ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔باب اوّل: حمد و نعت کی تعریف اور مختصر تاریخ ہندوستان میں عربی، فارسی، اور اردو نعت گوئی کی ابتدأ۔

۲۔باب دوم: اردو نعت گوئی۔

۳۔باب سوم: اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی:

(ا) پس منظر۔

(ب) حالاتِ زندگی (ج) عصری حالات (د) مذہبی، ادبی خدمات اور سیاسی نظریات۔

۴۔باب چہارم: اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں اور ان کے ہم عصر شعرأ۔

(ا) شبلی نعمانی (ب) نظم طباطبائی (ج) اقبالؔ

۵۔باب پنجم: اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی کی اردو نعت گوئی کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ۔

(ا) پہلا دور (۲) دوسرا دور (۳) تیسرا دور

۶۔باب ششم: دیگر اردو خدمات۔

(ا) قرآن پاک کا اردو ترجمہ کنز الایمان (۲) فتاویٰ رضویہ اور اردو (۳) مکتوبات اعلیٰ حضرت اور اردو (۴) اہم شخصیات کے تبصرے۔

مقالے کے آخر میں کتابیات ہے جس میں ۱۳۷ر کتب اور ۱۷راخبار و رسائل کی تفصیلات کا ذکر

ہے جن سے انہوں نے استفادہ کیا ہے۔

۳-اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی۔ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی:

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (مرحوم) نے اپنا یہ مقالہ پروفیسر زاہد حسین وسیم بریلوی کی نگرانی میں روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی سے اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی کے موضوع پر مقالہ قلم بند کر ۱۹۹۴ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تھی۔ یہ مقالہ ۶۷۷ صفحات کی ضخامت پر مشتمل ہے جسے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی، پاکستان نے فروری ۲۰۰۸ء میں شائع کیا تھا۔ڈاکٹر عبد النعیم (مرحوم) کے مذکورہ مقالے کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ، پٹنہ تحریر فرماتے ہیں:-

> ''اس تصنیف لطیف سے متعلق کچھ کہنا چھوٹا منھ بڑی بات ہوگی۔اس بھاری پتھر کو چوم کر چھوڑ دینا بھی ایک سعادت ہے۔ یہ کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے جس میں الگ الگ نعت شریف کی تعریف، تاریخ اور عہد بعہد اس کے ارتقاً کا جائزہ لیا گیا ہے بخصوص اردو زبان میں اس کی ابتدا اور موضوعات کا اجمالی خاکہ پیش ہوا ہے۔فاضل بریلوی کے عہد اور اس کا سیاسی، سماجی، تہذیبی، تمدنی اور مذہبی پس منظر دکھایا گیا ہے۔امام احمد رضا کی حیات وشخصیت کا واشگاف جائزہ ہے۔ان کے تخلیقی رویے اور محرکات شعری پر واضح روشنی ڈالی گئی ہے۔ موصوف کی نعت گوئی اور اختصاصات اور انفرادیت سے بحث کی گئی ہے، معاصر اور معتبر نعت گویوں سے تقابلی مطالعہ کر کے اس کی قدریں متعین کی گئی ہیں، ان کی نعتوں میں عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والہانہ کیفیات اور ان کی گہرائیاں دکھائی گئی ہیں، اس کی اہمیت وعظمت کی تعین کی گئی ہے اور نعت نویسی میں امام احمد رضا کے مقامِ بلند و بالا کی بھرپور نشان دہی بھی۔مصنف نے جس دیدہ وری و دقیقہ سنجی سے شرح وبسط کے ساتھ اس موضوع پر سیر حاصل کام کیا ہے، مجھے یہ لکھنے میں حاشا کوئی تردد و باک نہیں کہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا یہ قابلِ قدر کارنامہ فاضل بریلوی پر اس جہت سے کام کرنے والوں

کے لیے ایک انسائکلو پیڈیا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ اس سے صرفِ نظر کر کے
اس موضوع پر کوئی گفتگو کی جاسکے۔''۴؎

اس مقالے میں کل نو ابواب ہیں جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ پہلا باب: نعت کی تعریف، مختصر تاریخ اور عہد بعہد ارتقاء کا جائزہ۔

۲۔ دوسرا باب: اردو میں نعت گوئی کی ابتدا اور موضوعاتِ نعت کا اجمالی خاکہ۔

۳۔ تیسرا باب: امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا عہد (سیاسی، سماجی، تہذیبی، تمدنی اور ادبی پس منظر)۔

۴۔ چوتھا باب: امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی حیات اور شخصیت کا تفصیلی جائزہ۔

۵۔ پانچواں باب: تخلیقی رویے اور محرکاتِ شاعری کا جائزہ، شاعری وہبی ہے، کسبی نہیں۔

۶۔ چھٹا باب: امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی نعت گوئی کے انفرادی خدوخال اور اردو کے معتبر نعت نگاروں سے تقابل۔

۷۔ ساتواں باب: احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی روحانی و عشق نبی کی مخلصانہ تہداریاں۔

۸۔ آٹھواں باب: امام احمد رضا خاں فاضل کی نعت گوئی کا ادبی مقام اور علمی مرتبہ۔

۹۔ نواں باب: اردو نعت گوئی کی تاریخ میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کا مقام و مرتبہ۔

اس تحقیقی مقالے میں ۱۹۴؍ کتب اور ۲۳؍ اخبارات و رسائل سے استفادہ کیا گیا ہے جس سے ان کی وسعتِ مطالعہ اور مقالے کی جامعیت پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔

۴۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی نعتیہ شاعری۔

ڈاکٹر سراج احمد قادری

راقم نے اپنا یہ تحقیقی مقالہ کان پور یونیورسٹی، کان پور سے پروفیسر سید ابوالحسنات حقی سابق صدر شعبۂ اردو و پرنسپل حلیم مسلم ڈگری کالج، کان پور کی زیرنگرانی قلم بند کیا تھا۔ جس پر ۱۰؍ مارچ ۱۹۹۵ء کو مجھے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض ہوئی۔ اشاعت کی سہولت کے پیشِ نظر میں نے

اپنے اس مقالے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس کا پہلا حصہ ''نعتیہ روایت کا عروج و ارتقاٗ'' جو ۲۷۷ر صفحات کی ضخامت پر مشتمل ہے بعد میں ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا اور بعد والا حصہ جو تحقیق کا اصل موضوع تھا یعنی ''مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری'' ۳۸۴ر صفحات کی ضخامت پر مشتمل ہے یہ پہلے ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا۔ مگر اب میں دوسرے ایڈیشن میں پورے مقالے کو ایک جلد میں شائع کرنے جا رہا ہوں کمپوزنگ ہو چکی ہے ان شا اللہ تعالیٰ عنقریب ہی طبع ہو کر منظر عام پر آئے گا اور آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔

میں نے اپنے اس مقالے پر کسی بڑی علمی و ادبی شخصیت سے کوئی پیش لفظ یا مقدمہ نہیں تحریر کرایا بلکہ استاذ محترم پروفیسر سید ابوالحسنات حقّی صاحب کے دعائیہ کلمات پر ہی اکتفا کیا اس لیے کہ استاذ محترم سے بہتر میرے اور میرے مقالے کے بارے میں کون جان سکتا ہے چناچہ وہ میرے مقالے کے بارے میں اظہار خیال فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

> ''اہلِ فکر و نظر اس مقالے کو ان شا اللہ تعالیٰ درجۂ اعتبار عطا فرمائیں گے۔ میں نے بھی نعت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر چند تحقیقی مقالے دیکھے ہیں سراج صاحب سلمہ کی کوشش کو میں خود بنظرِ استحسان کے دیکھتا ہوں کہ جو تفحص ان کے یہاں ہے وہ دوسری جگہ نظر نہیں آیا۔ انہوں نے اس مقالے کی تہذیب و تدوین میں جس دقت نظر سے کام لیا ہے وہ اس زمانے میں شاذ ہی نظر آتا ہے۔ یہ مقالہ دراصل دو مقالوں کا ایک مقالہ ہے۔ تاریخ نعت گوئی کا حصہ اپنے آپ میں ایک بھر پور مقالہ ہے۔ دوسرا حصہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی نعتیہ شاعری کے لیے مختص ہے۔ اس حصہ میں سراج سلمہ کی شعر فہمی کی صلاحیتوں پر خوب روشنی پڑتی ہے۔'' [۵]

مقالے کی تفصیل باب وار ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ ابتدائیہ۔

(ا) عربی کی مستند لغات سے نعت کے ممکنہ معانی و مطالب۔

(ب) عربی میں نعت گوئی کا چلن۔اوّلین نعت گو۔

(ج) عجمی زبانوں میں خصوصاً فارسی زبان مین نعت گوئی کا اجمالی منظر نامہ۔

(د) ہندوستان میں نعت گوئی کا تاریخی منظر نامہ۔ ہندوستان کی مختلف زبانوں میں نعت گوئی کا سراغ خصوصاً ہندوی، دکنی اور اردو کے حوالے سے۔

۲۔ پہلا باب: مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے حالات زندگی۔

(ا) خاندانی حالات، والدین، بہن بھائی اور اولاد (ذکور واناث) کا تفصیلی ذکر۔

(ب) اساتذہ اور کسبِ علم کا مکمل نقشہ۔

(ج) مخصوص احباب، نعت گوئی کی ابتدأ اور اس سے خصوصی شغف۔

(د) مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی علمی، ادبی اور سیاسی خدمات۔

۳۔ دوسرا باب: نعت گوئی کا فن۔

(ا) احتیاط۔

(ب) ہیئت۔

(ج) ضمائر کا استعمال۔

(د) خیال آوری۔

۴۔ تیسرا باب: فن نعت گوئی فاضل بریلوی کے خصوصی حوالے سے۔

(ا) حضرت مولانا احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے عہد میں نعت گوئی کا معیار اور عام روش۔

(ب) نعت اور اور منقبت کے درمیان حد فاَصِل۔

(ج) صنائع بدائع اور علم عروض سے ماہرانہ وَاقفیت۔

(د) زبان و بیان سے وَاقفیت۔

(س) علاقائی بولیوں سے واقفیت، مقامی بولیوں میں نعت گوئی۔

(ص) حضرت رضاؔ بریلوی کے قصائد ورباعیات، مثنوی و مسدس میں نعتیہ شاعری کا جائزہ۔

(ض) حضرت رضاؔ بریلوی کے قصائد اور انکی تشابیب۔

۵۔ چوتھا باب: حضرت رضاؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری کے اثرات مستقبل کے نعت گو شعرا پر۔

(ا) حضرت رضاؔ بریلوی کی طرزوں کی اتباع۔

(ب) حضرت رضاؔ بریلوی کے نعتیہ رُجحانات اور افکار و خیالات کی پذیرائی۔

(ج) حضرت رضاؔ بریلوی کی نعتوں کا انگریزی زبان میں ترجمہ۔

(د) بحیثیت نعت گو حضرت رضاؔ بریلوی کا مقام۔

کتابیات:

کتابیات کے تحت ان تمامی ماٰخذ و مراجع کا ذکر کیا گیا ہے جن کی مدد سے اس مقالے کی تدوین و تہذیب کی گئی ہے جس میں ۱۲۲؍کتب ۷۵؍میگزینس و رسائل سے حوالے کوڈ کیے گئے ہیں۔ یہ پورا مقالہ ۶۵۴؍صفحات کی ضخامت پر مشتمل ہے۔

عالمی سطح پر یونیورسٹیز اور جامعات میں قلم بند کیے جانے والے تحقیقی مقالوں کو معیاری بنائے جانے کے لیے ایک ایسا ادارہ ہونا چاہیے جو ہر سال ایم۔ فل، پی۔ ایچ۔ ڈی اور ڈی۔ لٹ میں انرول کرانے والے ریسرچ اسکالرز کا نام ان کے عناوین یونیورسٹی کا نام، نگراں مع دیگر اہم معلومات کے تفصیلات شائع کرے جس سے کہ موضوعات و عناوین کی تکرار سے بچتے ہوئے معیاری تحقیقی کام انجام پاسکیں۔

میری دانست میں ابھی تک اس طرح کا کوئی ادارہ نہیں ہے جو اس طرح کی مذکورہ تفصیلات شائع کرتا ہو۔ ہندستان میں یہ کام یونیورسٹی گرانٹ کمیشن اور یونیورسٹیز سے شائع ہونے والے جرنلس بخوبی کر سکتے ہیں اور انہیں کرنا بھی چاہیے اور اگر کوئی ادارہ اس طرح کا کام انجام دے رہا ہے تو ارباب علم و دانش سے عرض گزار ہوں کہ مجھے اس کی اطلاع فراہم کی جائے جس سے کہ میں مستفیض ہوسکوں۔

حوالہ جات:

۱- نعت رنگ شمارہ نمبر ۲۵ (سلور جبلی نمبر) سید صبیح رحمانی، نعت ریسرچ سینٹر۔ کراچی صفحہ ۸۲

۲- ماہنامہ اخبار اردو۔ مدیر سید سردار احمد پیرزادہ، شمارہ جنوری، فروری ۲۰۱۷ء مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد صفحہ ۳۴
۳- حضرت رضا بریلوی بحثیت شاعر نعت۔ ڈاکٹر جوہر شفیع آبادی۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا ، کراچی صفحہ ۴
۴- اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی ۱۳/۱۴
۵- مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری، رضوی کتاب گھر، دہلی صفحہ ۶

○○○

نعت ریسرچ سینٹر کی مطبوعات

1- اُردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر	ڈاکٹر عاصی کرنالی	600/-
2- اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ	رشید وارثی	350/-
3- نعت میں کیسے کہوں (تنقید)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	200/-
4- غالب اور ثنائے خواجہ (تنقید)	صبیح رحمانی	200/-
5- نعت کی تخلیقی سچائیاں (تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
6- ہنر نازک ہے (تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
7- اردو نعت اور جدید اسالیب (تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	120/-
8- نعت نگر کا باسی (تنقید)	صبیح رحمانی	150/-
9- جادۂ رحمت کا مسافر (تنقید)	ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی	80/-
10- بہشت تضامین (شعری مجموعہ)	حافظ عبدالغفار حافظ	250/-
11- خیر البشر (میلاد نامہ)	نور بانو محجوب	200/-
12- نعت اور تنقیدِ نعت (تنقید)	ڈاکٹر ابوالخیر کشفی	300/-
13- فنِ اداریہ نویسی اور ''نعت رنگ'' (تنقید)	ڈاکٹر افضال احمد انور	200/-
14- ''نعت رنگ'' اہلِ علم کی نظر میں (مضامین)	ڈاکٹر شبیر احمد قادری	300/-
15- فہرست کتب خانہ نعت ریسرچ سینٹر (کتابیات)	محمد طاہر قریشی	300/-
16- زبورِ حرم (کلیاتِ نعت)	اقبال عظیم	450/-
17- شہہ لولاک (شعری مجموعہ)	امان خان دل	150/-
18- جادۂ رحمت (انگریزی مجموعہ)	جسٹس منیر مغل	200/-
19- اشاریہ ''نعت رنگ'' (بیس شمارے)	ڈاکٹر سہیل شفیق	300/-
20- سرکار کے قدموں میں (انگریزی ترجمہ)	سارہ کاظمی	500/-
21- شہپرِ توفیق (شعری مجموعہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	200/-

22- قوسین (شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	200/-
23- نزول (شعری مجموعہ)	شفیق الدین شارق	100/-
24- آنکھ بنی کشکول (شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	100/-
25- آپ (شعری مجموعہ)	حنیف اسعدی	150/-
26- کرم ونجات کا سلسلہ (شعری مجموعہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
27- نعت اور سلام (شعری مجموعہ)	وحیدہ نسیم	200/-
28- ممدوحِ خلائق (شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	200/-
29- مرقعِ چہل حدیث (مجموعۂ احادیث)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	300/-
30- نعتیہ ادب کے تنقیدی نقوش (تنقید)	پروفیسر محمد اکرم رضا	250/-
31- نعت کے تنقیدی آفاق (تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
32- مثنوی رموزِ بیخودی کا فنی وفکری جائزہ (اقبالیات)	ڈاکٹر عزیز احسن	200/-
33- اُمیدِ طیبہ رسی (شعری مجموعہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
34- نعت شناسی (تنقید)	ڈاکٹر ابوالخیر کشفی	300/-
35- اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ (تحقیقی مقالہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	700/-
36- پاکستان میں اُردو نعت کا ادبی سفر (تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	300/-
37- نعت نامے بنام صبیح رحمانی (مجموعۂ مکاتیب)	ڈاکٹر محمد سہیل شفیق	1000/-
38- نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے (تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	350/-
39- تعلق بالرسول a کے تقاضے اور ہم (سیرت)	ڈاکٹر عزیز احسن	52/-
40- دل جس سے زندہ ہے (ظفر علی خان کی نعتیہ تب وتاب)	ڈاکٹر محمد اقبال جاوید	100/-
41- نعت رنگ کے پچیس شمارے (ایک اجمالی تعارف)	ڈاکٹر شہزاد احمد	50/-
42- وفیات نعت گویانِ پاکستان	ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ	200/-
43- ڈاکٹر عزیز احسن اور مطالعات حمد و نعت	صبیح رحمانی	400/-
44- اُصول نعت گوئی	حلیم حاذق	200/-

کتاب	مصنف/مرتب	قیمت
45- نعت اور جدید تنقیدی رُجحانات	کاشف عرفان	400/-
46- زمزمہ سلام	سیما منیر	ہدیۂ دُعا
47- مدحت نامہ	صبیح رحمانی	600/-
48- کراچی کا دبستانِ نعت (صاحبِ کتاب نعت گو شعرا کا تذکرہ)	منظر عارفی	1000/-
49- مناقب امام حسین اور شعرا کراچی	منظر عارفی	500/-
50- کلام رضا فکری و فنی زاویے	صبیح رحمانی	500/-
51- عطر خیال (نعتیہ مجموعہ)	شبنم رومانی	200/-
52- یہ روح مدینے والی ہے	رئیس احمد	250/-
53- پاکستانی زبانوں میں نعت	صبیح رحمانی	500/-
54- کلیات عزیز احسن	صبیح رحمانی	700/-
55- نعتیہ شاعری کے فروغ میں ''نعت رنگ'' کی خدمات	حلیمہ سعدیہ منگلوری	500/-
56- اُردو شاعری میں نعت (ابتدا سے محسن کاکوری تک)	ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری	500/-
57- اُردو شاعری میں نعت (حالی سے حال تک)	ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری	500/-
58- حمد و نعت کے معنیاتی زاویے	ڈاکٹر عزیز احسن	400/-
59- تحمید و تحسین (حمدیہ اور نعتیہ مضامین)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	500/-
60- مناقب خلفائے راشدین اور شعرائے کراچی	منظر عارفی	800/-
61- نعتیہ شاعری کے شرعی تقاضے	ڈاکٹر عزیز احسن	250/-
62- تحسین رسالت (تنقیدی مضامین)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	2000/-
63- خوشبو کا سفر (نعتیہ مجموعہ)	محمد احمد اریب	100/-
64- نعتیہ ادب: مسائل و مباحث (خطوط کا تجزیاتی مطالعہ)	ڈاکٹر ابرار عبدالسلام	700/-
65- ہماری ملی شاعری میں نعتیہ عناصر (تحقیقی مقالہ)	ڈاکٹر محمد طاہر قریشی	900/-
66- ثنا کی نکہتیں (مجموعہ نعت برزمینِ غالب)	سیّد محمد نور الحسن نورؔ نورانی	300/-
67- افسر ماہ پوری کی نعت شناسی	ڈاکٹر شمع افروز	300/-
68- کشفیہ (مجموعہ نعت)	سلیم شہزاد	300/-

69- پاکستانی اردو غزل میں حمدیہ ونعتیہ عناصر (تنقید)	محمد کاشف ضیا	300/-
70- صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری (فکری وتنقیدی تناظر)	ڈاکٹر شمع افروز	700/-
71۔حمدیہ شاعری کی متنی وسعتیں	ڈاکٹر عزیز احسن	600/-
72۔ڈاکٹر عزیز احسن اور تقدیسی ادب کا فکری تناظر، مرتبہ: ڈاکٹر داؤد عثمانی		800/-
73۔حرا کی خوشبو	انجم نیازی	400/-
74۔ریاضِ حمد ونعت	ریاض حسین چودھری	500/-
75۔اردو کا حمدیہ ادب۔اجمالی مطالعہ	صبیح رحمانی	200/-
76۔انتخابِ نعت (موضوعات کے اعتبار سے)	پروفیسر اقبال جاوید	2000/-
77۔تحسینِ رسالت ﷺ	پروفیسر اقبال جاوید	2000/-
78۔عہد رسالت میں نعت	ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان	800/-
79۔اردو شاعری میں واقع معراج	ڈاکٹر طاہرہ انعام	900/-
80۔تنقیدِ نعات: نیا تناظر نئی تفہیم	ڈاکٹر ابرار عبدالسلام	1400/-
81۔THE CREATIVE AESTHETICS of N'at	Dr.Aziz Ahsan	200 /-
82۔اردو میں معراج نامے	ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط	700/-
83۔دبستان فلم کے نعت نگار	اکرم کنجاہی	----
84۔کلیات نعت ﷺ	شیخ عبدالعزیز دباغ	800/-
85۔ریاض حسین چودھری کا جہان فن	شیخ عبدالعزیز دباغ	400/-

☆☆☆☆☆

"دبستان نعت" کے شماروں سے منتخب کیے گئے یہ مضامین ہندوستان میں انتقادِ نعت کی مستحکم ہوتی ہوئی فضا کا پتا دیتے ہیں۔ مجلہ "دبستان نعت" جہاں نعت ریسرچ سینٹر انڈیا کے مقاصد و اہداف کا ترجمان ہے، وہیں ہندوستان کے اہل قلم کی نعتیہ ادب کے لیے مساعی جمیلہ کا آئینہ دار بھی ہے۔ ہندوستان میں نعت کے فروغ اور ایک ادبی حیثیت حاصل کرنے کے مراحل کی تکمیل کے عمل میں فیروز احمد سیفی اور ڈاکٹر سراج احمد قادری کی کاوشیں لائق تحسین ہے۔ آج ہندوستان میں نعت شناسی کا جو منظر نامہ نمایاں ہوا ہے، اس میں "دبستان نعت" کی قابل قدر خدمات کا اہم حصہ ہے۔ زیر نظر انتخاب میں ان موضوعات کو بالخصوص اہمیت دی گئی ہے جو نعت گوئی اور نعت شناسی کے باب میں بنیادی نوعیت کے حامل ہیں۔ یہ تحریریں اس حقیقت کی بھی غماض ہیں کہ ادب کی دوسری اصناف کی طرح نعتیہ ادب کا فروغ اور انتقادی شعور بھی قید مقام سے ماورا ہے، یہ وہی بوئے گل ہے کہ جو بیرون چمن جاتی ہے تو ذرے ذرے کو اپنا ہم راز پاتی ہے۔ "نعت کی تنقیدی و تحقیقی جہات" میں یکجا کیے گئے ان مضامین میں ناقدین کے تنقیدی شعور اور مرتب کے ذوق انتخاب نے مل کر ایک ایسی فضا قائم کی ہے جس میں نہ صرف ان مضامین کے افکار و مباحث کی نوعیت واضح ہوئی ہے بلکہ پڑھنے والوں کے لیے غور و فکر کا زاویہ بھی فراہم ہوا ہے۔ پاکستان میں اس انتخاب کی اشاعت کا مقصد نعت اور نقد نعت سے دل چسپی رکھنے والے قارئین کو اس کام سے استفادے کا موقع فراہم کرنا ہے۔ خدمت نعت کا سفر میری روح کا سفر ہے جس کے ہر پڑاؤ پر میں نئے ہم سفروں کا خیر مقدم کرتا ہوں۔

سید صبیح رحمانی

ISBN No. 978-969-8918-87-3